قرآن وحدیث کی روسے
اسلام میں
عورت کا مقام
مصنف
حضرت علامہ مولانا مفتی عبدالرزاق بھترالوی عطاری
ضیاء العلوم پبلی کیشنز
راولپنڈی - پاکستان

اسلام میں

مؤلفہ

حافظ قاضی عبد الرزاق

چشتی بھتر الوی حطاروی

ناشر

نام کتاب: اسلام میں عورت کا مقام

تصنیف: حافظ قاضی عبد الرزاق چشتی بھترالوی حطاروی

کمپوزنگ: الرضا کمپوزر، اسلام آباد

پروف ریڈنگ انجینئر محمد عارف قادری

ضخامت: $\frac{23x36}{16}$ 352 صفحات

طباعت بار پنجم فروری 2008ء

قیمت: =/

ناشر: ضیاء العلوم پبلی کیشنز یو 128 بازار تلواڑاں راولپنڈی
0333-5166587
Fax-4580404
Emil:ziauloom@isb.paknet.com.pk

واحد تقسیم کار اسلامک بک کارپوریشن اقبال روڈ راولپنڈی
Ph:051-5536111

فہرست

صفحہ	عنوان

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ
عورت کا بال کٹانا ناجائز ہے	176
عورت بغیر محرم یا خاوند کے حج نہیں کر سکتی	178
مرد اور عورت اپنی نگاہوں کو پست رکھیں	180
مرد اور عورت کا ایک دوسرے کو دیکھنا چار طرح سے ہے	184
عورت کے لئے تمام اشتعال انگیز کام ناجائز ہیں	191
بے نکاح عورتوں کے نکاح کر دئے جائیں	192
نکاح میں مال و دولت کے بجائے دینداری کا لحاظ کیا جائے	193
عورتیں باپردہ ہو کر باہر نکلیں	196
عورتوں کا آج کا لباس اور نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد	199
عورتیں زیادہ جہنم میں جائیں گی	201
تقویٰ یہ ہے کہ عورت جہاں تک ممکن ہو مردوں کو نہ دیکھے	202
عورت کو چہرہ چھپانا واجب ہے	205
عورت کی حکمرانی ناجائز ہے	209
عورت کا مکر شیطان کے مکر سے بھی بڑا ہے	214
اپنے معاملات عورت کے سپرد کرنے سے موت بہتر ہے	215
حاکم کا بہادر ہونا ضروری ہے جبکہ عورت ڈرپوک ہے	218
مرد کو عورت سے زیادہ طاقت حاصل ہے	220
عورت اور جہاد	223
حضرت ام حرام بنت ملحان کی جہاد میں شرکت	226
یزید کے مظالم کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی	233
یزید پر لعنت کا حکم	236
عورتیں جہاد نہ کریں	237
اسلام نے کافر عورتوں کا بھی لحاظ رکھا	240

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

عرض مؤلف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خالق کائنات، مالک دنیا و آخرت، رب قدوس علیم و حکیم ہے، اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ انسان انجام سے بے خبر بعض اوقات نقصان دہ چیز کو مفید سمجھتا ہے اور بعض اوقات نفع مند چیز کو نقصان دہ سمجھتا ہے۔

حضرت ابراھیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ ایک بار کسی دعوت پر مدعو ہوئے۔ دسترخوان بچھایا گیا، کھانا اس پر سجایا گیا۔ مہمان آکر بیٹھے ہی تھے کہ ایک کوا آیا اور ایک روٹی اٹھا کر چلتا بنا۔ حضرت ابراھیم ادھم بزرگ ولی اللہ تھے۔ انہوں نے کوے کا تعاقب کیا تو دیکھا کہ اس نے روٹی کو ایک وادی میں پھینک دیا۔ دیکھا کہ وہاں ایک شخص مقید ہے یعنی اسے باندھ کر قید کیا ہوا ہے۔ روٹی اس کے منہ کے پاس گری جس نے روٹی کو کھانا شروع کیا۔ تو ابراھیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ نے سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا۔ (کبیر سورۃ فاتحہ زیر آیت الرحمن الرحیم)

حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں ایک دن میں گھر بیٹھا ہوا تھا۔ میرے دل میں اضطراب پیدا ہوا میں دریائے نیل کی جانب چلا گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا بچھو بھاگتا ہوا جا رہا ہے۔ دریا کے کنارے ایک مینڈک کی پیٹھ پر سوار ہو گیا وہ مینڈک دریا میں چلا گیا۔ یہ کہتے ہیں کہ میں بھی ایک کشتی پر سوار ہو گیا۔ وہ مینڈک دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچا تو بچھو اسکی پیٹھ سے اتر کر پھر تیز چلنے لگا میں بھی پیچھے پیچھے چل کر ماجرا دیکھ رہا ہوں۔

آگے ایک بہت بڑا اژدھا ہے، اس سے کچھ فاصلے پر ایک آدمی درخت کے نیچے سویا ہوا ہے۔ بچھو نے اژدھا کو کاٹا اور اژدھا نے بچھو کو کاٹا یہ دونوں مر گئے لیکن وہ شخص جو درخت کے نیچے سویا ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے محفوظ رکھا۔ (کبیر سورۃ فاتحہ زیر آیۃ الرحمن الرحیم)

ان دو واقعات سے یہ واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے کاموں میں صدہا حکمتیں ہیں لیکن انسان ان سے بعض اوقات بے خبر رہتا ہے۔

عورت کو خالق کائنات نے صنف نازک بنایا، نرم و نازک جسم بنا کر محبت کا گہوارہ بنا دیا، زبان کو پست رکھ کر شیریں کلام کی حلاوت سے نوازا۔

محبوب خدا سید الانبیاء نے "ان الجنۃ تحت امھات الاقدام" (بیشک جنت ماؤں کے قدموں میں ہے" کا مژدہ سنا کر عورت کی عزت کو وہ عروج بخشا جو عورت کے وہم و گمان میں نہ تھا۔

عورت کی فطری تخلیق میں جرات و بہادری نہیں، مردوں کا مقابلہ کرنا اس کے بس کا روگ نہیں، جہاد میں نمایاں کارنامے سرانجام دینے کی وسعت اس میں نہیں اسلئے مردوں کو گھر کا سربراہ بنایا۔ عورت کو باحیاء اور غیر تمند رکھنے کے لئے حجاب کا حکم دیا۔ تاکہ عورت کی عزت و احترام کا لحاظ رکھا جائے۔

لیکن یہود و نصاریٰ، مشرکین و کفار نے باہمی سازش کے ذریعے مسلمان عورتوں کو آزادی نسواں کا نعرہ دے کر اسلام کا باغی بنا دیا۔

سر سے دوپٹہ اتار کر گلے میں ڈال دینا، گریبان کھلا رکھنا، بازو ننگے رکھنا، حیاء اور غیرت کا نام و نشان نہ ہونے کا نام عورتوں کی آزادی رکھ دیا گیا۔

جب کبھی عورت پردے میں حیاء کا پتلا بن کر باہر نکلتی تھی تو مردوں کی نگاہیں عزت و احترام کے پیش نظر نیچے جھک جاتیں۔ راستے سے ہٹ جاتے، عورت کے لئے راستہ کشادہ کر دیتے۔

جب سے عورت اسلام کی باغی ہو کر آزاد ہونے کی دعویدار بنی، بے حجاب، گریبان کھول کر اور نیم برہنہ ہو کر بازاروں میں گھومنے لگی تو اس وقت سے ہوسناک نگاہیں اس کے تعاقب میں ہو گئیں۔ راستہ کشادہ کرنے کی بجائے اوباش، بدقماشوں نے عورتوں کے راستوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ آوازے کسنا محبوب مشغلہ بن گیا۔

اسلام نے عورت کو حیوانیت سے نکال کر انسانیت کے بلند و بالا مقام پر قائم کیا۔ عظمت و وقار جیسی عظیم نعمتوں سے سرفراز کیا۔ لیکن مغربیت نے آزادی کے نام پر عورت کو انسانیت سے دور کر کے پھر حیوانیت کی طرف دھکیل دیا۔

شرم و حیاء سے ہی تو انسان اور باقی حیوانوں میں فرق سمجھا جاتا ہے۔ جب شرم و حیاء کا نام و نشان باقی نہ رہے تو انسان اور حیوان میں امتیاز کا ختم ہو جانا قدرتی بات ہے۔

میں نے زیرِ نظر کتاب میں یہ واضح کیا کہ اسلام نے عورت کو جو بلند مقام عطا کیا ہے دوسرے مذاہب میں اُس کا تصور بھی ممکن نہیں۔

وجہ اصل میں یہی ہے کہ ربِ کائنات کے احکام میں انجام کا لحاظ کیا جاتا ہے اور انسان ظاہر کو دیکھتے ہیں اور انجام سے بے خبر ہوتے ہیں۔ اسلئے انسانوں کے کئی فیصلے برے انجام کا باعث بنتے ہیں۔ قارئین کرام! قرآن و حدیث کی روشنی میں عورت کے مقام کو دیکھیں اور سوچیں کہ اسلام کا انسانیت پر اور خصوصاً مسلمانوں پر کتنا احسان عظیم ہے۔

اللہ تعالیٰ اسلامی تعلیمات کو سمجھنے اور اسکے احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

عبدالرزاق بھترالوی، حطاروی

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں کمی بیشی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمیں اس بات کا بخوبی اندازہ ہے کہ کسی بھی قوم کی خواتین کا اپنی قوم کی تعلیم وتربیت میں جو کردار ہوتا ہے وہ کسی تشریح وتوضیح کا محتاج نہیں ۔ ماں کی گود بچے کی سب سے پہلی درسگاہ اور تربیت گاہ ہوتی ہے۔ ماں کی گود بچے کیلئے ایسی مؤثر و مکمل درسگاہ کا کام دیتی ہے کہ جو سبق ماں کی گود میں بچہ سیکھ لیتا ہے وہ اس کے قلب وذہن پر ایسا منقش ہوتا ہے کہ اسکا اتارنا مشکل ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں بزرگان دین کی زندگیوں کا مطالعہ کرنے کے بعد بیشمار واقعات کا پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اپنی پہلی تربیت گاہ سے جو تعلیم وتربیت حاصل کی اس کے اثرات وثمرات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے ۔

چنانچہ ملت اسلامیہ کیلئے جتنی بھی اہمیت مردوں کی دینی اصلاح کو حاصل ہے خواتین کی دینی تعلم وتربیت اس سے کسی طرح کم اہمیت نہیں رکھتی ۔ ایک تو اس طرح کہ اسلامی احکام کا خطاب جس طرح مردوں کیلئے ہوتا ہے اسی طرح عورتوں کو بھی اس میں شامل کیا جاتا ہے ۔ بلکہ بعض احکام ایسے بھی ہیں کہ جن کی مخاطب صرف اور صرف عورت ہوتی ہے۔

اور دوسرے اس لئے کہ خواتین کی تربیت بالآخر پوری قوم کی تربیت کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔ سیرت مطہرہ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ سرکار دوعالم کا یہ معمول مبارک ہوا کرتا تھا کہ آپ اپنے خطاب ذیشان میں مردوں اور عورتوں دونوں کو مخاطب فرمایا کرتے تھے لیکن کبھی کبھار آپ خاص طور عورتوں کے

لئے الگ مجلس مقرر فرمایا کرتے تھے تاکہ خواتین کی تربیت کا خصوصی اہتمام ہو سکے۔

اسلام نے عورت کی قدر و منزلت کو بڑھانے کے لئے اس کی تربیت کا خصوصی اہتمام و انتظام کیا اور اسلام نے عورت کو مقام و مرتبہ عطا کرنے کے صرف دعوے ہی نہیں کئے بلکہ علم و عمل میں، تدبیر و سیاست میں، بہادری اور شجاعت میں، تہذیب و تمدن میں، الغرض عورتوں کے چند فطری خصائل کے علاوہ زندگی کے تمام شعبوں میں عملی حیثیت سے مردوں کے دوش بدوش لاکر کھڑا کر دیا۔ اگر مردوں کی صف سے ابو بکر صدیق، عمر فاروق، حیدر کرار اور عثمان ذوالنورین جیسے مجموعہ حسنات کو اس نے ہدایت کے لئے دنیا کے سامنے پیش کیا تو عورتوں کی جماعت سے اس نے حضرت عائشہ، خدیجہ الکبری، حضرت صفیہ، حضرت ام سلمہ، حضرت زینب اور حضرت فاطمہ الزہراء جیسی خواتین کو زہد و تقوی، نیکی اور بادشاہی علم و عمل کے قابل تقلید نمونے بنا کر اقوام عالم کے سامنے نشان امتیاز و بصیرت کی غرض سے پیش کر دیا۔

آیئے دیکھیں کہ قرآن و حدیث کی رو سے عورت کو کیا مقام اور مرتبہ عطا ہوا اس کو کیا حقوق دیئے گئے اور اسے کن ذمہ داریوں سے عہدہ بر آہونے کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔

زیر نظر تالیف ...... "اسلام میں عورت کا مقام" ...... میں حضرت علامہ مولانا عبد الرزاق بھترالوی نے قرآنی آیات اور احادیث نبوی کی روشنی میں عورت کی حیثیت کو واضح فرمایا ہے کہ اسلام سے پہلے عورت کن مشکلات سے دوچار تھی۔ لیکن اسلام نے اس کو وہ مقام دے دیا کہ اس کو زمین کی پستیوں سے نکال کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ اور اسلام نے اس کو جو معاشی، معاشرتی اور حفاظتی حقوق عطا کئے

ہیں، ان کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اور عورت کی حیثیت سے اس کی صفات بیان کی گئی ہیں اور عورت کو اس کی ذمہ داریوں سے روشناس کرایا گیا ہے۔ اس کتاب کا مقصد عظیم یہ ہے کہ خواتین کو ان اصول و قوانین سے آگاہ کیا جائے جو اسلام نے ان کے لئے مقرر کر دیئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا عبدالرزاق بھترالوی صاحب کو علم و فضل کے ساتھ ساتھ صدق و اخلاص کی دولت سے بھی مالامال فرمایا ہے۔ انہیں دل پرسوز کی نعمت سے نوازا ہے۔ اس لئے ان کے سادہ الفاظ میں دلوں پر اثر کرنے کی وہ غیر معمولی صلاحیت ہے جو فصاحت و بلاغت اور اردو ادب سے زیادہ ایک خلوص بھرے جذبے کی پیداوار ہوتی ہے۔ مولانا کی عبارت نہایت سادہ و سلیس، انداز بیان ہلکا پھلکا، الفاظ عام فہم اور اسلوب پر اثر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نبی کریم ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے یہ امید ہے کہ یہ کتاب ان شاء اللہ بہت ہی خواتین کی اصلاح کا ذریعہ ثابت ہو گی۔

دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمان خواتین کو اس کتاب کی صحیح قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اسے ان کی تعلیم و تربیت کا مؤثر ذریعہ بنائے اور اسے اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے اور حضرت مؤلف عظیم اور کتاب کی اشاعت میں حصہ لینے والے تمام افراد کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین

سید شہاب الدین شاہ

جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی ھدانا الی الصراط المستقیم

والصلوۃ والسلام علی نبیہ الرؤف الکریم

وعلیٰ آلہ واصحابہ الذین قاموا علی الدین القویم

تخلیق عورت

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، وقلنا یآدم اسکن انت وزوجک الجنۃ (پ۱) اور ہم نے فرمایا اے آدم تو اور تیری بی بی اس جنت میں رہو۔

اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد آپ پر اللہ تعالیٰ نے نیند ڈال دی ثم اخذ ضلعاً من جانبہ الایسر ووضع مکانہ لحماً پھر آپ کی بائیں طرف سے ایک پسلی کو نکال لیا گیا اور اسکی جگہ گوشت رکھ دیا گیا، اسی سے حضرت حوا کو پیدا کیا گیا۔ جب آپ بیدار ہوئے تو آپ نے اپنے پاس حضرت حوا کو پایا۔ تو پوچھا تم کون ہو؟ آپ نے کہا میں عورت ہوں۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا تمہیں کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ آپ نے کہا تاکہ تم مجھ سے سکون حاصل کرو۔ (روح المعانی ج۱)

اس آیت کے ظاہر سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ جنت میں جانے سے پہلے ان (حضرت حوا) کی پیدائش ہوئی۔ پہلے حضرت آدم اور حوا کا نکاح ہوا اس کے بعد فرشتے انہیں جنت میں لے گئے۔ (التبیان)

عورت کا سب سے پہلا مہر

حضرت آدم علیہ السلام کا جب نکاح ہو گیا تو آپ نے حضرت حوا کی طرف میلان کرنا چاہا اور ان سے انس پکڑنے کا ارادہ کیا تو فرشتوں نے کہا اے آدم ٹھہر جاؤ۔ آپ نے فرمایا کیوں؟ جب رب نے اسے پیدا ہی میرے لئے کیا ہے۔ فرشتوں نے کہا پہلے مہر ادا کر دو، قال وما مہرھا قالوا حتی تصلی علی محمد (جمل، صاوی) آپ نے پوچھا وہ مہر کیا ہے۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ وہ مہر یہ ہے کہ آپ (آخر الزمان نبی، سید الانبیاء) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھیں۔

درود شریف کتنی مرتبہ پڑھنا مہر قرار دیا گیا تھا، اگرچہ اس میں یعنی تعداد میں مختلف اقوال ہیں۔ تفسیر جمل نے تین مرتبہ اور صاوی نے سترہ مرتبہ کا قول ذکر کیا۔ لیکن علامہ احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر تبیان میں دس مرتبہ درود پاک پڑھنے کے قول کو اختیار کیا ہے۔ اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ حضرت حوا کا مہر، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھنا ہی مقرر کیا گیا۔

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کی تخلیق اور نکاح کے بعد فرشتوں کی ایک بہت بڑی جماعت کو بھیجا گیا، وہ ایک سونے کے تخت پر حضرت آدم اور حضرت حوا کو بٹھا کر اس طرح جنت میں لائے جس طرح بادشاہوں کو عزت و تکریم کے لئے پالکیوں میں بٹھا کر لوگ اپنے کندھوں پر اٹھا کر شاہی محلات میں لاتے تھے۔ (از روح المعانی)

فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے علم کا امتحان لینے کے لئے سوال بھی کیا تھا۔

حضرت حوا کو جب پیدا کیا گیا اور حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کے ابتدائی کلام کے بعد فرشتوں نے آدم علیہ السلام سے پوچھا من ھذہ۔

یہ کون ہے ؟ قال امراۃ۔ آپ نے جواب دیا یہ عورت ہے۔ قالوا لم سمیت امراۃ۔ فرشتوں نے پھر سوال کیا کہ اس کا نام "امراۃ" یعنی عورت کیوں رکھا گیا۔ قال لانھا خلقت من المرا۔ آپ نے فرمایا اسلئے کہ یہ مرد سے پیدا کی گئی۔ یعنی "مرا" مرد کو کہتے ہیں اور جیسے مرد سے پیدا کیا گیا اس کا نام "مراۃ" (عورت) رکھا گیا۔

حضرت حوا کا نام حوا کیوں ؟

فقالوا اما اسمھا ؟ پھر فرشتوں نے سوال کیا کہ اس عورت کا نام کیا ہے۔ قال حوا۔ آپ نے فرمایا اس کا نام حوا ہے۔ قالوا لم سمیت حوا۔ فرشتوں نے پھر پوچھا کہ اس عورت کا نام حوا کیوں رکھا گیا۔ قال لانھا خلقت من شیء حی۔ آپ نے فرمایا اسلئے کہ اسے ایک زندہ شخص سے پیدا کیا گیا ہے۔

عجیب و لطیف نکتہ

آیت کریمہ میں لفظ زوجک کو پہلے ذکر کیا گیا ہے اور الجنۃ کو بعد میں، اسکی کیا وجہ ہے ؟ اسکی وجہ یہ ہے کہ زوجہ دل کا مسکن ہے اور جنت بدن کا مسکن ہے۔ حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ دل کے مسکن کو بدن کے مسکن (سکونت، ٹھہرنے کی جگہ) سے پہلے ذکر کیا

جائے۔ اور عربی کی ایک ضرب المثل بھی اسی کے مطابق ہے۔ الرفیق قبل الطریق۔ راستہ اختیار کرنے سے پہلے دوست کو ساتھ لیا جائے۔ (روح المعانی)

تخلیق عورت کی وجہ

عورت کی تخلیق ہی اس لئے کی گئی کہ مرد اس سے انس پکڑے، سکون و راحت حاصل کرے، اس لئے کہ رب قدوس نے خاوند اور زوجہ کے درمیان محبت و رحمت کا ایک عجیب دریا موجزن کر دیا جو دل کی تسلی اور راحت کا سبب ہے۔

ھو الذی خلقکم من نفس واحدۃ و جعل منہا زوجہا لیسکن الیہا (پ ۹) وہی جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا (یعنی انسان کی جنس سے انسان کی زوجہ کو پیدا کیا) کہ اس سے چین (سکونت و راحت) پائے۔

لیسکن الیہا میں لام علت غائیہ ہے جعل کی۔ یعنی تخلیق عورت کا مقصد اور وجہ ہی یہ ہے کہ "لیستانس بہا و یطمئن الیہا" تاکہ مرد اس سے انس پکڑے اور اسے عورت سے چین حاصل ہو یعنی عورت کو مرد کا باعث سکون و راحت بنایا گیا ہے۔ (تفسیر ابو سعود)

و من آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیہا و جعل بینکم مودۃ و رحمۃ ان فی ذالک لآیات لقوم یتفکرون (پ ۲۱) اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے کہ ان سے آرام پاؤ اور تمہارے آپس میں محبت و رحمت رکھی، بے شک اس میں نشانیاں ہیں دھیان کرنے والوں کے لئے۔

انسان کی جنس سے ہی انسان کی زوجہ کو بنایا کسی اور جنس سے نہیں بنایا کیونکہ ان المجانسۃ من دواعی النظام و التعارف کما ان المخالفۃ من اسباب التفرق و التنافر (روح المعانی) بیشک مجانست (یعنی ایک دوسرے کی جنس ہونے) میں نظام اور تعارف ہے اور جنس کا اختلاف ایک دوسرے سے نفرت اور جدائی کا سبب ہے۔

لتسکنوا الیہا کا معنی ہے لتمیلوا الیہا کہ تم انکی طرف میلان کرو۔ یعنی اس سے مراد سکون قلبی ہے۔ اسلئے کہ جب یہ کہا جائے سکن الیہ تو اسکا معنی ہوتا ہے کہ اسے فلاں شخص سے سکون قلبی حاصل ہوا۔ اور جب اس طرح کہا جائے سکن عندہ تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ اس کے پاس ٹھہرا یعنی اس سے مراد سکون جسمانی ہوگا۔ کیونکہ

لفظ عند ظرف مکان کے لئے استعمال ہوتا ہے اور یہ اجسام کے لئے ہوگا۔ اور لفظ الی غایت کے لئے استعمال ہوتا ہے جو قلوب (دلوں) کے لئے ہوگا۔ (کبیر)

مودۃ سے مراد جماع بھی ہو سکتا ہے جو ذریعہ محبت ہے اور رحمۃ سے مراد اولاد ہو جو رحمت کا ذریعہ ہوتی ہے۔

یہ بھی خیال رہے کہ محبت پہلے ہوتی ہے اور رحمت بعد میں۔ کبھی عورت مرض کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے محل شہوت نہیں رہتی لیکن محبت پھر بھی برقرار رہتی ہے۔ اگر محبت کا ذریعہ صرف شہوت ہو تو جس وقت خواہشات کا زوال نظر آئے تو محبت کا اختتام ہو جائے حالانکہ ایسا نہیں۔ علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا، ولیس ذالک بمجرد الشھوۃ فانھا قد تنتفی و تبقی الرحمۃ فھو من اللہ (کبیر)

خاوند اور بیوی کے درمیان محبت کا ایک دریا موجزن ہوتا ہے اتنی کثیر محبت انسان کو اپنے کسی رشتہ دار سے نہیں جتنی اپنی زوجہ سے ہوتی ہے۔ لیکن یہ صرف شہوت یعنی خواہشات نفسانیہ کی وجہ سے نہیں ہوتی کیونکہ خواہشات کبھی ختم ہو جاتی ہیں اور رحمت و محبت کا سلسلہ برقرار رہتا ہے اسکی وجہ صرف اور صرف یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان محبت و رحمت کو رکھ دیا ہے جو اسکی مہربانی اور رحمت سے چیز حاصل ہو اس کا زوال خواہشات کے زوال سے نہیں ہو سکتا۔

اگر انسان اسی چیز پر غور و فکر کرلے کہ خواہشات کے زوال سے زوجین کے درمیان محبت کے سلسلہ کا زوال نہیں ہوتا بلکہ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا نتیجہ ہے۔ خواہشات کے ختم ہونے سے میاں بیوی کا افتراق (جدائی) نہیں ہوتا بلکہ محبت کا سلسلہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے تو اس سے انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اسکی کبریائی کو سمجھ جائے گا۔

اس آیۂ کریمہ کی تفسیر مفکر اسلام مفسر قرآن پیر کرم شاہ صاحب نے حسین و جمال الفاظ سے اس طرح بیان فرمائی: زندگی کی شاہراہ بڑی ہی کٹھن ہے۔ قدم قدم پر رکاوٹیں ہیں۔ ہجوم مصائب ہے غموں کے اندھیرے ہیں۔ ناکامیوں کے چرکے اور مایوسیوں کی وحشتیں ہیں۔ اس کے باوجود حکم یہ ہے کہ اپنے خالق کو پہچانو اور اسکی مخلوق پر ابر رحمت بن کر برسو، قعر دریا میں تختہ بند بھی کر دیا گیا ہے اور دامن تر مکن

ہوشیار باش (دامن آلودہ نہ کر ہوشیار رہ) کا فرمان واجب الاذعان (جس پر یقین رکھنا واجب ہے) بھی سنا دیا گیا ہے۔

یہ طول سفر، یہ نشیب و فراز
مسافر کہاں تک سنبھلتا رہے

لیکن اس کریم نے انسان کے شکستہ حوصلوں کو بلند رکھنے کے لئے اس کے ڈگمگاتے قدموں کو ثبات بخشنے کے لئے آلام و مصائب کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لئے اسکی جنس سے بیوی کی صورت میں اسے ایک رفیق سفر بھی عطا کر دیا گیا۔ جنسی یگانگت کے علاوہ دونوں کے دلوں کو محبت اور رحمت کے پاکیزہ اور پختہ تعلقات سے جوڑ دیا ہے۔ یہ سنگت صرف ان دنوں تک محدود نہیں جب صحت و شباب کا آفتاب چمک رہا ہو، جب حالات سازگار ہوں اور بخت بیدار ہو بلکہ محبت و پیار اور شفقت و ہمدردی کا یہ رشتہ کسی صورت میں بھی نہیں ٹوٹتا۔ غموں کے اندھیرے جیسے جیسے گہرے ہوتے جاتے ہیں، محبت کی یہ شمع زیادہ نور افشانی کرنے لگتی ہے۔ جب حالات ناسازگار ہوں اسکی رفاقت میں مزید پختگی آجاتی ہے۔ نیز انکی تخلیق اس طرح کی گئی ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر ادھورے ہیں۔ دونوں کی حسرتوں، آرزوؤں، امنگوں اور خوشیوں کی تکمیل کا راز ایک دوسرے سے وابستہ رہنے میں ہے۔ خود سوچئے اگر محبت کا چراغ زندگی کی اس کٹھن راہ کو روشن نہ کرتا اور رحمت کا جذبہ ایک دوسرے کی دستگیری نہ کرتا، تو اس سفر حیات کا انجام کتنا حسرت ناک ہوتا، تو ہزار جان قربان ہو اس خالق کریم پر جس نے مرد کی جنس سے عورت کو پیدا کیا اور پھر انہیں محبت اور رحمت کے رشتوں میں یوں پرو دیا کہ علیحدگی کا تصور تک پریشان کر دیتا ہے۔ میاں بیوی کے تعلقات پر انسان جتنا غور کرے پھر آیت کریمہ کے ان کلمات طیبات میں "جعل بینکم مودۃ و رحمۃ" جتنا تدبر کرے اللہ تعالیٰ کی رحمت، حکمت اور قدرت کے جلوے لتنے ہی نمایاں ہوتے چلے جاتے ہیں۔ مرد اور عورت کی آفرینش (پیدائش) اور ان میں محبت و رحمت کے یہ تعلقات اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی صرف ایک دلیل نہیں بلکہ اس میں بے شمار دلیلیں سمو دی گئیں ہیں۔ جتنا کوئی سوچے گا اتنی ہی اسے معرفت نصیب ہوتی جائے گی۔ (ضیاء القرآن)

اسلام سے پہلے عورت بحیثیت بیٹی ہونے کے

اسلام سے پہلے عورت کو دیکھا جائے کہ عورت سے کیا سلوک کیا جاتا تھا۔اس پر کتنے مظالم ڈھائے جاتے تھے عورت کو حیوانوں سے بھی بدتر سمجھا جاتا تھا یعنی حیوان کی پھر کوئی اس معاشرہ میں قدر و منزلت تھی لیکن عورت کا کوئی مقام نہ تھا۔جب اس پر ظلم و ستم اور بربریت و وحشت کے خدوخال انسان کے سامنے آتے ہیں، ذہن و ضمیر کانپ اٹھتے ہیں۔ رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ دل مضطرب ہو جاتا ہے۔ انسان سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اسلام سے قبل واقعی عورت اتنی مظلوم تھی، ظلم کی بے رحم موجیں اسے ذلت کے گرداب میں دھکیل رہی تھیں۔اے انسان تو کتنا ظالم تھا اپنی لخت جگر بیٹیوں کو تو زندہ ہی زمین میں دبا رہا تھا، تیرا دل پتھر سے زیادہ سخت تھا، حیوانیت کا جنون تجھ پر سوار ہونے کی وجہ سے تیرے آنسو خشک ہو چکے تھے۔آئیے اس ظلم کی جھلک قرآن پاک کی ایک آیۃ کریمہ کی تفسیر میں دیکھیے کہ عورت بحیثیت بیٹی ہونے کے کتنی مظلوم تھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی واذا الموءدۃ سئلت- بای ذنب قتلت- (پ ۳۰) اور جب زندہ دبائی ہوئی سے پوچھا جائے کس خطا پر ماری گئی۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، الموءدۃ لفظ وادیئد سے بنا ہے جس میں قلب پایا گیا ہے دراصل یہ لفظ آدیئوداوداً ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی دوسرے مقام پر ہے ولا یؤدہ حفظہما اور اسے بھاری نہیں انکی نگہبانی۔ یعنی زمین و آسمان کی نگہبانی اللہ تعالیٰ پر بھاری نہیں۔ یعنی اس مقام پر یئوُد کا معنی بھاری ہونا ہے اسی طرح المؤدۃ لفظ جس کا اصل بھی اوداً ہے اس کا معنی بھی مٹی کا بوجھ ڈال دینا، وزن کے نیچے دبا دینا، بھاری چیز کا اس پر ڈال دینا۔

کسی شخص کے گھر اگر بیٹی پیدا ہوتی، تو وہ انسان اگر چاہتا کہ یہ بیٹی زندہ رہے اسے زندہ دفن نہ کیا جائے تو اسے اون یا بکریوں کے بالوں کا بنا ہوا جبہ پہنا دیا جاتا اور جنگل میں اسے اونٹ اور بھیڑ بکریاں چرانے پر مقرر کر دیا جاتا تاکہ اسے کوئی دیکھ نہ سکے کہ اسکے گھر بیٹی موجود ہے۔یوں سمجھئے کہ کسی حیوان کا بلکہ کتے کا گھر میں رہنا اور لوگوں کا دیکھنا انہیں کوئی عار نہ دلاتا لیکن بیٹی کا گھر رہنا اور لوگوں کا اس پر مطلع ہونا کہ انکے گھر بیٹی ہے ان کے لئے عار کا سبب تھا۔

اگر وہ شخص جس کے گھر بیٹی پیدا ہوئی اسے قتل کرنے کا ارادہ کرتا تو اسے اتنی دیر تک زندہ رکھا جاتا کہ اس کا قد چھ بالشت ہو جائے یا تفسیر ابو سعود کے مطابق اسکی عمر چھ سال ہو جائے، پھر وہ شخص اسکی ماں کو کہتا کہ اسے خوشبو لگاؤ، اچھے کپڑے پہناؤ، اسکی خوب زیب و زینت کرو تاکہ میں اسے اپنے رشتہ داروں سے ملاقات کرا لاؤں، اس طرح وہ اپنی بیٹی کو جنگل میں لے جاتا، جہاں اس کے لئے ایک گڑھا کھود کر تیار کیا ہوتا۔ اس کنواں نما گڑھے کے پاس بیٹی کو لے جا کر کہتا "انظری فیھا ثم یدفعھا من خلفھا و یھیل علیھا التراب حتی یستوی البئر بالارض" اس میں دیکھو (جب وہ کنوئیں میں دیکھتی) تو پیچھے سے اسے دھکا دے دیا جاتا اور اس پر مٹی ڈال کر اس کنوئیں کو زمین کے برابر کر دیا جاتا۔ (از کبیر، ابو سعود)

بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا بیشک آپ نے فرمایا کہ قیس ابن عاصم تمیمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ میں نے زمانہ جاہلیت میں اپنی آٹھ بیٹیاں زندہ دفن کر دی تھیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر ایک بیٹی کے بدلے ایک غلام آزاد کر دو، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے پاس تو صرف اونٹ ہی ہیں تو آپ نے فرمایا اچھا ہر ایک کے بدلے میں ایک اونٹ ہی قربانی کر دو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم استحبابی تھا وجوبی نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ اگر تم غلام آزاد کرو گے یا اونٹ قربانی کرو گے تو تمہاری توبہ قبول ہو گی ورنہ نہیں اسلئے کہ "ان الاسلام یجب ما قبلہ من مثل ذالک" اسلام سے پہلے جتنے بھی اس قسم کے جرائم ہوتے ہیں اسلام انہیں مٹا دیتا ہے۔ یعنی اسلام سے پہلے کے تمام گناہ اسلام لانے سے معاف ہو جاتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم اس لئے دیا تھا تاکہ ان لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ بیٹیوں کو زندہ دفن کرنا عظیم جرم ہے۔ (از روح المعانی)

بیٹیوں کو زندہ کیوں دفن کیا جاتا

وہ کیا چیز تھی جو انہیں بیٹیوں کے زندہ دفن کرنے پر برانگیختہ کرتی اور اتنی سنگدلی پر انہیں مجبور کرتی۔ اسکا جواب علامہ رازی رحمتہ اللہ علیہ نے یہ دیا "الخوف من لحوق العار بھم من [illegible]" بیٹیوں کی وجہ سے اپنے آپ کو عار (شرم)

لاحق ہونے کے خوف کی وجہ سے اور بھوک تنگدستی کی وجہ سے انہیں زندہ دفن کردیتے تھے اور ساتھ ساتھ یہ کہتے کہ ملائکہ (فرشتے) اللہ کی بیٹیاں ہیں اپنی بیٹیوں کو بھی فرشتوں سے ملادو۔

بھوک اور تنگدستی کی وجہ سے وہ اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کردیتے تھے، ان کو اس فعل سے روکتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا، ولاتقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم وایاکم ان قتلھم کان خطأ کبیراً (پ ۱۵) اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو مفلسی (غربت) کے ڈر سے ہم انہیں بھی روزی دیں گے اور تمہیں بھی بے شک ان کا قتل بڑی خطا ہے۔

اگرچہ اس آیۃ کریمہ میں مطلقاً اولاد کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے خواہ مذکر ہو یا مؤنث یعنی اپنی اولاد کو تنگدستی کے ڈر سے قتل نہ کرو لیکن زمانہ جاہلیت میں بیٹیوں کو زندہ دفن کردیا جاتا تھا اسلئے فیکون المراد بالاولاد البنات و بالقتل الواد، اولاد سے مراد بیٹیاں اور قتل سے مراد زندہ دفن کرنا ہے۔

آیت کریمہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ رازق تو اللہ تعالیٰ ہے، انکو بھی رزق وہی دیتا ہے اور تمہیں بھی وہی رزق دیتا ہے۔ تمہارا رزق کم کرکے تمہاری اولاد کو رزق تو نہیں دیتا تمہیں کس کا ڈر، فکر دامن گیر ہے۔

انکے قتل کرنے میں جہاں تم سنگدلی کا مظاہرہ کررہے ہو، درندگی کو اپنا رہے ہو، انکی بے بسی سے ناجائز فائدہ اٹھارہے ہو وہاں ایک عظیم جرم کا ارتکاب بھی کررہے ہو۔

بیٹیوں کو زندہ دفن کرنے کی رسم کیسے جاری ہوئی

عہد جاہلیت میں کئی قبیح (بری) اور سنگدلانہ رسمیں رائج تھیں جنہیں وہ بڑے شرح صدر سے انجام دیا کرتے تھے۔ انہی غیرانسانی رسموں سے ایک یہ بھی تھی کہ وہ اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کردیا کرتے تھے، اس پر غمزدہ یا پشیمان ہونے کے بجائے وہ فخر و مباہات کا اظہار کیا کرتے تھے، اس ظالمانہ حرکت کے آغاز کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک دفعہ ربیعہ قبیلہ پر ان کے دشمنوں نے شبخون مارا اور ربیعہ کے ایک سردار کی بیٹی کو وہ اٹھا کر لے گئے، جب دونوں قبیلوں کے درمیان صلح ہوگئی تو اس لڑکی کو بھی واپس کر دیا گیا اور اسے اختیار دیا گیا کہ چاہے اپنے باپ کے پاس رہے اور چاہے تو اسیری میں

جس کے ساتھ رہی تھی اس کے پاس واپس چلی جائے۔اس نے اس شخص کے پاس جانا پسند کیا۔اس کے باپ کو بڑا غصہ آیااور اس نے اپنے قبیلہ میں یہ رسم جاری کر دی کہ جب کسی کے ہاں بچی پیدا ہو تو اسکو زندہ زمین میں دبا دیا جائے تاکہ آئندہ انکی ایسی رسوائی نہ ہو۔آہستہ آہستہ دوسرے قبائل میں بھی یہ رواج مقبولیت اختیار کرتا گیا۔ (ضیاء القرآن)

اسکی اور بھی کئی وجوہات تھیں جس طرح ذکر کیا جا چکا ہے کہ وہ عار اور تنگدستی کی وجہ سے زندہ دفن کر دیتے تھے۔

زندہ دفن کی ہوئی بیٹیوں سے سوال کرنے میں حکمت کیا

قیامت کے دن زندہ دفن کی ہوئی بیٹیوں سے پوچھا جائے گا کس جرم کی وجہ سے تمہیں قتل کیا گیا تھا۔ لیکن یہ سوال قتل کرنے والوں سے نہیں ہو گا اسکی وجہ یہ ہے "سوالھا وجوابھا تبکیت لقاتلھا" اس لڑکی سے سوال کرنے پر جب اسکی طرف سے جواب دے دیا جائے گا تو قاتل کے منہ پر مہر سکوت لگ جائے گی یعنی اسکا قاتل کوئی عذر پیش نہیں کر سکے گا۔اپنے جرم کا اقرار کرنے کے سوا اسکے پاس کوئی چارہ کار نہیں رہے گا۔ جس طرح قیامت کے دن عیسائیوں کی توبیخ کے لئے اور انکو خاموش کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا جائے گا تاکہ آپ کے جواب کے بعد وہ کوئی عذر پیش نہ کر سکیں۔جب اللہ تعالیٰ عیسیٰ ابن مریم سے فرمائے گا ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الھین من دون اللہ قال سبحانک ما یکون لی ان اقول ما لیس لی بحق (پ ۷) کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنا لو اللہ کے سوا، عرض کرے گا پاکی ہے تجھے، مجھے روا (جائز) نہیں کہ وہ بات کہوں جو مجھے نہیں پہنچتی۔یعنی اے اللہ میں وہ بات کیسے کہہ سکتا تھا جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں تھا۔ آپ کا یہ جواب سن کر عیسائیوں کو کچھ کہنے کی جرات نہیں ہو سکے گی۔(از کبیر)

کیا بیٹیوں کو زندہ دفن کرنے کے کوئی مخالف بھی تھے؟

یہ ظالمانہ رسم عرب کے جاہل معاشرہ میں اپنے پنجے بہت گہرے گاڑ چکی تھی۔عام طور پر اسے کوئی معیوب چیز یا ظلم بھی نہ سمجھا جاتا، باپ اپنی اولاد کا مالک کل ہے، چاہے اسے زندہ رکھے چاہے قتل کر دے، کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں، لیکن اس

سنگ دل معاشرے میں خال خال ایسے لوگ موجود تھے جو معصوم بچیوں کی بے بسی پر خون کے آنسو بہاتے اور ان سے جتنا کچھ بن آتا اس سے دریغ نہ کرتے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی عمرو بن نفیل کو جب پتہ چلتا کہ فلاں کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے اور وہ اس کو زندہ دفن کرنا چاہتا ہے تو وہ دوڑ کر اس کے پاس جاتے اور اس بچی کی پرورش اور اسکی شادی وغیرہ کے اخراجات کی ذمہ داری اٹھاتے اور اس طرح اس معصومہ کی جان بچاتے۔(ضیاء القرآن)

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فرزدق کے دادا صعصعہ ابن ناجیہ المجاشعی (رضی اللہ عنہ) بھی ان لوگوں میں سے ہی تھے جو بچیوں کو زندہ دفن کرنے کے خلاف تھے، اس فعل کو قبیح سمجھتے تھے۔ اپنی قوم بنی تمیم کو فدیہ دے کر انکی بیٹیوں کو زندہ دفن کرنے سے بچاتے تھے۔ اسی پر فرزدق نے فخر کرتے ہوئے کہا،

وجدی الذی منع الوائدات فاحیا الوئید فلم توأد

میرا دادا وہ ہے جس نے زندہ در گور کرنے والیوں کو روک کر زندہ در گور ہونے والیوں کو زندگی عطا کی پس انہیں زندہ دفن نہیں ہونے دیا۔

طبرانی نے انہی سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا، وہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے زمانہ جاہلیت میں بھی کچھ (نیک) عمل کئے ہیں کیا مجھے انکا بھی اجر ملے گا، کیونکہ میں نے تین سو ساٹھ بچیوں کی زندگی بچانے کے لئے ہر ایک ایک کے بدلے دس دس ماہ کی گابھن دو دو اونٹنیاں اور ایک ایک اونٹ بطور فدیہ دیا۔ کیا مجھے اس عمل پر اجر ملے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ نے تمہیں اجر عطا فرما دیا ہے کہ تمہیں اسلام لانے کی توفیق عطا فرمائی، یعنی تمہارا اسلام قبول کرنا اسی عمل کا نتیجہ ہے۔(از روح المعانی)

اسلام میں عورت کا بحیثیت بیٹی ہونے کے مقام

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ وہ تھے جو بیٹیوں کو زندہ دفن کرنے کو ظلم سمجھتے تھے، انکے بچانے کی تدبیر کرتے لیکن یہ اتنی حد تک ہی ہوتا کہ وہ بچی کی کفالت اپنے ذمہ لے لیں اسکے تمام اخراجات خود برداشت کریں تو اس لڑکی کا باپ اسے چھوڑ دیتا لیکن یہ بھی اس صورت میں جب وہ تنگدستی کی وجہ سے قتل کرنے کا ارادہ کئے ہوتا اور اگر وہ عار کی وجہ سے قتل کرنا چاہتا تو اسے کوئی روک نہ سکتا۔

اس برائی کو جڑ سے اکھیڑ پھینکنے کا کام اسلام نے ہی کیا۔ رحمۃ اللعالمین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بری رسم کا قلع قمع فرما دیا۔ تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ صرف مسلمانوں کی بچیوں کو ہی نہیں بلکہ کفار کی بچیوں کو بھی آرام نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ملا۔ اگرچہ کفار بغیر ایمان کے جنت یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب سے محروم ہی رہیں گے تاہم انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نظام سے ہی یہ حاصل کیا کہ بیٹیوں کو زندہ دفن کرنا ظلم ہے۔

○ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میرے پاس ایک عورت آئی اسکے ساتھ اسکی دو بیٹیاں بھی تھیں، اس نے مجھ سے سوال کیا (یعنی کھانا طلب کیا) میرے پاس سوائے ایک کھجور کے کچھ نہ تھا، میں نے وہ ایک کھجور ہی اس عورت کو دے دی "فقسمتھا بین ابنتیھا ولم تاکل منھا" اس عورت نے وہ ایک کھجور تقسیم کرکے اپنی دو بیٹیوں کو دیدی اور خود کچھ نہ کھایا، پھر وہ اٹھی اور چلی گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسکے فوراً بعد گھر تشریف لائے تو میں نے آپ سے اس عورت کا واقعہ پیش کیا، تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من ابتلی من ھذہ البنات بشئی فاحسن الیھن کن لہ ستراً من النار جو شخص ان بیٹیوں سے کسی طرح آزمایا گیا اور اس نے ان سے اچھا سلوک کیا تو وہ (بیٹیاں) اس کے لئے جہنم کی آگ سے حجاب بن جائیں گی۔ (بخاری، مسلم، مشکوۃ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

وضاحت حدیث:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک کھجور میسر ہونے پر وہی صدقہ دے دی اسے

حقیر نہیں سمجھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ (پ ۳۰) جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا۔ یعنی قیامت کے دن اس کا اجر اسے مل جائے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اتقوا النار ولو بشق تمرۃ آگ سے بچو اگرچہ کھجور کے کچھ حصہ سے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرو خواہ کھجور کا کچھ حصہ بھی تمہارے پاس ہو وہی دے دو یہ بھی تمہارے نیک اعمال میں داخل ہو کر جہنم کی آگ سے بچانے کا ذریعہ ثابت ہو گا۔

اس عورت نے خود بھوکا ہونے کے باوجود نہیں کھایا تھا۔ اس نے شفقت کے پیش نظر اس کو بعید سمجھا کہ وہ خود سیر ہو جائے اور بیٹیاں بھوکی رہیں۔

من ابتلی: (مجہول کا صیغہ ہے) یعنی جو شخص بیٹیوں کی وجہ سے امتحان میں مبتلا ہوا کیونکہ لوگ بیٹیوں کو برا جانتے تھے۔

فاحسن الیھن: کا مطلب یہ ہے کہ ان سے اچھا سلوک کیا یعنی ان کا نکاح کفو میں کیا، انکی اچھی تربیت کی، ان کا نفقہ انہیں دیا بلکہ نفقہ (خرچ) جس قدر واجب تھا اس سے زائد عطا کیا۔

قیامت کے دن وہ شخص اپنی بیٹیوں سے اچھا سلوک کرنے کی وجہ سے جہنم کی آگ سے محفوظ رہے گا۔ (از مرقات)

○ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، من عال جاریتین حتی تبلغا جاء یوم القیامۃ انا و ھو کذالک و ضم اصابعہ (مسلم، مشکوۃ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق) جس شخص نے دو لڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئیں، قیامت کے دن وہ اور میں اس طرح کھڑے ہوں گے اور آپ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسری سے ملا دیا۔

○ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، من عال ثلاث بنات فادبھن و زوجھن و احسن الیھن فلہ الجنۃ (ابو داؤد، مرقاۃ) جس شخص نے اپنی تین بیٹیوں کی پرورش کی، انکو اچھا ادب سکھایا اور انکا نکاح کیا اور ان پر احسان کیا اس شخص کے لئے جنت ہے۔

وضاحت: پہلی حدیث شریف میں "حتیٰ تبلغا" لفظ جو استعمال ہوا ہے اسکے دو معنی بیان کئے گئے ہیں۔ "حتی تدرکا البلوغ او تصلا الی الزوج" یہاں تک کہ وہ دونوں بالغ ہو جائیں یا وہ دونوں زوج تک پہنچ جائیں۔ جامع صغیر میں لفظ ہی "حتی تدرکا" استعمال ہے جس کا معنی ہے یہاں تک کہ وہ دونوں پالیں یعنی بلوغ کی عمر کو یا اپنے خاوند کو۔ حدیث شریف میں جو لفظ استعمال ہوا ہے "وضم اصابعه" اسکا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ شخص اور میں جنت میں اس طرح ہوں گے پھر آپ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسری سے پیوست کر کے اشارہ فرمایا کہ اس شخص کو میرا قرب حاصل ہوگا۔ جامع صغیر میں لفظ "کھاتین" استعمال ہے جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ آپ نے دو انگلیوں کو اٹھا کر فرمایا ان دونوں کی طرح۔ (از مرقات)

○ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، من عال ثلث بنات و مثلهن من الاخوات فادبهن و رحمهن حتی یغنیهن الله اوجب الله له الجنة فقال رجل یارسول الله او اثنتین قال او اثنتین حتی لو قالوا او واحدة لقال واحدة (شرح السنۃ، مشکوۃ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

جس شخص نے اپنی تین بیٹیوں کی پرورش کی ان کو ادب سکھایا اور ان پر رحم کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بے پرواہ کر دیا، اس شخص کے لئے اللہ تعالیٰ جنت لازم کر دیتا ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر اس نے دو بیٹیوں کی پرورش کی آپ نے فرمایا بیشک دو ہی کیوں نہ ہو (یعنی دو کا بھی وہی حکم ہے جو تین کا ہے) یہاں تک کہ اگر صحابہ کرام ایک کے متعلق سوال کرتے تو آپ ایک کے متعلق بھی یہی فرماتے۔

اللہ تعالیٰ کی عادت شریفہ ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر آپ کی برکت کی وجہ سے کامل مہربانیاں اور کرم فرماتا ہے۔ مسند امام احمد میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ما من مسلمین یتوفی لهما ثلاثة الا ادخلهما الله الجنة بفضل رحمته ایاهما فقالوا یارسول الله او اثنان قال او اثنان قالوا او واحد قال او واحد وجاء فی بعض الروایات (فی الترمذی) و من لم یکن له فرط فانا فرطه (مرقاۃ)

مسلمانوں میں سے کوئی (ماں باپ) ایسے نہیں کہ ان کے تین بچے فوت ہو جائیں مگر

یہ کہ اللہ تعالیٰ ان پر فضل و رحمت فرماتے انہیں جنت میں داخل فرمائے گا۔ صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ اگر اسکے دو بچے ہوں تو آپ نے فرمایا بیشک دو ہی کیوں نہ ہوں، پھر صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ایک کا بھی یہی حکم ہے، آپ نے فرمایا ہاں ایک کا بھی یہی حکم ہے۔ ترمذی شریف کی ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ اگر اسکا کوئی ایک بچہ بھی نہ ہو جو آگے اس کے لئے اہتمام کرنے والا ہو، آپ نے فرمایا اس کا میں ہوں گا۔ سبحان اللہ جس کا شفاعت کرنے والا کوئی نہیں ہوگا اس کے میرے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔

○ وعن سراقة بن مالك ان النبى صلى الله عليه وسلم قال الا ادلكم على افضل الصدقة ابنتك مردودة اليك ليس لها كاسب غيرك (ابن ماجہ، مشکوۃ باب الشفقة والرحمة على الخلق)

حضرت سراقہ بن مالک سے مروی ہے بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں عظیم صدقہ کی خبر نہ دوں؟ (عرض کیا ہاں یارسول اللہ آپ راہنمائی فرمائیں) (فرمایا) وہ تمہاری بیٹی جو طلاق شدہ ہو کر تمہاری طرف لوٹ آئے اور اسکا سوائے تمہارے کوئی کمانے والا نہ ہو۔

حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کا مطلب یہ ہے کہ کیا میں تمہاری اس صدقہ کی طرف راہنمائی نہ کروں جو اپنے اقرباء کو دیا جائے لیکن عظیم مرتبہ رکھے، پھر آپ نے بتایا جب تمہاری بیٹی کو طلاق دے دی جائے، وہ بے سہارا ہو کر تمہارے پاس لوٹ کر آجائے، اسکا اور کوئی بیٹا وغیرہ اسے سہارا دینے والا نہ ہو تو پھر تم ہی اس کا سہارا ہو، تم مال تو اپنی بیٹی پر خرچ کرو گے لیکن تمہیں بہت بڑے افضل صدقہ کا ثواب ملے گا۔

حدیث پاک میں لفظ "مردودة" جو استعمال ہوا ہے اسکا معنی بیان کیا گیا ہے "المردودة هى التى تطلق و ترد الى بيت ابيها" یہ وہ عورت ہے جسے طلاق دے کر اسے اپنے باپ کے گھر لوٹا دیا جائے (از مرقات)

○ عن جرير بن عبد الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يرحم الله من لا

یرحم الناس (بخاری، مسلم، مشکوۃ باب الشفقۃ) حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم عمومی ہے کہ تمام لوگوں پر رحم کیا جائے لیکن اس سے یہ زیادہ واضح ہو جاتا ہے کہ اولاد جو زیادہ قابل شفقت اور قابل رحم ہے اس پر زیادہ سے زیادہ رحم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

○ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا اتقبلون الصبیان فما نقبلهم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم او املک لک ان نزع اللہ من قلبک الرحمۃ (بخاری، مسلم، مشکوۃ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

کیا آپ بچوں کو چومتے ہیں ہم تو نہیں چومتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا میں مالک ہو سکتا ہوں تمہاری اس چیز کا جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں سے رحمت کو نکال لیا ہے۔

اعرابی کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ بچوں کو چومنا ہمارے نزدیک تو حقیر فعل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل کو تکبر پر محمول کیا۔ یعنی بچوں سے شفقت، پیار و محبت کرتے ہوئے ان کو چومنا علامت رحمت ہے اور شفقت نہ کرنا اور نہ چومنا بلکہ چومنے کو حقیر سمجھنا علامت تکبر ہے۔ مزید آپ نے فرمایا کہ اگر تمہارے دلوں سے اللہ تعالیٰ نے محبت کو نکال لیا ہے تو اب میں اسے تمہارے دلوں میں لوٹانے کی قدرت نہیں رکھتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ (از مرقاۃ)

نبی کریم علیہ السلام کی بیٹیاں اور آپکی ان سے محبت

اہل سنت وجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیاں ہیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا، حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، آپ کے اوصاف و کمالات اور آپکے حالات زندگی پر لکھی گئی اکثر و بیشتر کتب میں ان چار بیٹیوں کا تذکرہ موجود ہے، اس میں کوئی

اختلاف نہیں۔
صرف شیعہ حضرات وہ بھی ہمارے زمانے کے اس میں اختلاف ثابت کرتے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا مانتے ہیں باقی تین کا انکار کرتے ہیں۔ انکے انکار کرنے کی دراصل وجہ یہ ہے کہ اگر چار بیٹیاں تسلیم کریں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان ماننی پڑے گی۔ اسلئے وہ بیٹیوں کا ہی انکار کر دیتے ہیں تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔
شیعہ حضرات اپنے مسلک کی بنائی ہوئی حدیث کی چار کتابوں کو صحیح مانتے ہیں۔ جنکا نام انکے نزدیک صحاح اربعہ ہے۔ ان چار میں سے ایک اصول کافی ہے۔ اسی کے حوالے سے ذکر کر رہا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیاں ہیں۔
وتزوج خديجة وهو ابن بضع وعشرين سنة فولد له منها قبل مبعثه القاسم ورقية وزينب وام كلثوم وولد بعد المبعث الطيب والطاہر والفاطمة عليها السلام
(اصول کافی)
یعنی بزنی خواست خدیجہ را واو فرزند بست سالہ وکسرے بود پس زادہ شد برائے او از خدیجہ پیش از رسالت او قاسم ورقیہ وزینب وام کلثوم وزادہ شد برائے او بعد از رسالت طیب و طاہر و فاطمہ۔ (صافی شرح اصول کافی باب مولد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ووفاتہ، کتاب الحجہ جزء سوم حصہ دوم)
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت نکاح کیا جب آپ کی عمر شریف پچیس سال تھی پس آپ کی اولاد حضرت خدیجہ سے بعثت سے قبل (اعلان نبوت سے پہلے) قاسم، رقیہ، زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئے اور اعلان نبوت کے بعد طیب و طاہر اور فاطمہ پیدا ہوئے۔
اہل تشیع کی معتبر کتاب یعنی ان کی حدیث کی کتاب سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیاں تھیں۔ اس پر شیعہ حضرات کی طرف سے عجیب چال یہ چلی جاتی ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے علاوہ دوسری تین بیٹیاں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تھیں لیکن پہلے خاوند سے تھیں۔ اس توجیہ سے جہلاء کو تو گمراہ کیا جا سکتا ہے لیکن اصحاب علم کو کیسے دھوکا دیا جا سکتا ہے۔ جب انکی اپنی حدیث یہ بتا

رہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا اور آپکی اولاد حضرت خدیجہ سے اعلان نبوت سے پہلے قاسم، رقیہ، زینب اور ام کلثوم ہے اور آپکی اولاد حضرت خدیجہ سے اعلان نبوت کے بعد طیب و طاہر و فاطمہ ہے۔ اصول کافی کے الفاظ "فولد له منها" اور صافی کے الفاظ پس زادہ شد برائے او از خدیجہ کو بار بار پڑھا جائے تو خود بخود واضح ہو جائے گا کہ یہ تمام اولاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ اگر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کسی پہلے خاوند کی ہوتی تو یہ ذکر ہوتا ولد منها قبل التزوج بالنبی صلی اللہ علیہ و سلم، یعنی حضرت خدیجہ کی یہ اولاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کرنے سے پہلے تھی حالانکہ ایسا نہیں کہا۔
شیعہ حضرات کی اپنی حدیث کی کتاب سے یہ مسئلہ روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ یہ تمام اولاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

تنبیہ:
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہی ہے سوائے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے وہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے ہیں۔ حضرت ماریہ لونڈی تھیں، حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی پیدائش پر ہی آپ ام ولد بنیں۔ ام ولد اپنے مالک کی وفات کے بعد آزاد ہوتی ہے اور اسکی اولاد آزاد ہوتی ہے۔
صحیح یہ ہے کہ بیٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین تھے حضرت قاسم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عبداللہ بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکو ہی طیب و طاہر کہا جاتا ہے، حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس طرح کل رسول زادے سات ہوئے تین بیٹے اور چار بیٹیاں۔ اکثر علماء انساب (نسب بیان کرنے والے علماء کرام) کا مذہب یہی ہے اور دار قطنی نے کہا کہ یہ قول ہی زیادہ ثابت ہے۔ لڑکوں کی تعداد میں اگرچہ اختلاف ہے اس سے زائد تعداد بھی بیان کی گئی ہے لیکن لڑکیوں کی تعداد میں کوئی اختلاف نہیں انکی تعداد کم ہونے یا زیادہ ہونے کا کوئی صحیح قول نہیں پایا گیا۔ (از مدارج النبوت)

سیدہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہیں۔ جو

اسلام میں داخل ہوئیں اور ہجرت کی۔ آپ کے خاوند ابو العاص بن الربیع نے بھی اسلام قبول کرلیا تھا۔ آپ کا خاوند آپکی خالہ ہند بنت خویلد کا بیٹا تھا، ھند بنت خویلد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سگی بہن تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس پہلی بیٹی سے بہت شفقت فرماتے تھے۔ اور انکی بیٹی حضرت امامہ رضی اللہ عنہا تھی جس کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ آپ نماز ادا کرتے تھے اور آپ جب مسجد سے تشریف لے جاتے تھے تو یہ بچی کبھی آپکی پیٹھ مبارک اور کبھی کندھوں پر سوار ہو جاتی تھی۔ (از مدارج النبوت)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے خاوند حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہا سے بھی آپ کو بہت پیار تھا اور ایک مرتبہ آپ نے انکی بہت تعریف فرمائی، یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کرنے کا ارادہ فرمایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے آپ نے خطاب فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا، اما بعد فانی نکحت اباالعاص ابن الربیع فحدثنی فصدقنی و ان فاطمۃ بنت محمد مضغۃ منی و انما اکرہ ان یفتنوھا و انھا و اللہ لا تجتمع بنت رسول اللہ و بنت عدو اللہ عند رجل و احد ابداً قال فترک علی الخطبۃ (مسلم ج ۲ باب فضائل فاطمہ)

اما بعد (حمد و صلوۃ و شہادتین کے بعد) بیشک میں نے ابو العاص بن ربیع کا نکاح (اپنی بیٹی سے) کیا، اس نے جو بات میرے ساتھ کی (یعنی جو عہد و پیمان کئے) اسے سچ کر دکھایا، بیشک فاطمہ بنت محمد میرے جسم کا ٹکڑا ہے، اور بیشک میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ یہ لوگ اسے فتنہ میں ڈالیں (انہیں پریشان کریں) بیشک قسم ہے اللہ تعالیٰ کی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک شخص کے پاس کبھی جمع نہیں ہو سکتیں۔ راوی کہتے ہیں اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کی بیٹی کے نکاح کا پیغام دینا چھوڑ دیا۔

سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی پیدائش کے تین سال بعد حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں یعنی شادی کے پانچ سال بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور آٹھ سال بعد حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی پیدائش ہوئی۔

آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ جب حضور علیہ السلام غزوہ بدر میں جا رہے تھے تو یہ شدید بیمار تھیں، انکی تیمارداری کے لئے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آپ نے حکماً مدینہ طیبہ میں چھوڑا تھا اسی لئے وہ بدری صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ گویا کہ بحکم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں رہنے کے باوجود بدر میں حاضر متصور تھے۔ نبی کریم علیہ السلام کی رضا کو حاصل کرنے کا نام ہی تو دین ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے ہی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہو چکا تھا اور آپ کو دفن کیا جا چکا تھا۔ آپ انکی قبر پر تشریف لائے تو آپ پر گریہ طاری تھا، آنسو جاری تھے۔ بیٹی کے فراق میں جو آنسو جاری تھے وہ اس پر دلالت کر رہے تھے کہ آپ کو اپنی بیٹی سے کتنا پیار تھا، وہی شفقت و رحمت غم و ملال کا سبب ہے۔

سیدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تیسری بیٹی ہیں، ان کا نکاح ہجرت کے تیسرے سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کیا جب حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جبرائیل امین کھڑے ہیں جو مجھے خبر دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حکم دے رہا ہے کہ میں ان کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان اللہ اوحی الی ان اتزوج کریمتی بعثمان" بیشک اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی کہ میں اپنی پاکیزہ کریمہ دو بیٹیوں کا نکاح یکے بعد دیگرے عثمان سے کروں۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیوں کا نکاح ہوا یعنی ایک کے وصال کے بعد دوسری کا "ولھذا سمی ذاالنورین" تو اسی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام ذوالنورین رکھا گیا۔ یعنی دو نوروں کا صاحب۔ سبحان اللہ جس عظیم ہستی کی بیٹیاں نور ہوں اور انکی نسبت سے داماد ذوالنورین ہوں ان کا اپنا مقام نورانیت کیا ہو گا۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے ہجرت کے نویں سال وفات پائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی نماز جنازہ پڑھی اور انکی قبر انور کے پاس بیٹھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔ آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا چلنا اس پر دلالت کر رہا تھا کہ آپ کو بیٹیوں سے پیار تھا بغیر پیار سے رونا نہیں آتا۔ وہ سنگدل لوگ جو بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے، ان کی آنکھوں میں آنسو کبھی نہیں جاری ہوتے تھے۔ (از مدارج النبوت و مرقات)

سیدہ فاطمۃ الزہرا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی اور سب سے چھوٹی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ہیں۔ آپ سیدۃ نساء العالمین (تمام جہان کی عورتوں کی سردار) اور سیدۃ نساء اھل الجنۃ (جنتی عورتوں کی سردار) ہیں۔ آپ کا نام فاطمہ اسلئے رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھا اور بتول اس وجہ سے نام رکھا گیا کہ آپ اپنے زمانہ کی تمام عورتوں سے فضیلت، دین اور حسن و جمال میں جدا ہیں اور ماسوی اللہ سے بے نیاز ہیں اور زہرا اس وجہ سے کہ آپ زہرت، بہجت اور جمال میں کمال مرتبہ رکھتی تھیں۔ زکیہ اور راضیہ بھی آپ کا لقب ہے۔ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا تمام لوگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راہ و روش اور صورت و سیرت اور کلام میں سب سے زیادہ مشابہ تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ سے پیار و محبت اور شفقت کا یہ عالم تھا کہ جب آپ آتیں تو حضور ان کے لئے کھڑے ہو جاتے اور انکا ہاتھ تھام لیتے اور انکی پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر ان کو بٹھاتے تھے۔ اسی طرح جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انکے پاس تشریف لے جاتے تو یہ آپ کے لئے کھڑی ہو جاتیں اور آگے بڑھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک تھام لیتیں اور اپنی جگہ حضور کو بٹھاتیں۔

آپ کا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم الہیٰ وحی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیا۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک فرش پر بٹھا کر دونوں کی دلجوئی فرمائی۔ حضرت علی

رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو وہ مجھ سے زیادہ پیاری ہیں یا میں ان سے زیادہ پیارا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت پیارا حکمت سے بھرا جواب دیا۔ آپ نے فرمایا وہ مجھے تم سے زیادہ پیاری ہیں اور تم مجھے ان سے زیادہ پیارے ہو یعنی تم دونوں ہی پیارے ہو وہ بحیثیت بیٹی ہونے کے پیاری ہیں اور تم بحیثیت داماد ہونے کے پیارے ہو۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا وصال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریباً چھ ماہ بعد ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ربیع الاول اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا رمضان شریف میں۔ آپ کے فضائل کا مزید ذکر انشاء اللہ کسی اور بحث میں آئے گا۔

نبی کریم علیہ السلام کی تمام آل حضرت فاطمہ سے ہے

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ سے ایک بیٹا تھا جس کا نام علی ابن ابی العاص تھا، جو حد بلوغ تک پہنچتے ہی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اور ایک بیٹی جس کا نام امامہ تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا ہجرت حبشہ کے دوران ایک حمل ساقط ہو گیا، اسکے بعد ایک بیٹا پیدا ہوا جو دو سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی کوئی اولاد نہیں تھی یا بعض روایات کے مطابق دو بچے پیدا ہوئے جو بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد امام حسن، امام حسین، محسن، زینب، ام کلثوم اور رقیہ رضی اللہ عنہم پیدا ہوئے۔

حضرت محسن اور حضرت رقیہ بچپن میں فوت ہو گئے۔ حضرت زینب کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفر سے ہوا اور حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہوا جن کا ایک بیٹا تھا جس کا نام زید تھا۔

اسلام سے پہلے عورت بحیثیت ماں یا بہن

اسلام سے پہلے ایک فرقہ کافروں کا وہ تھا جو مجوسی کہلاتا تھا، تمام محرمات سے انکے نزدیک نکاح جائز ہوتا تھا یہاں تک کہ وہ ماں اور بہن سے نکاح کرنے کو بھی جائز قرار دیتے تھے۔
اسلام سے قبل سوتیلی ماں کی قدرومنزلت کچھ نہ تھی۔ عرب میں یہ طریقہ صدیوں سے رائج تھا کہ خاوند کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا اپنے باپ کی جائیداد کی طرح اسکی بیوی (اپنی سوتیلی ماں) کا بھی وارث ہوتا۔ چاہتا تو اسکو جبراً بغیر مہر ادا کئے اپنے نکاح میں لے آتا چاہتا تو اپنی مرضی سے کسی دوسرے آدمی سے اسکی شادی کردیتا اور مہر خود وصول کرتا اور چاہتا تو اسے ساری عمر یونہی بیوگی کی زندگی گذارنے پر مجبور کردیتا اور اسکے مرنے کے بعد اسکی میراث کا تنہا وارث بن جاتا۔ مدت دراز سے یہ ظالمانہ رسم نہ صرف عرب میں بلکہ یونان وروم میں بھی رائج تھی۔

مدینہ منورہ میں اسود ابن خلف نے اپنے باپ خلف کی بیوی سے اور صفوان ابن امیہ ابن خلف نے اپنے باپ امیہ کی بیوی فاختہ بنت اسود ابن مطلب اور منظور ابن ریان نے اپنے باپ ریان کی بیوی ملیکہ بنت خارجہ سے انکی موت کے بعد نکاح کرلئے۔ (روح المعانی، کبیر)

ابو قبیس انصار میں ایک بہت نیک شخص تھے انکے انتقال کے بعد ان کے بیٹے قبیس نے انکی بیوی (اپنی سوتیلی ماں) کو نکاح کا پیغام دیا۔ انہوں نے کہا تمہارے باپ بہت نیک انسان تھے اور تم بھی بہت نیک انسان ہو، تم میرے بیٹے رہ چکے ہو جو ماں کہتے رہے اب میں تمہارے نکاح میں کیسے آسکتی ہوں۔ لیکن پھر بھی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا تذکرہ کروں گی اگر آپ نے اجازت دی تو میں تمہارے ساتھ نکاح کرلوں گی۔ (خازن)

ان مندرجہ بالا واقعات سے پتہ چلا کہ عورت کی ماں ہونے کی حیثیت سے بہن یا سوتیلی ماں بلکہ سوتیلی دادی اور سوتیلی نانی کی حیثیت سے کوئی قدرومنزلت نہ تھی بلکہ رسوائی اور ذلت کا مقام حاصل تھا۔

اسلام نے ان بری رسموں کا خاتمہ کیا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، حرمت علیکم امھاتکم (پ ۴) تم پر تمہاری ماؤں (دادیوں، نانیوں) سے نکاح کرنا حرام کر دیا گیا۔ اسی آیت میں واخواتکم کا ذکر بھی ہے یعنی تمہاری بہنیں تم پر حرام ہیں یہاں تک کہ دودھ پلانے والی ماؤں کو اپنی حقیقی ماؤں کی طرح اعزاز بخشتے ہوئے رب تعالیٰ نے فرمایا، و امھاتکم اللاتی ارضعنکم تمہاری دودھ پلانے والی ماؤں کو تم پر حرام کر دیا گیا۔ بلکہ اپنی زوجہ کی ماں کو بھی اپنی حقیقی ماں کی طرح اعزاز عطا فرماتے ہوئے مالک الملک نے فرمایا و امھات نسائکم، تمہاری بیویوں کی مائیں تم پر حرام ہیں۔

سوتیلی ماؤں (دادیوں، نانیوں) سے نکاح کو حرام قرار دیتے ہوئے رب قدوس نے فرمایا، ولا تنکحوا ما نکح آباء کم من النساء الا ما قد سلف انه کان فاحشة و مقتا و ساء سبیلا (پ ۴)

اور نہ نکاح کرو ان عورتوں سے جن سے نکاح کیا تمہارے باپ دادا نے مگر وہ جو گذر گیا بے شک یہ ہے بے حیائی اور ناراضی کا کام اور برا ہے یہ راستہ۔

یعنی اے مسلمانو، خیال رکھو کہ اب کبھی ایسی عورت سے نکاح نہ کرنا جن سے تمہارے باپ دادے صحیح نکاح سے یا حلال یا حرام صحبت کر چکے ہوں، اگر ایسا کرو گے تو سخت مجرم و گنہگار ہو گے۔ ہاں اسلام سے پہلے یا اس قانون کے بننے سے پہلے جو تم اس قسم کا نکاح کر چکے، اس پر تمہاری پکڑ نہیں کہ سزائیں قانون بن جانے کے بعد ہوتی ہیں، پہلے کے کام قانون کی زد میں نہیں آتے۔ (لیکن اگر سوتیلی مائیں تمہارے نکاح میں ہوں تو انکو جدا کر دو) خیال رکھو ایسی عورتوں سے نکاح کرنا عقلاً بھی بے حیائی ہے شرعاً بھی، رب تعالیٰ کی سخت ناراضگی کا باعث ہے اور عرفاً بھی یہ بہت ہی برا راستہ ہے، ایسے کام کے قریب بھی نہ جاؤ۔ تم لوگ زمانہ جاہلیت میں بھی ایسے نکاح کو نکاح مقتی اور ایسے نکاح کی اولاد کو اولاد مقتی کہتے تھے یعنی رب تعالیٰ کی ناراضی والا نکاح (اور رب تعالیٰ کی ناراضی والی اولاد)۔ حضرت براء ابن عازب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے ماموں کے ہاتھ میں جھنڈا تھا وہ کہیں جا رہے تھے، میں نے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ آپ فرمانے لگے کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے کہ فلاں محلہ میں ایک

شخص نے اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح کرلیا ہے میں اسکا سر کاٹ کر بارگاہ رسالت میں پیش کروں۔(خازن، نعیمی)

عورت کا اسلام میں بحیثیت ماں کے عظیم مقام

حضرت بہز بن حکیم اپنے باپ اور وہ انکے دادا (یعنی اپنے باپ) سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا میں نے عرض کیا، یارسول اللہ من ابر قال امک قلت ثم من قال امک قلت ثم من قال امک قلت ثم من قال اباک ثم الاقرب فالاقرب (ترمذی، ابو داؤد، مشکوۃ باب البر والصلہ)

یارسول اللہ میں کس سے زیادہ احسان کروں اور کس کے ساتھ زیادہ صلہ رحمی کروں تو آپ نے فرمایا اپنی ماں سے، میں نے عرض کیا پھر کس سے آپ نے فرمایا اپنی ماں سے، میں نے عرض کیا پھر کس سے آپ نے فرمایا اپنی ماں سے۔ میں نے پھر کہا کہ اور کس سے تو آپ نے ارشاد فرمایا اپنے باپ سے اسکے بعد اپنے قریبی رشتہ داروں سے اور پھر جو ان کے بعد قریبی ہوں۔

اس حدیث پاک میں قریبی رشتہ داروں پر احسان کرنے اور صلہ رحمی سے درپیش آنے پر برانگیختہ کیا گیا، لیکن ماں کا حق سب سے زیادہ بیان کیا گیا اسکے بعد باپ کا اور اسکے بعد باقی رشتہ داروں کا جو زیادہ قریبی ہوں گے انکا حق پہلے پھر ان کے بعد والے۔

ماں کا حق سب سے زیادہ کیوں

سبب تقدیم الام کثرۃ تعبہا علیہ وشفقتہا وخدمتہا (نووی) ماں کا حق سب سے مقدم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ماں بچے پر سب سے زیادہ مشقت برداشت کرتی ہے اور اس پر سب سے زیادہ شفیق ہوتی ہے اور بچے کی خدمت سب سے زیادہ ماں ہی کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے، حملتہ امہ کرھا ووضعتہ کرھا وحملہ وفصالہ ثلاثون شھرا (پ۲۶) اسکی ماں نے اسے پیٹ میں رکھا تکلیف سے اور جنا اسکو تکلیف سے اور اسے اٹھائے پھرنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینے میں ہے (یعنی کم از کم مدت حمل چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ دودھ پلانے کی مدت دو سال) اس آیت کریمہ میں تین چیزوں کا ذکر کرکے ماں کا حق مقدم ہونا واضح کردیا ہے کہ ماں حمل کی مشقت برداشت کرتی

ہے، اور بچے کو جننے کی تکالیف برداشت کرتی ہے اور بچے کو دودھ پلانے کی محنت اور رنج اٹھاتی ہے۔(مرقات)

ماں باپ سے محبت خیر و برکت کا ذریعہ ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، من احب ان یبسط له فی رزقه و ینسا له فی اثره فلیصل رحمه (بخاری، مسلم، مشکوۃ باب البر والصلہ)

جو شخص پسند کرتا ہو کہ اس کا رزق کشادہ کر دیا جائے اور اسکی عمر میں برکت ہو تو وہ صلہ رحمی کرے۔ یعنی پہلے ماں پھر باپ پھر اور رشتہ داروں سے اچھا سلوک رکھے، احسان کرے، ان پر مہربانی کرے، نرم طریقے سے در پیش آئے، انکے احوال کی رعایت رکھے یعنی مرض، صحت، خوشحالی، تنگدستی وغیرہ کے مطابق انکی حاجات کو پورا کرے۔

سوال: ان الاجال و الارزاق مقدرة و لاتزید و لاتنقص-موت کا وقت مقرر ہے اور رزق کی مقدار بھی مقرر ہے ان میں نہ کمی ہوتی ہے نہ زیادتی۔ حدیث پاک میں رزق کی کشادگی اور رزق کی زیادتی کا کیا مطلب ہوگا۔

جواب ا: ان الزیادة بالبرکة فی العمر بیشک عمر کی زیادتی سے مراد عمر میں برکت کا آنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس انسان کو نیکیوں کی توفیق عطا فرما دیتا ہے اور اسے توفیق دیتا ہے کہ وہ ایسے اعمال کرے جو اسے آخرت میں نفع پہنچائیں۔ اپنے اوقات کو نفع میں مصروف رکھے ضائع ہونے سے بچائے، اسی طرح اسکے رزق میں بھی برکت آجاتی ہے۔ حلال طور پر رزق حاصل کرنے اور حرام سے بچنے کی اسے توفیق دے دی جاتی ہے اور تھوڑے رزق پر بھی اسکے دل کو اطمینان حاصل ہوتا ہے، ایسا اطمینان حرام رزق سے حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ وہ تمام اوقات ڈر اور خوف، طرح طرح کی تکالیف اور اولاد کی بے راہروی سے غیر مطمئن ہوتا ہے۔

جواب ۲: انه بالنسبة الی ما یظهر للملائکة فی اللوح المحفوظ یہ عمر اور رزق کی زیادتی بنسبت ملائکہ کے لوح محفوظ میں نظر کرنے کے ہے۔ یعنی لوح محفوظ میں مثلاً لکھا ہوا ہی یہ ہوتا ہے کہ اسکی عمر ساٹھ سال ہونی تھی لیکن والدین اور اقرباء کی صلہ رحمی کی

وجہ سے اسکی عمر چالیس سال اور کردی گئی۔ یہی حال رزق کا بھی ہوگا۔ یعنی اگر یہ شخص صلہ رحمی نہ کرتا تو اسکی عمر اور رزق کم ہوتے لیکن اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مہربانی سے اس نے صلہ رحمی کرنی ہی کرنی ہے تو اسکی عمر اور رزق میں بھی زیادتی یقیناً ہونی ہے۔

جواب ۳: ان المراد بقاء ذکرہ الجمیل بعدہ فکانہ لم یمت، بیشک عمر اور رزق کی زیادتی سے مراد یہ ہے کہ اسکا اچھا ذکر اسکے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی باقی رہے گا گویا کہ وہ فوت نہیں ہوا کیونکہ جب اسکا نام زندہ ہے تو وہ بھی زندہ ہی ہے۔ (ماخوذ از مرقات و نووی)

استاذی المکرم حضرت علامہ ابوالحسنات مولانا محمد اشرف سیالوی (شیخ الحدیث سیال شریف) فرماتے تھے کہ قرآن پاک کی تفسیر اور احادیث مبارکہ کی تشریحات میں جب کئی اقوال ہوں تو دیکھا جائے اگر ان میں کوئی تعارض نہ ہو تو سب جمع کرلئے جائیں۔ اس قانون کے مطابق یہ تینوں جواب دراصل مجتمع ہو کر حدیث پاک کی تشریح و توضیح بن رہے ہیں۔

ماں، باپ انسان کے لئے جنت و دوزخ ہیں

حضرت ابو امامہ سے مروی ہے بیشک ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ والدین کے انکی اولاد پر کیا حقوق ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ھما جنتک و نارک" وہ دونوں (ماں باپ) تمہارے لئے جنت اور دوزخ ہیں۔ (ابن ماجہ، مشکوۃ باب البر والصلہ)

سبحان اللہ میرے پیارے مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا کیسا مختصر اور حکمت بھرا جواب ہے (یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی کمال ہے کہ آپ کو جوامع الکلم سے نوازا گیا یعنی بات مختصر اور مطالب بہت) کہ ماں باپ کی فرمانبرداری، ان پر احسان کرنا، ان سے حسن سلوک سے درپیش آنا جنت میں جانے کا سبب ہے اور انکی نافرمانی، سخت کلامی، انکے حکم کو تسلیم نہ کرنا، انکی دیکھ بھال نہ کرنا یعنی انکو ناراض کرنا جہنم میں جانے کا ذریعہ ہے۔

ماں، باپ کو رحمت سے دیکھنا حج کا ثواب

حضرت ابن عباس سے مروی ہے، بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "

من ولد بار ینظر الیٰ والدیہ نظرۃ رحمۃ الا کتب اللہ لہ بکل نظرۃ حجۃ مبرورۃ قالوا وان نظر کل یوم مائۃ مرۃ قال نعم اللہ اکبر و اطیب (بیہقی، مشکوۃ باب البر والصلہ)

کوئی ایسی اولاد نہیں جو اپنے والدین کو رحمت کی نظر سے دیکھے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر نظر کے بدلے ایک مقبول حج کا ثواب لکھ دیتا ہے، صحابہ کرام نے عرض کیا اگرچہ ہر روز سو مرتبہ بھی دیکھے؟ آپ نے فرمایا ہاں (اگرچہ ہر روز سو مرتبہ بھی دیکھے) اللہ سب سے بڑا اور سب سے پاکیزہ ہے۔

وضاحت حدیث:

ماں باپ دونوں زندہ ہوں یا ایک ہو اور اس ایک کو نظر رحمت سے دیکھنے پر بھی یہی ثواب ہے۔

نظرۃ رحمۃ سے مراد شفقت کرنا، مہربانی کرنا، انکی جائز بات تسلیم کرنا، انکی ضروریات کا لحاظ کرنا۔

حجۃ مبرورۃ سے مراد نفلی مقبول حج ہے۔ یہ ثواب فرض حج کا بدل نہیں بن سکتا۔

اللہ اکبر و اطیب سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے اسکی عظمت انسان کے تصور سے بالاتر ہے اور اسکے انعامات اور مہربانیاں اتنی کثیر ہیں جو انسان کے شمار میں نہیں آسکتیں۔ اور اللہ تعالیٰ بہت پاکیزہ ہے اسکی قدرت میں کمی کا عیب نہیں لگایا جا سکتا وہ اپنے ارادے اور مشیت میں نقصان سے پاک ہے۔ (از مرقات)

نتیجہ واضح ہوا کہ اگر کوئی شخص یہ کہے یہ کیسے ہو سکتا ہے ایک سو حج کا ثواب مل جائے تو وہ شخص در حقیقت اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اسکی قدرت سے غافل ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بے حساب ہونے کا علم نہیں۔

ماں باپ کی نافرمانی ناقابل معافی جرم ہے

حضرت ابو بکرۃ سے مروی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا، کل الذنوب یغفر اللہ منہا ماشاء الا عقوق الوالدین فانہ یعجل لصاحبہ فی الحیاۃ قبل الممات (بیہقی، مشکوۃ)

تمام گناہوں کو اللہ تعالیٰ جتنا چاہے معاف فرما دیتا ہے سوائے ماں باپ کی نافرمانی کے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ماں باپ کے نافرمان کو جلد ہی اسکی زندگی میں ہی موت سے پہلے اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔

یعنی ماں باپ کی نافرمانی کے جرم کو معاف نہیں کیا جائے گا۔ اخروی عذاب کے علاوہ اسے دنیا میں بھی پکڑ ہو سکتی ہے۔ رب تعالیٰ چاہے تو دنیا میں بھی اسے ذلیل و خوار کر دے۔

ماں باپ کی خدمت، جہاد اور ہجرت سے پہلے

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا اور عرض کیا میں آپ سے جہاد اور ہجرت پر بیعت کرنا چاہتا ہوں تاکہ میں اللہ تعالیٰ سے اس کا اجر حاصل کر سکوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہارے ماں باپ سے کوئی ایک زندہ ہے، صحابی نے عرض کیا ہاں بلکہ دونوں ہی زندہ ہیں تو آپ نے فرمایا،

فتبتغی الاجر من اللہ قال نعم قال فارجع الیٰ والدیک فاحسن صحبتھما (مسلم ج ۲ کتاب البر والصلہ والادب)

کیا واقعی تم اللہ تعالیٰ سے اجر حاصل کرنا چاہتے ہو؟ صحابی نے عرض کیا ہاں (یا رسول اللہ) آپ نے فرمایا اپنے والدین کے پاس لوٹ کر چلے جاؤ ان کے پاس رہ کر انکی خدمت کے آداب اچھے طریقہ سے بجالاؤ۔

اس حدیث پاک سے ماں باپ کی فرمانبرداری کی فضیلت واضح ہوئی۔ ماں باپ کی خدمت کا جہاد سے بھی زیادہ اہم ہونا سمجھ آیا۔ جب تک جہاد ہر شخص پر فرض عین نہ ہو جائے اس وقت تک ماں باپ کی اجازت کے بغیر جہاد میں شریک ہونا جائز نہیں بشرطیکہ ماں باپ دونوں مسلمان ہوں۔ اگر ایک مسلمان ہو تو اسی سے اجازت طلب کرنا ضروری ہے ہاں اگر ماں باپ کافر و مشرک ہیں تو ان سے جہاد میں شریک ہونے کے لئے اجازت طلب کرنا ضروری نہیں۔

ماں باپ سے احسان کی تین قسمیں

(۱) اپنے قول فعل سے انکو ایذا نہ پہنچائے (۲) اپنے بدن اور مال سے انکی خدمت کرے

(۳) جب وہ بلائیں تو فوراً حاضر ہو جائے۔
پہلی قسم کی اطاعت ہر حال میں واجب ہے کیونکہ ماں باپ کو ایذا دینے والا عاق اور نافرمان کہلاتا ہے۔ دوسری اطاعت جب واجب ہے کہ ماں باپ حاجتمند ہوں اور اولاد میں اس خدمت کی قدرت ہو اگر انہیں حاجت نہیں یا اولاد میں طاقت نہیں تو اس قسم کی اطاعت واجب بھی نہیں۔ تیسری قسم کی خدمت کی یہ شرط ہے کہ انکی خدمت میں حاضر ہونے سے کوئی شرعی خرابی پیدا نہ ہو، اگر نماز کا وقت جا رہا ہو ادھر ماں باپ بلا رہے ہوں تو انکے پاس نہ جائے بلکہ پہلے نماز پڑھے (نعیمی) لیکن نفلی نماز سے بہتر ہے کہ والدین کے بلانے پر ان کے پاس جائے۔

ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کے آداب

(۱) ماں باپ سے دلی محبت رکھے (۲) بات چیت اور اٹھنے بیٹھنے میں ان کے ادب کا لحاظ رکھے، راستے میں انکے آگے آگے نہ چلے اور انکے نام سے انکو نہ بلائے بلکہ ادب و احترام سے انکو بلائے (۳) جتنا ممکن ہو سکے اتنا اپنا مال اور اپنی جان ان پر قربان کرے (۴) ہر کام اور ہر بات میں انکی رضامندی کا خیال رکھے (۵) انکی وفات کے بعد ان کی وصیت کو پورا کرے (۶) ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتا رہے (۷) انکے لئے جتنا ہو سکے کبھی کبھی صدقہ و خیرات کرتا رہے (۸) ہر ہفتہ میں ایک مرتبہ قبرستان میں انکی قبر کی زیارت کے لئے جائے اور اگر ہو سکے تو سورۃ یٰسین پڑھ کر انکو ثواب پہنچائے (۹) ماں باپ کے دوستوں اور قرابتداروں سے محبت رکھے، انکے ساتھ اچھا سلوک کرے، نیک بخت اولاد اپنے والدین کے دوستوں کو اپنے والدین کی طرح سمجھتی ہے (۱۰) جتنا ہو سکے اپنے والدین کے متعلقین کو تحائف، ھدایا وغیرہ دے یہ علامات محبت ہیں۔ (تفسیر عزیزی)
ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مکہ مکرمہ آرہے تھے، دوران سفر آپ نے اپنے ساتھ ایک گدھا بھی رکھا ہوا تھا کہ جب اونٹ کی سواری سے تھکان محسوس ہو تو گدھے پر سوار ہو کر کچھ راحت حاصل کر لیں گے۔ اور ایک پگڑی آپ نے اپنے سر سے باندھ رکھی تھی اسی سفر کے دوران ایک دن آپ گدھے پر سوار تھے۔ آپ کے قریب سے ایک (اعرابی) دیہاتی کا گذر ہوا آپ نے اس سے پوچھا کیا تم فلاں ابن فلاں کے بیٹے نہیں ہو (یعنی اسکے باپ دادا کا نام لے کر اس سے پوچھا) اس نے کہا ہاں میں اسی شخص کا

بیٹا ہوں، آپ نے اپنا گدھا اسے دے دیا کہ تم اس پر سواری کرو اور پگڑی بھی دے دی کہ یہ تم اپنے سر سے باندھ لو، آپ کے بعض ساتھیوں نے آپ کو (بطور تعجب) کہا کہ اس شخص کو آپ نے اپنے آرام کے لئے لیا ہوا گدھا دے دیا اور پگڑی بھی جو آپ اپنے سر پر باندھتے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ یہ اعرابی تو تھوڑے مال پر بھی خوش ہو جاتے ہیں، آپ نے فرمایا، انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یقول ان من ابر البر صلۃ الرجل اھل و د ابیہ بعد ان یولی و ان اباہ کان صدیقاً لعمر (مسلم ج ۲ باب فضل صلہ اصدقاء الاب والام و نحوھما)

بیشک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بیشک سب احسانوں سے اچھا احسان (یعنی سب فرمانبرداریوں سے اچھی فرمانبرداری) یہ ہے کہ انسان اپنے ماں باپ کے جانشین بننے کے بعد اپنے (ماں) باپ کے ساتھ تعلق رکھنے والے احباب کے ساتھ احسان سے پیش آئے۔ بیشک اس کا باپ (میرے باپ حضرت) عمر کا دوست تھا۔

بڑھاپے میں ماں باپ سے زیادہ شفقت و محبت کا حکم دیا گیا

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، رغم انفہ رغم انفہ رغم انفہ قیل من یارسول اللہ قال من ادرک و الدیہ عند الکبر احدھما او کلاھما ثم لم یدخل الجنۃ (مسلم، مشکوۃ باب البر والصلہ)

اس شخص کا ناک خاک آلود ہو گیا (ذلیل وخوار ہو گیا) تین مرتبہ یہ الفاظ آپ نے ارشاد فرمائے، صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ وہ کون شخص ہے، آپ نے فرمایا، یہ وہ شخص ہے جس نے اپنے والدین کو بڑھاپے میں پایا خواہ ان میں سے ایک بوڑھا ہو گیا تھا یا دونوں پھر یہ شخص جنت میں داخل نہ ہوا۔

وضاحت حدیث: "رغم انفہ" کے دو معنی لیے گئے ہیں ایک یہ کہ خبر ہو اور معنی یہ ہو کہ اس شخص کا ناک خاک آلود ہو گیا یعنی ذلیل وخوار ہو گیا اور دوسرا معنی یہ ہے (کہ آپ نے شائد یہ ارشاد ایسے شخص کے خلاف دعا فرمائی ہو) کہ وہ شخص ذلیل وخوار ہو جائے، اس معنی میں سخت الفاظ سے ڈرایا گیا ہے جس کے خلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمادیں وہ کتنا ہی بدبخت ہوگا۔ (مرقات)

اس حدیث پاک سے یہ نتیجہ حاصل ہوا۔ ان برهما عند کبرهما و ضعفهما بالخدمة و النفقة و غیر ذالک سبب لدخول الجنة فمن قصر فی ذالک فاته دخول الجنة (نووی)

بیشک ماں باپ سے احسان کرنا ان کے بڑھاپے اور کمزور حال ہوتے وقت جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ ہے۔ وہ احسان یہ ہے انکی خدمت کرنا، انہیں خرچ دینا اور ہر طرح کی انکی ضروریات کا خیال رکھنا ہے۔ اور جس شخص نے اس حال میں ان پر احسان کرنے میں کوتاہی کی وہ جنت میں داخل ہونے سے محروم ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے، و قضیٰ ربک الا تعبدو ا الا ایاہ و بالو الدین احسانا اما یبلغن عندک الکبر احد هما او کلهما فلا تقل لهما اف و لا تنهرهما و قل لهما قو لا کریما۔ و اخفض لهما جناح الذل من الرحمة و قل رب ارحمهما کما ربینی صغیرا۔ (پ ۱۵)

اور تمہارے رب نے حکم دیا کہ اسکے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے ہوں (اف) نہ کہنا اور نہ جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا۔ اور ان کے لئے عاجزی کا بازو بچھا نرم دلی سے اور عرض کر اے میرے رب تو ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دونوں نے مجھے بچپن میں پالا۔

اس آیۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ہو کسی اور کی عبادت نہ کی جائے، اسلئے کہ عبادت اس فعل کا نام ہے جس میں انتہائی درجہ کی اعلیٰ قسم کی تعظیم پائی جائے۔ انتہائی درجہ کی تعظیم صرف اسی ذات کی ہو سکتی ہے جس سے انتہائی درجہ کے انعامات حاصل ہوں، انتہائی درجہ کے انعامات وجود، حیات، قدرت، عقل اور شہوت ہیں۔ یہ بہت واضح دلائل سے ثابت ہے کہ ان چیزوں کا عطا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اسکے بغیر اور کوئی نہیں۔

پھر مالک الملک نے اپنی عبادت کے ساتھ والدین کے ساتھ احسان اور محبت کرنے کو ذکر فرمایا اسکی چند وجوہ ہیں۔

(۱) انسان کی تخلیق اور وجود کا سبب حقیقی یعنی موجد اللہ تعالیٰ ہے اور ظاہری سبب ماں باپ ہیں۔ سبب حقیقی کی تعظیم یعنی عبادت کے حکم کے بعد سبب ظاہری کی تعظیم

کا حکم دیا گیا ہے۔

(۲) موجود کی دو قسمیں ہیں قدیم (جسکی ابتداء و انتہا نہ ہو) حادث (جسکی ابتدا و انتہا ہو) اسلیئے انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے معبود قدیم سے تعظیم اور عبادت کا تعلق رکھے اور ماں باپ جو حادث ہیں ان سے شفقت و محبت کا تعلق رکھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "التعظیم لامر اللہ و الشفقۃ علیٰ خلق اللہ" (اللہ کے امر کی تعظیم ہے اور اللہ کی مخلوق پر شفقت کرنا ہے) سے یہی مراد ہے۔

تمام مخلوق میں سے زیادہ شفقت کے مستحق والدین ہیں کیونکہ ان کے انعامات اولاد پر بہت زیادہ ہوتے ہیں۔

(۳) انسان پر واجب ہے کہ منعم (انعام عطا کرنے والا) کا شکریہ ادا کرے، منعم حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اس کا شکریہ اسکی عبادت و تعظیم سے ادا کرنا ضروری ہے۔ رب قدوس نے خود ارشاد فرمایا، و اشکروا لی و لا تکفرون (پ ۲) اور میرا شکریہ ادا کرو اور میری نعمتوں کا کفران نہ کرو۔

کبھی انسان پر انعام کرنے والا مخلوق میں سے بھی کوئی نہ کوئی ہوتا ہے اسکا شکریہ ادا کرنا بھی واجب ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ" جو لوگوں کا شکر گزار نہیں وہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بھی نہیں۔ خیال رہے شکریہ ادا کرنے کا مطلب دل سے اچھا سمجھنا، تعظیم کرنا، احسان کا [illegible]نا، اسکی عزت کا پاس کرنا ہے صرف زبان سے کہنا آپ کا بہت شکریہ اور دل میں عزت و احترام نہ ہو تو یہ صرف رسم و رواج ہے حقیقی شکریہ نہیں۔

مخلوق میں سے سب سے زیادہ نعمتیں عطا کرنے والے ماں باپ ہی ہیں کیونکہ اولاد ماں باپ کے جسم کا ٹکڑا ہوتی ہے جیسے حبیب پاک علیہ السلام نے فرمایا "فاطمۃ بضعۃ منی" فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔ نیز ماں باپ کی شفقت اولاد پر بہت عظیم ہے کیونکہ انکا اولاد کو ہر طرح فائدہ پہنچانے اور نقصان سے بچانے کی کوشش میں رہنا انکی طبیعت میں داخل ہے۔ ان کو یہ رحمت و شفقت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ خود ہی رب کریم کی طرف سے یہ فیضان ہوتا ہے۔ انسان جب بہت ہی عاجز ہوتا ہے چلنے پھرنے، بولنے اور کچھ کر سکنے کی اس میں طاقت نہیں ہوتی اس وقت فقط ماں

باپ کی شفقت کے سہارے پروہ ہوتا ہے اور باقی مخلوق کے انعام اگر کسی پر ہوں بھی تو انعام کرنے والے یا انعامات کا بدلہ دے رہے ہوتے ہیں یا ان کو کچھ نہ کچھ غرض ہوتی ہے لیکن ماں باپ کے اولاد پر انعامات بلاغرض ہوتے ہیں تو یقیناً ان پر احسان اور انکی عزت واحترام سب سے زیادہ کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کے بعد اگر کسی کے انعامات ہیں تو وہ ماں باپ کے ہی ہیں۔

فائدہ:

اسکندر سے کسی نے پوچھا کہ تمہارے والدین کا تم پر احسان زیادہ ہے یا استاذ کا۔ اس نے کہا مجھ پر میرے استاذ کا احسان زیادہ ہے "لانه تحمل انواع الشدائد و المحن علیه عند تعلیمی ارتعنی فی نور العلم" اسلئے کہ استاذ نے میری تعلیم میں طرح طرح کی مشکلات و تکالیف کو برداشت کر کے مجھے نور علم سے خوشحال کیا لیکن اسکے برخلاف والدین کی اپنی خواہشات کا بھی کچھ دخل تھا جنہوں نے مجھے عالم عدم سے نکال کر عالم کون وفساد کی آفات و بلیات کے حوالے کر دیا۔

کلمات ماثورہ میں ایک مشہور قول یہ ہے "خیر الاباء من علمک" بہتر آباء وہ ہیں جنہوں نے تمہیں علم سکھایا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے، حق العالم علی الجاھل و حق الاستاذ علی التلمیذ واحد علی السواء وھو ان لایفتح بالکلام قبله و لا یجلس مکانه و ان غاب و لایرد علیٰ کلامه و لایتقدم علیٰ مشیه۔

عالم کا حق جاہل پر اور استاذ کا حق شاگرد پر ایک جیسا ہی ہے۔ وہ یہ کہ انکے کلام سے پہلے یہ کلام شروع نہ کرے، انکی جگہ نہ بیٹھے بیشک وہ غائب ہی کیوں نہ ہوں، انکے کلام کو رد نہ کرے، انکے آگے آگے نہ چلے۔ استاذ اور عالم کی مسند پر انکی عدم موجودگی میں بھی نہ بیٹھے اور ان سے اگر اختلاف بھی ہو تو انکے کلام کو رد کرنے کے بجائے مستحسن انداز پر اس پر دلائل پیش کرے۔

عالمگیری میں ہی ہے، ینبغی للرجل ان یراعی حقوق استاذہ و آدابه و لایضن بشئی من ماله۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے استاذ کے حقوق و آداب کی رعایت کرے اور اس پر اپنا مال خرچ کرنے میں بخل سے کام نہ لے۔ یعنی استاذ اگرچہ مالی طور پر پریشان حالی کا شکار ہو جائے تو شاگردوں کو چاہیئے کہ اپنے مال سے استاذ سے تعاون کریں۔

راقم کے نزدیک تو اس زمانہ میں اگر کوئی وعدہ وفا کردے، کلام کرتے ہوئے ادب و احترام کا لحاظ کرے، آداب محفل کا ہی لحاظ کرے تو وہ شاگرد بھی بہت بڑا وفادار ہے۔ مالی معاونت یا فارغ ہوکر کبھی ملاقات کرنا تو دور کی بات ہے۔ عالمگیری میں تاتارخانیہ کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے،

یقدم حق معلمه علی حق ابویه و سائر المسلمین و یتواضع لمن علمه خیراً و لو حرفاً و لا ینبغی ان یخذله و لا یستاثر علیه احداً فان فعل ذالک فقد قصم عروة من عری الاسلام و من اجلاله ان لا یقرع بابه بل ینتظر خروجه۔

استاذ کا حق والدین کے حق اور تمام مسلمانوں کے حق سے مقدم ہے، جس شخص نے اسے اچھا علم سکھایا ہو خواہ ایک حرف ہی ہو اس سے عاجزی کے ساتھ در پیش آئے۔ استاذ پر کسی اور کو ترجیح نہ دے اگر اس نے ایسا کیا تو اسلام کی رسیوں میں سے ایک رسی کو توڑ دیا، استاذ کی بزرگی کا تقاضا یہ ہے کہ اسکے دروازے کو نہ کھٹکھٹائے بلکہ اسکے باہر آنے کا انتظار کرے۔

طبرانی نے حضرت ابو امامہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، من علم عبداً آیة من کتاب اللہ تعالیٰ فهو مولاه۔ جس شخص نے کسی کو قرآن پاک کی ایک آیۃ بھی سکھادی تو وہ اسکا مولیٰ ہوگیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "من علمنی حرفاً فقد صیرنی له عبداً ان شاء باع و ان شاء اعتق" جس شخص نے مجھے ایک حرف بھی سکھا دیا بیشک اس نے مجھے اپنا غلام بنالیا اگر چاہے تو فروخت کردے اور اگر چاہے تو آزاد کردے۔ یعنی اسے مجھ پر اتنا حق حاصل ہوگیا جتنا مالک کو اپنے غلام پر حق حاصل ہوتا ہے۔یہاں تشبیہ ہے حقیقی غلامیت مراد نہیں۔

آیت کریمہ کی تفسیر بیان کررہا تھا درمیان میں ایک ضمنی فائدہ نقل کردیا گیا ہے تفسیر کی طرف توجہ کی جائے۔ آیۃ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت اور اپنی عبادت کے بعد والدین سے احسان کرنے کا ذکر فرما کر حق تعظیم کی عظمت کو واضح کردیا۔ اور یہ ظاہر فرمادیا کہ ماں باپ کی خدمت بھی اخروی سعادت کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انداز بیان کی خوبی کو دیکھا جائے کہ یوں نہیں فرمایا "و احسانا بالوالدین"

بلکہ " وبالوالدین احسانا " فرمایا۔ والدین کا پہلے ذکر کرنا ہی اہتمام اور انکی عظمت پر دلالت کر رہا ہے۔ اور لفظ احسانا نکرہ ہے جس میں تنکیر تعظیم پر دلالت کر رہی ہے۔ اب معنیٰ اس طرح ہوا " وقضی ربک ان تحسنوا الی الوالدین احسانا عظیما کاملا "

آپ کے رب نے یہ حکم دیا کہ اپنے والدین سے بہت بڑا کامل احسان کرو۔

" اما یبلغن عندک الکبر احدھما او کلھما " کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے والدین یا ان میں سے ایک تمہارے پاس بڑھاپے کو پہنچ کر اس طرح عاجز وضعیف ہو چکے ہوں جس طرح تو ان کے پاس بچپن میں ضعیف وناتواں تھا۔ آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا ماں باپ کو اف نہ کہو۔ اف کے کئی معانی ہیں (۱) کان کی میل کو اف کہا جاتا ہے اور ناخنوں کی میل کو تف (۲) حقیر، گندی چیز پر اف کا اطلاق ہوتا ہے (۳) کم چیز پر اف بولا جاتا ہے اس معنیٰ کے لحاظ سے یہ افیف سے ماخوذ ہے جس کا معنیٰ ہوتا ہے کم چیز، تف کا لفظ لاحقہ ہوگا جیسے کہا جاتا ہے شیطان لیطان اور کہا جاتا ہے خبیث نبیث (۴) دل تنگی اور پریشانی کے وقت اف بولا جاتا ہے (۵) جب انسان پر مٹی، ریت وغیرہ گرے تو وہ اس کو پھونکتا جھاڑتا ہے۔ پھونکتے وقت لفظ اسکی زبان سے نکلتا ہے۔

تمام معانی کا مقصد یہاں ایک ہی ہے کہ ایسا کوئی لفظ ماں باپ کے لئے زبان سے نہ نکالے جس سے وہ دل آزردہ ہوں انہیں تکلیف، پریشانی ہو۔ اب انسان خود ہی اندازہ کر سکتا ہے کہ جب تکلیف دینے والا کوئی لفظ بھی زبان سے نکالنا حرام ہوگا تو مارنا پیٹنا، گالی دینا کتنا عظیم جرم ہوگا۔

" ولا تنھرھما " کہہ کر مزید وضاحت فرمادی کہ ماں باپ کو جھڑکو نہیں، ڈانٹ ڈپٹ نہ دو۔

" وقل لھما قولا کریما " ان سے عزت والا کلام کرو۔ یعنی اس طرح کلام کرو جس سے انکی عزت کا اظہار ہو۔ انکی تعظیم پر دلالت کرنے والے الفاظ ہوں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ماں باپ کو پکارتے وقت " یا ابتاہ یا امتاہ " کہہ کر پکارے اے اباجان اور اے امی جی لیکن نام لے کر نہ پکارے۔

حضرت عطاء کہتے ہیں کہ والدین سے کلام کرتے ہوئے انکی آواز پر اپنی آواز کو بلند نہ کرو اور خشمگین (غصہ بھری) آنکھوں سے نہ دیکھو اسلئے کہ یہ دونوں فعل قول کریم کے

منافی ہیں۔

"واخفض لهما جناح الذل من الرحمة" ماں باپ کے سامنے رحمت کے پر بچھا دو۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ ماں باپ کی عاجزی سے تعظیم کرو، جس طرح پرندے اپنے بچوں کی تربیت کے وقت اپنے پر بچھا لیتے ہیں تم بھی اپنے والدین کی تعظیم میں بہت زیادہ کوشش کرو کیونکہ تمہارے والدین نے بچپن میں تمہاری پرورش میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہونے دی۔(از کبیر و شرح الحقوق لطرح العقوق للامام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

ماں باپ کی وفات کے بعد ان سے حسن سلوک کا حکم

حضرت ابو ربیعہ ساعدی فرماتے ہیں کہ میں بارگاہ رسالت میں حاضر تھا اسی اثناء میں ایک انصاری حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آیا اور عرض کی یا رسول اللہ میرے والدین کی وفات کے بعد کیا مجھ پر ان سے حسن سلوک کرنا ضروری ہے۔

قال نعم خصال اربع الصلوة عليهما والاستغفار لهما وانجاز عهدهما واكرام صديقهما وصلة الرحم التى لا رحم لك الا من قبيلهما فهو الذى بقى عليك من برهما بعد موتهما (ابن ماجہ، صحیح ابن حبان، روح المعانی)

حضور نے فرمایا ہاں چار باتیں تجھ پر ضروری ہیں، انکی نماز جنازہ ادا کرنا، انکے لئے دعائے مغفرت کرتے رہنا، جو وعدہ انہوں نے کیا تھا اسکو پورا کرنا اور انکے دوستوں کا احترام کرنا اور انکے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا جن سے انکی وجہ سے رشتہ داری ہو، یہ نیکی ایسی ہے جو انکی وفات کے بعد بھی تم پر لازمی ہے۔(ضیاء القرآن)

ابن ابی الدنیا نے محمد بن نعمان سے مرفوع حدیث بیان کی کہ آپ نے فرمایا من زار قبر ابويه او احدهما فى كل جمعة غفرله و كتب براه (بیہقی، روح المعانی)

جس شخص نے ہر جمعہ میں اپنے والدین کی قبر کی زیارت کی یا ان میں سے ایک کی قبر کی زیارت کی (یعنی ایک کا ہی ابھی انتقال ہوا) اسکی مغفرت کر دی جاتی ہے اور اس کا (گناہوں اور عذاب سے) بری ہونا لکھ دیا جاتا ہے۔

ماں کی ناراضگی خدا کا عذاب

روایات میں ہے کہ ایک جوان کی وفات کے قریب زبان کلمہ شہادت سے رک گئی۔ صحابہ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور اس صحابی کے گھر تشریف لائے۔ آپ نے اس کے قریب آکر کلمہ شہادت کا ورد شروع کیا، وہ صحابی اپنی زبان کو حرکت دیتے ہیں لیکن زبان لڑکھڑا جاتی ہے اپنی زبان سے کوئی کلمہ نکالنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا یہ شخص نماز ادا نہیں کرتا تھا، کیا روزے نہیں رکھتا تھا، کیا زکوۃ ادا نہیں کرتا تھا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ سب کام تو کیا کرتا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا "ھل عق و الدیہ فقالوا ابلیٰ" کیا یہ اپنے ماں باپ کا نافرمان تھا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ یہ اپنے ماں باپ کا نافرمان تو تھا۔ آپ نے فرمایا اسکی والدہ کو بلایا جائے، اسکی والدہ حاضر ہوئی جو بوڑھی تھی اور اسکی ایک آنکھ ضائع ہو چکی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو اپنے بیٹے کو معاف نہیں کر دیتی، اس نے عرض کی یا رسول اللہ میں اسے معاف نہیں کر سکتی اس نے مجھے ایک مرتبہ تھپڑ مارا تھا اور میری آنکھ ضائع کر دی تھی۔ آپ نے فرمایا لکڑیاں اور آگ لے آؤ۔ اس عورت نے پوچھا آپ لکڑیوں کو کیا کریں گے، آپ نے فرمایا تمہارے سامنے اسکو جلا دیتے ہیں کیونکہ اس نے تمہارے ساتھ جو سلوک کیا ہے اسکی یہی جزاء ہے (یعنی قیامت میں بھی اسے جہنم میں ہی جلنا ہے) اس عورت نے کہا میں معاف کر رہی ہوں میں معاف کر رہی ہوں، کیا میں نے آگ کے لئے اسے نو ماہ پیٹ میں اٹھایا تھا، کیا میں نے آگ کے لئے اسے دو سال دودھ پلایا تھا۔ اسکے بعد علامہ رازی فرماتے ہیں "فاین رحمۃ الام فعند ذالک انطلق لسانہ و ذکر اشھد ان لا الہ الا اللہ" ماں جیسی رحمت اور کہاں ملے گی، جبھی ماں نے معاف کیا تو صحابی رسول کی زبان چلی اور کلمہ شہادت کا ذکر کیا۔ سبحان اللہ جب ماں صرف رحیمہ ہے رحمانہ نہیں تو وہ رب کریم جو رحیم بھی ہے اور رحمن بھی اسکی رحمت کا کیا مقام ہوگا۔ ماں صرف رحیمہ ہونے پر بچے کو آگ میں جلتا ہوا برداشت نہ کر سکی تو اللہ تعالیٰ جو رحیم و رحمان ہے وہ اپنے مومن بندوں کو جو ہمیشہ کلمہ شہادت پر قائم رہے کیسے آگ میں جلائے گا۔

یعنی رب تعالیٰ ماں سے بھی زیادہ رحم کرنے والا ہے۔(کبیرج اول سورۃ فاتحہ)

ماں کی ناراضگی سے ایک متقی، صالح شخص پر کیا گزری

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص جریج اپنے عبادت خانہ میں عبادت میں مشغول تھا، حمید بن ھلال کہتے ہیں حضرت ابوہریرہ نے ہمیں اسکی ماں کے اسے بلانے کی کیفیت بھی بیان کی یعنی اسکے ماں نے اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو اپنے ابروں پر رکھ کر اوپر اسکے عبادت خانہ کی طرف دیکھ کر اسے بلایا اور کہا "یا جریج انا امک فتکلمنی" اے جریج میں تیری ماں ہوں میرے ساتھ کلام کر، لیکن اس نے اسے نماز نوافل جاری رکھے ہوئے پایا۔جریج نے کہا اے اللہ یہ میری ماں ہے اور یہ میری نماز (یعنی اس نے سوچا میں کیا کروں ماں سے کلام کروں یا نوافل ادا کرتا رہوں آخر کار اسکے دل نے نوافل نماز کو ترجیح دی اور ماں سے کلام نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا) اس نے نماز کو اختیار کیا، ماں واپس چلی گئی پھر دوسرے دن لوٹ کر آئی، پھر اس نے کہا اے جریج میں تمہاری ماں ہوں میرے ساتھ کلام کر۔جریج نے پھر کہا اے اللہ یہ میری ماں ہے اور یہ میری نماز۔اس نے نماز کو ترجیح دی اسکی ماں نے کہا اللھم ان ھذا جریج وھو ابنی و انی کلمتہ فابیٰ ان یکلمنی اللھم فلا تمتہ حتیٰ تریہ المومسات۔اے اللہ بیشک یہ جریج ہے اور وہ میرا بیٹا ہے، بیشک میں نے اس سے کلام کیا اس نے میرے ساتھ کلام کرنے سے انکار کر دیا۔اے اللہ اسے اس وقت تک موت نہ عطا کر یہاں تک کہ اسے فاحشہ عورتیں دکھادے۔

راوی کہتے ہیں اگر اسکی ماں اسکے لئے کسی بہت بڑے فتنہ میں مبتلا ہونے کی بددعا کرتی تو وہ بھی قبول ہو جاتی۔(ماں کی دعاء کی قبولیت کا اندازہ کریں) ایک شخص بھیڑ بکریوں کا چرواہا اس کے عبادت خانہ میں آکر پناہ پکڑتا تھا۔ایک دن ایک عورت دیہات سے باہر آئی اس سے چرواہے نے بدفعلی کی وہ حاملہ ہو گئی یہاں تک کہ اس نے ایک بچہ جنم دیا، لوگوں نے اس عورت سے پوچھا یہ بچہ کس کا ہے؟ اس نے کہا اس عبادت خانہ میں ایک شخص ہے اس کا ہے۔لوگ اپنے زمین کھودنے کے آلات لے کر آگئے، انہوں نے باہر سے (جریج کو) پکارا لیکن اسے نماز پڑھتے ہوئے پایا، اس نے لوگوں سے کوئی بات نہ کی۔ان لوگوں نے اسکے عبادت خانہ کو گرانا شروع کر دیا۔جب اس نے یہ ماجرا دیکھا

تو وہ اپنے عبادت خانہ سے نیچے اترا، ان لوگوں نے کہا اس عورت سے پوچھ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ مسکرایا، اس نے بچہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا تمہارا باپ کون ہے، اس نے کہا میرا باپ بھیڑ بکریوں کا چرواہا ہے۔ جب لوگوں نے اس (ننھے معصوم بچے) سے یہ سنا تو (معذرت کے طور پر) کہا کہ ہم نے تمہارا عبادت خانہ جو گرایا ہے اسے سونے اور چاندی سے تعمیر کر دیتے ہیں۔ اس نے کہا نہیں تم مٹی کا ہی بنا دو جیسا وہ پہلے تھا۔ اتنا کہہ کر وہ پھر اپنے عبادت خانہ پر چڑھ گیا۔ (مسلم ج ثانی کتاب البر والصلہ والادب)

اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ ماں کو راضی رکھنا نفلی عبادت سے مقدم، ماں کی ناراضگی اور بددعا دنیا اور آخرت میں عذاب کا سبب ہے۔

مسئلہ: ماں باپ اگر گناہگار یا بدمذہب ہوں تو ان کو نرمی سے راہ راست پر لانے کی کوشش کرے اور اگر منافق یا کافر ہوں تو ان سے بھی ماں باپ ہونے کے ناطے نرم سلوک رکھے۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا باپ ابو عامر سخت کافر تھا آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے قتل کرنے کی اجازت طلب کی آپ نے منع فرمایا۔ ہاں اگر ماں باپ یا کوئی رشتہ دار اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں آجائیں یعنی بیٹا مسلمانوں کی جانب اور باپ کافروں کی جانب سے میدان جنگ میں آمنے سامنے آجائیں تو باپ کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔

حضرت ابو عبیدہ بن جراح نے اپنے باپ جراح کو احد میں اور حضرت علی اور حمزہ اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم نے بدر میں اپنے قریبی رشتہ داروں عتبہ، شیبہ اور ولید کو قتل کیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبدالرحمن (انہوں نے بعد میں اسلام قبول کیا) سے مقابلہ کرنے کی اجازت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب کی لیکن آپ نے انہیں اپنے پاس ہی رکھنے کی وجہ سے اجازت عطا نہ فرمائی۔ (تفسیر عزیزی پ ۱، حاشیہ جلالین پ ۲۸)

نبی کریم علیہ السلام کا دودھ پلانے والی ماؤں کا احترام

حضرت ابو الطفیل غنوی سے مروی ہے آپ نے کہا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا اذ اقبلت امراۃ فبسط النبی صلی اللہ علیہ وسلم رداءہ حتی قعدت

علیہ فلما ذھبت قیل ھذہ ارضعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ابو داؤد، مشکوۃ باب المحرمات)

ایک عورت آئی جس کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر بچھائی وہ اس پر بیٹھی پھر چلی گئی تو لوگوں کو بتایا گیا کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا ہے۔

یہ حضرت حلیمہ سعدیہ تھیں جو حنین کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تھیں "فقام الیھا و بسط رداءہ لھا و جلست" اور آپ ان کے لئے کھڑے ہوئے اور ان کی تعظیم کی اور ان کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آنے کے لئے آپ نے چادر بچھائی جس پر وہ بیٹھیں۔ جن لوگوں کو علم نہیں تھا وہ تعجب کر رہے تھے کہ یہ عظیم المرتبت عورت کون ہے لیکن جب علم ہوا تو پتہ چلا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دودھ پلانے والی ماں کا کتنا عظیم احترام کیا۔ (مرقات، مواھب اللدنیہ)

نبی کریم علیہ السلام کا اپنی پرورش کرنے والی کی زیارت کرنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ کہتے ہیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کہا چلو ہم حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی زیارت کریں "کما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزورھا" جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکی زیارت کیا کرتے تھے۔ جب ہم انکے پاس پہنچے تو وہ روئیں۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے انہیں کہا تم کیوں رو رہی ہو حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بہتر ہے۔ انہوں نے فرمایا، میں اسلئے نہیں رو رہی کہ مجھے یہ علم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بلند و بالا ہے میرے رونے کی وجہ یہ ہے کہ آسمانوں سے وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے۔ انہوں نے ان دونوں کو بھی رونے پر برانگیختہ کر دیا، ان دونوں حضرات نے بھی رونا شروع کر دیا (مسلم ج ۲ باب فضائل ام ایمن)

ام ایمن رضی اللہ عنہا نبی کریم علیہ السلام کو اپنی گود میں لے کر پرورش کرنے والی ہیں۔ حضور علیہ السلام انکی زیارت کے لئے جاتے تھے۔ اس حدیث پاک سے یہ واضح

ہوا کہ نیک لوگوں کی زیارت کرنا مستحب ہے خواہ زیارت کرنے والا خود بھی اس سے زیادہ افضل کیوں نہ ہو۔ اپنے متعلقین کے احباب کی زیارت کرنا بھی مستحب ہے۔

کسی کے ماں باپ کو گالیاں دینے سے منع کرنے میں حکمت

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالیاں دے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ کوئی ایسا شخص بھی ہوگا جو اپنے ماں باپ کو گالیاں دیتا ہوگا۔ قال نعم یسب ابا الرجل فیسب اباہ و یسب امہ فیسب امہ (بخاری، مسلم، مشکوۃ باب البر والصلہ) آپ نے فرمایا ہاں جو شخص کسی کے باپ کو گالیاں دیتا ہو وہ اس کے باپ کو گالیاں دے اور یہ کسی کی ماں کو گالیاں دے وہ اسکی ماں کو گالیاں دے۔

یعنی کسی کے ماں باپ کو گالیاں نہ دو ورنہ وہ تمہارے ماں باپ کو گالیاں دے گا۔ اس پر تم خود اپنے ماں باپ کو گالیاں دینے کا سبب بنو گے۔ خدارا انصاف کریں ایسا مقام جو اسلام نے عورت کو بحیثیت ماں ہونے کے دیا وہ کسی اور مذہب میں ہے؟ انسانی حقوق کے دعویدار، اسلام کے مخالفین ایسی کوئی مثال نہیں پیش کر سکتے۔ اس بحث کو پیر محمد کرم شاہ صاحب کے حسین الفاظ سے ختم کر رہا ہوں، آپ نے فرمایا:

ان واضح تعلیمات اور روشن ارشادات کے بعد آپ یورپ و امریکہ وغیرہا متمدن ممالک کے حالات کا جائزہ لیجئے وہاں آپ کو ایسی اولاد شاذ و نادر ہی ملے گی جو بوڑھے والدین کی خدمت اپنے لئے سرمایہ سعادت یقین کرتی ہو، شادی کے بعد لڑکا اپنے والدین سے الگ ہو جاتا ہے اور اپنے والدین کی خدمت کے لئے اخلاقی یا قانونی ذمہ داری قبول نہیں کرتا۔ اسی لئے تو ان ممالک کی حکومتوں کو ایسی پناہ گاہیں بنانا پڑتی ہیں جہاں بوڑھے اور بیمار والدین کو رکھا جائے تاکہ وہ زندگی کے آخری ایام وہاں بسر کر سکیں (ضیاء القرآن)

اسلام سے پہلے عورت کا مقام

(۱) اسلام سے پہلے عرب بلکہ ہندوستان میں بھی عورت مثل مال مویشی کے سمجھی جاتی تھی کہ شوہر فقط اپنی خدمت کے لئے کھانا کپڑا دے کر ان سے غلاموں کا سا برتاوا کرتے تھے بلکہ انہیں جائداد کی طرح استعمال کرتے تھے (نعیمی پ ۲)

(۲) عرصہ ہائے دراز سے یہ صنف نازک ظلم و ستم کا نشانہ بنی ہوئی تھی قدرت نے اگرچہ اسے مرد کی طرح ذی روح اور ذی شعور بنایا تھا لیکن اسکے ساتھ برتاؤ مٹی کی بے جان مورتیوں کا سا کیا جاتا تھا، جوئے میں داؤ پر اسے لگایا جا سکتا تھا، خاوند کی لاش کے ساتھ قانوناً اسے جل کر راکھ ہونا پڑتا تھا، کہیں اسے تمام برائیوں کی جڑ اور انسان کی ساری بدبختیوں کا سرچشمہ یقین کیا جاتا تھا اور کہیں چوٹی کے نامور فلسفی اسکے انسان ہونے کو بھی مشکوک نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے۔ اس کو ملکیت کے حقوق حاصل نہ تھے۔ اسے ازدواجی بندھنوں میں مقید کرنے سے پہلے اس سے کوئی رائے لینے کا تصور تک نہ تھا بلکہ اس سے بھی بدتر حالات تھے۔ (ضیاء القرآن پ ۲)

(۳) اسلام سے پہلے مرد عورت کو طلاق دے دیتا تھا اور عدت کے ختم ہونے کے قریب رجوع کر لیتا تھا، پھر طلاق دے دیتا اور عدت کے ختم ہونے کے قریب رجوع کر لیتا، یہ سلسلہ انکا ختم نہیں ہوتا تھا۔ ساری عمر عورت کو قیدی کی حیثیت حاصل رہتی۔ نہ آزاد متصور ہوتی اور نہ ہی زوجیت کی زندگی اسے حاصل ہوتی۔ یہ ایسا بھیانک ظلم تھا جو عورت کی ساری زندگی کو برباد کر کے رکھ دیتا تھا، عورت کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔

(۴) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں، ان الیھود کانوا اذا حاضت المراۃ فیھم لم یؤاکلوھا ولم یجامعوھن فی البیوت (مسلم، مشکوۃ باب الحیض)

بیشک یہود کی عورتوں میں سے جب کسی کو حیض (ماہواری خون) آتا تو یہ ان سے مل کر نہیں کھاتے تھے اور نہ ہی ان کے ساتھ مل کر ایک گھر میں رہتے تھے۔ بلکہ ان کو علیحدہ کمرے میں رکھا جاتا تھا۔ انکو اس حال میں تنہائی کی قید گذارنی پڑتی، کسی سے میل جول نہیں رکھ سکتی تھیں۔

(۵) یتیم لڑکی جو کسی کے زیر پرورش ہوتی وہ خود ہی اس سے نکاح کر لیتا نہ اس کے

حقوق زوجیت ادا کرنا اور نہ ہی مہر مقرر کرنے میں انصاف سے کام لینا، صرف اسلئے کہ اس سے شفقت کرنے والا کوئی نہیں۔ جس طرح چاہا اس پر ظلم کر لیا۔

اسلام میں عورت کا عروج

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، استوصوا بالنساء خیراً فانھن خلقن من ضلع اعوج و ان اعوج شیء فی الضلع اعلاہ فان ذھبت تقیمہ کسرتہ و ان ترکتہ لم یزل اعوج فاستوصوا بالنساء (بخاری، مسلم، مشکوۃ باب عشرۃ النساء)

عورتوں کے متعلق میں تمہیں بہتر حکم دیتا ہوں جسے قبول کرو، بیشک وہ ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہیں بیشک پسلی کا ٹیڑھا پن اوپر کی جانب ہوتا ہے، اگر تم اسے سیدھا کرنا شروع کرو گے تو اسے توڑ دو گے اور اگر اسے اسی حال پر چھوڑو گے تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی، عورتوں کے متعلق میرا حکم قبول کرو۔

وضاحت حدیث:

استوصوا کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں ایک یہ کہ لفظ سین طلب کے لئے ہو تو اب معنی یہ ہوگا اطلبوا الوصیۃ من انفسکم فی حقھن بخیر۔ اپنے نفسوں سے عورتوں کے حق میں بہتر نصیحت طلب کرو۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے "وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا" وہ (اہل کتاب) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پہلے کافروں پر (آپ کے وسیلہ سے) فتح طلب کرتے تھے۔ یعنی جس طرح یستفتحون میں سین طلب کے معنی میں ہے اسی طرح "استوصوا" میں بھی سین طلب کے لئے ہے۔ پھر "بخیر" پر جو باء ہے اسکو "النساء" پر داخل کیا تو "استوصوا بالنساء خیرا" ہو گیا۔

دوسرا معنی: قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ "الاستیصاء" کا معنی ہے وصیت قبول کرنا۔ اب معنی یہ ہوگا "اوصیکم بھن خیراً فاقبلوا وصیتی فیھن" میں تمہیں عورتوں کے حق میں بہتر نصیحت کرتا ہوں وہ میری نصیحت قبول کر لو۔ مقصد اس سے یہ ہے کہ ان سے نرم سلوک کیا جائے، نرمی کی جائے، ان کے ٹیڑھا رہتے ہوئے کچھ انکی خامیاں برداشت کی جائیں، ان پر احسان کیا جائے، انکی غلطیوں کو برداشت کیا جائے۔

جس طرح کہا گیا ہے "الصبر عنہن ایسر من الصبر علیھن و الصبر علیھن اھون من الصبر علی النار" انکی خامیوں کو برداشت کرنا بنسبت انکو روکنے سے آسان ہے اور انکو غلطیوں سے روکنا آگ میں جلنے سے آسان ہے۔ یعنی اگر ان میں کوئی خامی، غلطی ایسی ہو جو خلاف شرع نہ ہو تو اس پر صبر کرنا آسان ہے کیونکہ اگر عورت کو روکا گیا تو وہ اپنے ٹیڑھے پن اور عقل کی کمی کی وجہ سے گھر کو برباد کردے گی، سکون برباد ہو جائے گا، لیکن اگر اسکی غلطیاں، شریعت کے خلاف ہوں تو پھر روکا جائے، اگر نہ روکا گیا تو مرد کو خلاف شرع کاموں سے نہ روکنے کی وجہ سے جہنم کی آگ میں جلنا پڑے گا اور عورت کو گناہ کرنے کی وجہ سے آگ میں جلنا پڑے گا۔

عورت کا ٹیڑھا ہونا، کسی کی بات نہ ماننا اپنی بات منوانے پر زور دینا اسکی پیدائش عادت و فطرت میں داخل ہے کیونکہ حضرت حوا کو آدم علیہ السلام کی بائیں جانب اوپر کی پسلی سے پیدا کیا گیا ہے۔ پیدائشی عادت کا بدلنا ممکن نہیں، خود ارشاد مصطفوی کے مطابق پہاڑ کا اپنی جگہ سے ہٹنا ممکن ہے لیکن جبلی عادت کا بدلنا ممکن نہیں۔ (از مرقاۃ، نووی)

نکتہ: عورت کو مٹی سے نہیں پیدا کیا گیا بلکہ مرد کی بائیں پسلی سے پیدا کیا گیا ہے تاکہ عورت کبھی بھی مرد کی برابری کا دعویٰ نہ کرسکے کیونکہ اس کو پیدائش کے وقت سے ہی مرد کے تابع بنا دیا گیا ہے۔ پھر بائیں پسلی سے پیدا کرنا دائیں سے نہ پیدا کرنا بھی اسکے مرتبہ کی کمی پر دلالت کر رہا ہے۔

○ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لولا بنو اسرائیل لم یخنز اللحم ولولا حوا لم تخن انثیٰ زوجھا الدھر (بخاری، مسلم، مشکوۃ باب عشرۃ النساء) اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت میں کبھی تبدیلی نہ ہوتی اور اگر حوا نہ ہوتیں تو کوئی عورت زمانہ بھر اپنے خاوند کی مخالفت نہ کرتی۔

بنی اسرائیل کو رب تعالیٰ نے من و سلویٰ کے ذخیرہ بنانے سے منع کیا تھا لیکن انکو اللہ تعالیٰ پر توکل نہیں تھا اسلیئے وہ دوسرے وقت کے لیۓ بھی جمع کر لیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بطور سزا گوشت کو کچھ دیر کے گذرنے پر بدبودار بنا دیا۔ پھر یہ سلسلہ اس

وقت سے جاری ہے ورنہ پہلے گوشت کتنی دیر بھی رہے بدبودار نہیں ہوتا تھا۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے، ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم (پ ۱۳)
بیشک اللہ تعالیٰ کسی قوم سے اپنی نعمت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدل دیں۔
یعنی جب انسان گناہوں میں مبتلا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آجاتا ہے جو اسکی نعمتوں کے زوال کا سبب ہے۔
جنت میں شیطان کے وسوسہ کا ابتدائی شکار ہونے والی اور دانہ چکھنے والی اور حضرت آدم علیہ السلام کو ایک بزرگ (شیطان جو بڑا بزرگ ناصح کی شکل میں مشورہ دینے آیا تھا) نصیحت کرنے والے کی نصیحت پر عمل کرنے کا مشورہ دینے والی حضرت حوا ہی تھیں۔اس کے بعد عورت کا زیادہ پھسلنا اور مرد کی مخالفت کرنے اور مرد کو غلط مشورہ دینے کا سلسلہ جاری ہوا جو تاقیامت جاری رہے گا۔(از مرقات)

○ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی یہ ہے خیرکم خیرکم لاھلہ و انا خیرکم لاھلی و اذا مات صاحبکم فدعوہ (ترمذی، دارمی، مشکوۃ باب عشرۃ النساء)
تم میں سے بہتر وہ شخص جو اپنی اھل سے بہتر سلوک رکھے، میں تم سے بہتر اپنی اھل سے اچھا سلوک رکھتا ہوں، جب کوئی شخص تم سے فوت ہو جائے تو اسے چھوڑ دو۔
وضاحت حدیث: اھل سے مراد زوجہ اور اقرباء ہیں۔یعنی تم میں سے اچھا وہ شخص ہوگا جو اپنی زوجہ اور اپنے اقارب (رشتہ داروں) سے اچھا سلوک رکھے۔کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں خود تم تمام سے زیادہ اپنی ازواج مطہرات اور اقرباء سے حسن خلق سے پیش آتا ہوں۔جب کوئی شخص فوت ہو جائے تو اسے چھوڑ دو یعنی اسکی برائیاں بیان کرنی چھوڑ دو بلکہ "اذکروا موتاکم بالخیر" اپنے فوت شدہ آدمیوں کو اچھے الفاظ سے یاد کرو۔اور اسکا مطلب یہ بھی ہے کہ اپنے فوت ہونے والے آدمیوں پر رونا پیٹنا، جزع و فزع کرنا چھوڑ دو بلکہ ان کو رب کی رحمت کے حوالے کر دو، اللہ تعالیٰ سے ان کی بخشش کی دعا کرو۔(از مرقات)

○ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا ارشاد گرامی ہے، ان من اکمل المومنین ایماناً احسنہم خلقاً و الطفہم باھلہ (ترمذی، مشکوۃ باب عشرۃ النساء) بیشک مومنین میں سے کامل ایمان والا وہ شخص جو اچھے اخلاق کا مالک اور اپنی اھل سے نرم سلوک رکھنے والا ہو۔ یعنی اپنی زوجہ اور اقرباء سے مہربانی سے پیش آئے۔

یعنی کامل ایمان خود ہی اچھے اخلاق کو ثابت کر دیتا ہے اور انسان کو نرم سلوک کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

زوجہ کو بلاوجہ مارنا منع ہے

○ حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لا یجلد احدکم امراتہ جلد العبد ثم یجامعہا فی آخر الیوم (بخاری، مسلم، مشکوۃ باب عشرۃ النساء) کوئی شخص اپنی زوجہ کو بہت شدید ظالمانہ طور پر غلاموں کی طرح نہ مارے، پھر رات میں اسی سے جماع بھی کرنا ہوگا۔

و الاظہر ان النہی مقید بالضرب الشدید- زیادہ ظاہر یہ ہے کہ سخت مارنے سے منع کیا گیا ہے۔

○ حضرت انس بن عبداللہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لا تضربوا اماء اللہ (مشکوۃ باب عشرۃ النساء) اللہ کی بندیوں کو نہ مارو۔

عورت کو چار وجہ سے مارنا جائز ہے

(۱) ترک الزینۃ اذا اراد الزوج الزینۃ- جب خاوند چاہے کہ یہ زیب و زینت کرے اور عورت نہ کرے۔ لیکن یہ خاوند کے سامنے مراد ہے۔ آج ماڈرن دور میں خاوند چاہتے ہیں بیوی گریبان ننگا کر کے، دوپٹہ اتار کے، میک اپ کر کے ہمارے دوستوں کے سامنے آکر بیٹھ جائے وہ بھی دیکھ کر تعریف کریں۔ ایسی صورت اختیار کرنا حرام ہے، ایسی زیب و زینت کے ترک پر مارنا بھی ناجائز ہوگا۔

(۲) ترک الاجابۃ اذا اراد الجماع وھی طاھرۃ- خاوند کا جماع کے ارادہ سے طلب کرنے پر اس کا انکار کرنا جبکہ وہ حیض سے پاک بھی ہو اور بیماری وغیرہ کا کوئی عذر بھی نہ ہو۔

(۳) ترک الصلوۃ و ترک الغسل عن الجنابۃ و الحیض بمنزلۃ ترک الصلوۃ- نماز چھوڑنے پر اور جنابت اور حیض کے غسل چھوڑنے پر نماز کے چھوڑنے کی طرح ہی مارنا جائز ہوگا۔

(۴) الخروج عن منزلہ بغیر اذنہ- خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر ادھر ادھر پھرنے پر خاوند کو سرزنش کا حق حاصل ہے۔ لیکن خیال رہے ان تمام صورتوں میں شدید مارنے کی اجازت نہیں بلکہ معمولی مار جس سے اس کو تنبیہ حاصل ہو جائے اور وہ ان کاموں سے اجتناب کرے۔ (فتاویٰ قاضی خان، مرقات)

بعض حضرات نے پانچویں وجہ کا بھی ذکر کیا ہے "لہ ان یضربھا متیٰ اغضبتہ" خاوند کو اس وقت بھی مارنا جائز ہے جب زوجہ اسے بہت غصہ میں کر دے۔ حقیقت یہی ہے کہ عورتوں کو اپنے خاوندوں کی طبیعت کو سمجھنا چاہیئے کہ وہ کون سی صورت ہے جس سے خاوند غصہ میں ہوتا ہے اور وہ کون سی صورت ہے جس سے خاوند خوش ہوتا ہے۔ اگر زوجہ اپنی ہی بات منوانے کی کوشش کرتی رہے، زبان درازی، بات بات پر لڑائی جھگڑا فساد برپا کرے تو ایسے حالات میں خاوند بھی ایک انسان ہے اسے غصہ آنا فطرتی عمل ہے۔ جہاں مرد کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ عورت کی تکلیف دہ باتیں سن کر صبر کرے وہاں عورت کے لئے بھی ضروری ہے کہ احتیاطی تدابیر کو مدنظر رکھے، اپنی برتری ثابت کرتے کرتے گھر کا سکون، چین، اولاد کا مستقبل تباہ و برباد نہ کر دے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما حضرت زبیر بن العوام کی چار بیویوں میں سے ایک تھیں (حضرت زبیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی ہیں) آپ فرماتی ہیں کہ ہم میں سے ایک نے انہیں اتنا زیادہ غصہ دلایا کہ انہوں نے ایک چھڑی سے مارا وہ چھڑی ٹوٹ گئی۔

بیہقی نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے روایت کی آپ فرماتی ہیں کہ مردوں کو عورتوں کے مارنے سے منع کیا گیا تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی (کہ عورتیں ہم پر بہت جرات کر رہی ہیں غالب آرہی ہیں) "فخلی بینھم و بین ضربھن ثم قال و لن یضرب خیارکم" تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلکی پھلکی سرزنش کی اجازت دے دی۔ لیکن اسکے بعد یہ بھی فرمایا کہ تم میں سے جو اچھے

لوگ ہوں گے وہ ہرگز نہیں ماریں گے۔ سبحان اللہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی خوب خبر دی کہ اچھے لوگ اپنی حکمت عملیہ سے ہی عورت کو اپنا بنائیں گے۔ انہیں مارنے کی ضرورت ہی درپیش نہیں آئے گی۔ ضمناً یہ بھی بتا دیا کہ مارنے والے اگرچہ جائز درجہ کی مار بھی کیوں نہ ماریں وہ اچھے لوگ نہیں ہوں گے۔

معمولی جھگڑے میں عورت کو نصیحت کرنے کے تین طریقے

والتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن فان اطعنکم فلاتبغوا علیھن سبیلا ان اللہ کان علیاً کبیراً (پ ۵)

اور وہ بیویاں کہ خوف کرتے ہو تم ان کی نافرمانی کا تو نصیحت کرو انہیں، اور چھوڑ دو انہیں خوابگاہوں میں (ان سے علیحدہ سو جاؤ) اور مار سکتے ہو تم ان کو، پس اگر اطاعت کرلیں وہ تمہاری تو نہ تلاش کرو ان پر راستہ بیشک اللہ ہے بڑائی بلندی والا۔

یعنی جب عورتیں تمہاری فرمانبرداری سے سر اٹھالیں، نافرمانی کرنے لگ جائیں تو سب سے پہلے ان کو زبان سے نصیحت کرو اور یہ کہو "اتقین اللہ و ارجعن عما انتن علیہ" اللہ سے ڈرو، یہ طریقہ چھوڑ دو سیدھی راہ پر آجاؤ۔

خیال رہے صاحب التیسیر نے تخافون کی تفسیر تعلمون سے کی ہے۔ یعنی جب تمہیں علم حاصل ہو جائے کہ یہ نافرمان ہو چکی ہیں۔ فقط خدشات کے پیش نظر کوئی ضروری نہیں البتہ اچھی نصیحت مستقبل کے لئے کوئی بری بات بھی نہیں۔ اگر زبانی نصیحت کا فائدہ نہیں ہو رہا تو دوسری نصیحت کرنے کا طریقہ رب قدوس نے یہ بیان فرمایا "واھجروھن فی المضاجع" ان سے علیحدہ ہو کر سو جاؤ، پیٹھ پھیر لو، یعنی مجامعت ترک کر دو، کچھ دیر کے لئے قطع تعلقی کر کے دیکھ لو، لیکن یہ قطع تعلقی صرف ان سے منہ پھیرنے، ترک مجامعت تک محدود رہے، ان کو گھر سے نکالنے کا حکم نہیں دیا گیا اور معمولی جھگڑے میں انہیں گھر سے نکالنا خاوند کی بے ہودگی، بدمزاجی، بد خلقی اور مروت سے دور ہونے پر دلالت کرے گا۔

اگر قطع تعلقی سے کوئی بھی فائدہ حاصل نہ ہو تو نصیحت کرنے کا تیسرا طریقہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا "واضربوھن" اور تم انہیں مار سکتے ہو۔ سبحان اللہ حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب ترجمہ کیا ہے کہ تم مار سکتے ہو۔ کیونکہ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ذکر کیا جا چکا ہے کہ اچھے لوگ پھر بھی ہرگز نہیں ماریں گے۔ اگرچہ ایسے حالات میں معمولی مار کر سیدھی راہ پر لانا جائز تو ہے لیکن ضروری نہیں بلکہ برداشت کرنا اس کے لئے بہتر ہے۔ (از روح المعانی)

حکایت:

ایک عابد کی زوجہ بہت سخت تھی مگر وہ صابر و شاکر تھا، اس سے نباہ کرتا تھا، بیوی کا انتقال ہو گیا اس نے عہد کیا کہ اب نکاح نہ کروں گا، وحدت میں (اکیلے ہی) زندگی گذاروں گا، دوستوں نے نکاح ثانی (دوسرے نکاح) کے لئے بہت کچھ کہا مگر وہ نہ مانا، بولا خدا خدا کر کے ایک ظالمہ سے مجھے نجات ملی ہے اور میں نے سکھ کا سانس لیا ہے اب دوبارہ کیوں مصیبت سر پر لوں، ایک دن اس نے خواب میں دیکھا کہ لگاتار فرشتے آسمان سے اتر رہے ہیں اور اسکی طرف اشارہ کر کے کہہ رہے ہیں کہ یہ شخص بڑا منحوس ہے۔ اس نے ان سے پوچھا تم نے میری نحوست کیا دیکھی۔ وہ بولے روزانہ تیرے اعمال مجاہدوں، غازیوں کے ساتھ لے جایا کرتے تھے کہ تو ناپسند بیوی کی سختیوں پر صابر تھا، اس عورت کے مرجانے کے بعد تیرے اعمال جانا بند ہو گئے۔ جب وہ صبح کو اٹھا تو دوستوں سے بولا جلد میرا نکاح کرو، مجھے نہیں خبر تھی کہ نکاح کی سختیاں جھیلنے پر یہ اجر ہے، نیک عورت اللہ کی رحمت ہے، بری اور سخت عورت درجات بڑھنے کا ذریعہ۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

چو مستور باشد زن خوب رو — بدیدار او در بہشت است شو
اگر پارسا باشد وخوش سخن — نگہ در نکوئی وزشتی مکن
چوں زن راہ بازار گیرد بزن — وگرنہ تو درخانہ بنشین چوزن

وہ شخص جس کی زوجہ خوبصورت باپردہ ہو، اس کے دیدار سے شوہر اپنے آپ کو جنت میں سمجھتا ہے۔ اگر زوجہ نیک اور اچھے اخلاق والی میسر ہو، تو اسکی خوبصورتی اور بدصورتی کو نہ دیکھو۔

جب تمہاری زوجہ بازاروں میں گھومنے والی بن جائے تو اسے مار کر (یا نصیحت کر کے) درست کرو، ورنہ خود عورت بن کر گھر میں بیٹھ جاؤ۔ (از نعیمی پ ۴، روح البیان)

اپنی زوجہ کی بد خلقی لوگوں کے سامنے بیان نہ کرے

حکایت:

ایک بزرگ کی اپنی بیوی سے ان بن رہتی تھی، کسی مرید نے اس جھگڑے کی وجہ پوچھی، انہوں نے فرمایا میرے گھریلو معاملات سے تمہیں کیا تعلق، میں جانوں میری بیوی جانے، تم پوچھنے والے کون ؟آخر طلاق کی نوبت آگئی انہوں نے طلاق دیدی، عورت نے بعد عدت دوسرے سے نکاح کرلیا۔مرید نے پوچھا حضرت اب تو بتا دیجئے کہ اس میں کیا خرابی تھی ؟فرمایا، اب وہ عورت کسی دوسرے کی ہو چکی، مجھے دوسروں کے عیب کھولنا حرام ہے، اسکی خدمت و صحبت کا حق بھی یہی ہے۔شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

شنیدم کہ مردان راہ خدا — دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ

ترا کے میسر شود ایں مقام — کہ با دوستانت خلاف است و جنگ

میں نے سنا ہے کہ اللہ کے مرد دشمنوں کا بھی دل نہیں دکھاتے، تجھے یہ مرتبہ کیسے مل سکتا ہے کہ تو تو اپنے دوستوں سے لڑتا جھگڑتا ہے، چمکتے ہوئے چاند پر کتا بھونکتا ہے، چاند اس کے کھلے ہوئے منہ میں بھی اپنا نور ڈال دیتا ہے، گویا کہ کہتا ہے کہ جو تیرے پاس ہے وہ تو دے، جو میرے پاس ہے وہ مجھ سے لے، تیرے پاس بھونکنا ہے اور میرے پاس چمکانا ہے۔(نعیمی ۴)

لڑائی جھگڑا کرنے والی عورت دنیا میں جہنم کا عذاب ہے

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں فرنگیوں کی قید میں آگیا، انہوں نے مجھے یہودیوں کے ساتھ طرابلس کی خندق کھودنے اور مٹی اٹھانے کے کام میں لگا دیا۔ وہاں سے حلب کے ایک سردار کا گذر ہوا جس کی میرے ساتھ پرانی جان پہچان تھی۔ اس نے دس دینار جرمانہ ادا کرکے مجھے آزاد کرالیا، حلب میں اپنے ساتھ لے آیا اور اپنی بیٹی کا نکاح میرے ساتھ کردیا۔ مہر ایک سو دینار مقرر ہوا۔ وہ عورت بہت بد خلق، بدمزاج تھی اس نے میرے ساتھ لڑنا جھگڑنا شروع کردیا۔ ایک دن کہنے لگی تو وہی نہیں جس کو میرے باپ نے دس دینار سے فرنگیوں کی قید سے آزاد کرایا تھا، آپ نے

فرمایا ہاں میں وہی ہوں جس کو دس دینار سے آزاد کر کے سو دینار میں تمہارا قیدی بنا دیا۔ شیخ سعدی نے فرمایا،

زن بد در سرائے مرد نکو ہمدریں عالم است دوزخ او

زینہار از قرین بد زنہار وقنا ربنا عذاب النار

بری عورت نیک آدمی کے گھر اسی دنیا میں دوزخ کا عذاب ہے۔ بچا برے ساتھی سے بچا، اے ہمارے رب ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

عورت اور مرد کے درمیان بڑے جھگڑے کو مٹانے کا طریقہ

و ان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ و حکما من اھلہا ان یرید ا اصلاحاً یوفق اللہ بینھما ان اللہ کان علیما خبیرا (پ ۵)

اگر ڈرو تم جھگڑے سے ان زوجین کے درمیان تو بھیجو ایک پنچ (جرگہ) خاوند کے گھر والوں سے اور ایک پنچ بیوی کے گھر والوں سے، اگر ارادہ کریں وہ دونوں اتفاق کا تو موافقت کر دے گا اللہ درمیان ان کے بیشک اللہ ہے جاننے والا خبردار۔

" حکماً " سے مراد عادل شخص، حسن سیاست کو جاننے والا ہو۔ ان دونوں کے درمیان صلح کرانے میں مخلص ہو۔ ایک شخص خاوند کے رشتہ داروں سے ہو، دوسرا زوجہ کے رشتہ داروں سے، کیونکہ وہ دونوں حالات سے زیادہ واقف ہوں گے، انکی محبت اور ناراضگی کی وجوہ کو جانتے ہوں گے، دونوں طرف کے حضرات بڑے خلوص سے کوشش کریں تاکہ ان کے درمیان صلح ہو جائے۔ اگر وہ نیک ارادے سے کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ بھی انہیں توفیق عطا فرمائے گا کہ وہ ان کے درمیان صلح کرا سکیں۔

ایک مرد اور ایک عورت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ہر ایک کے ساتھ لوگوں کی ایک جماعت تھی، آپ نے فرمایا، مرد اور عورت دونوں کی جانب سے ایک ایک منصف بھیج دو۔ پھر آپ نے دونوں منصف حضرات کو فرمایا تمہیں معلوم ہے تم پر کیا لازم ہے؟ تم پر یہ لازم ہے کہ اگر تم ان دونوں کے درمیان اتفاق چاہو گے تو اتفاق ہو جائے گا اور اگر تم ان دونوں کے درمیان تفریق کا ارادہ کرو گے تو تفریق ہو جائے گی۔ اس عورت نے کہا میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے احکام پر راضی ہوں، جو مجھ پر لازم ہیں یا جو حقوق مجھے دیئے گئے ہیں۔ اس کے بعد خاوند نے کہا جدائی تو میں

بھی نہیں چاہتا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تمہارا یہ کہنا کافی نہیں بلکہ تم بھی کہو کہ میں اللہ کے احکام پر راضی ہوں۔ جو مجھے حقوق حاصل ہیں یا مجھ پر جو ذمہ داریاں لازم ہیں میں ان پر راضی اور شاکر ہوں۔ (روح المعانی)

فائدہ:

جھگڑے یا جنگ و جدال کی تین قسمیں ہیں۔ اختلاف رائے کا جھگڑا و جنگ اسے اختلاف کہتے ہیں جیسے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام سے جھگڑا یا حضرت سارہ و ہاجرہ کا اختلاف، ذاتی عداوت کا جھگڑا جیسے عام جھگڑے و فساد اسے خلاف کہتے ہیں، مذہبی جھگڑے و جنگ جیسے مسلمانوں کا کفار سے لڑنا اسے جہاد کہتے ہیں۔ پہلی قسم یعنی اختلاف نہ کفر ہے نہ فسق بلکہ غلطی ہے اس کا حکم ہے منصفین مل کر صلح کرادیں، وہ ہی یہاں مراد ہے۔ دیکھو یہاں رب نے خاوند و بیوی کو فاسق نہ فرمایا بلکہ صلح کا حکم دیا۔ دوسری جگہ فرمایا ہے " وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما "اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو۔ یہ دوسری قسم کا جھگڑا فسق ہے۔ حضور فرماتے ہیں، قاتل اور مقتول (قتل کرنے والا اور جس کو قتل کیا گیا ہے) دونوں دوزخی ہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یہ ایک تو قاتل ہے، مقتول کا کیا حال ہے یعنی مقتول کیوں جہنمی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہر ایک دونوں میں سے ایک دوسرے کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ اور رب تعالیٰ نے فرمایا " ومن یقتل مؤمناً متعمداً فجزاؤہ جھنم " جو شخص مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے گا اسکی جزاء جہنم ہے۔ اور تیسری قسم کے جھگڑے و جنگ کا نام جہاد ہے جو عبادت ہے۔ حضرات صحابہ کرام کی آپس میں جنگیں پہلی قسم کی ہیں یعنی اختلاف۔ اسی لئے امیر معاویہ و حضرت علی رضی اللہ عنہما اور امام حسن و امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی آخر میں صلح ہو گئی لھذا وہ سب متقی ہیں (معاذ اللہ) کوئی ان میں فاسق نہیں۔ وہاں اختلاف رائے یہ تھا کہ امیر معاویہ و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کی رائے تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص مقدم ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ استحکام خلافت مقدم ہے، جب برادران یوسف علیہ السلام ہدایت کے تارے ہیں باوجود اس اختلاف کے تو حضور کے صحابہ بھی تارے ہیں اگرچہ آپس میں اختلاف

کریں۔

تنبیہ:
صفین وغیرہ کی جنگوں کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جناب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اپنا اپنا حکم (منصف، پنچ، جرگہ) بنا دیا۔ ان دونوں حضرات نے بہت کوشش کی لیکن یہ کسی ایک کو معزول کرنے اور دوسرے کو مکمل اختیار دلانے میں کامیاب نہ ہوسکے اور حال یہ ہو گیا کہ خلافت کی تقسیم کردی، عراق وغیرہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اور شام وغیرہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دارالخلافہ کوفہ مقرر ہو گیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دارالخلافہ دمشق مقرر ہوا۔ یہ جرگہ مقرر کرنے پر حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی فوج سے پچیس ہزار لوگ آپ کے مخالف ہو گئے تھے کہ علی اور معاویہ (رضی اللہ عنہما) دونوں مشرک ہو گئے ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انسان اپنے فیصلہ کرنے والے منتخب کرلئے حالانکہ رب تعالیٰ فرماتا ہے "ان الحکم الا للہ" اللہ کے بغیر کسی کا کوئی حکم نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے خدشات دور کرنے کے لئے اور ان کو سمجھانے کے لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بھیجا، آپ نے ان کے سوالات کو سننے کے بعد یہی آیۂ کریمہ بطور دلیل پیش کی کہ اللہ تعالیٰ نے خاوند اور بیوی کے اختلافات کو مٹانے کے لئے دونوں کے قبیلہ سے ایک ایک منصف مقرر کرنے اور ان کے درمیان صلح کرانے کا خود حکم دیا، اسلئے اتنے بڑے اختلافات کو مٹانے کے لئے حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کا اپنا اپنا منصف مقرر کرنا بالکل درست ہے اور قرآن پاک کے مطابق ہے۔ آپ کی یہ تقریر سن کر بیس ہزار خارجیوں نے توبہ کرلی اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے پھر مل گئے اور پانچ ہزار باقی رہ گئے تھے۔ ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کی تمام قتل کردئے گئے سوائے پانچ کے یہ ادھر ادھر بھاگ کر اپنی جان بچاگئے تھے۔

ان میں سے تین یعنی عبداللہ بن ملجم مرادی، برک بن عبداللہ تمیمی اور عمرو بن ابوبکر

تمیمی نے باہم معاہدہ کیا کہ ہم میں سے ایک ایک اسلام کے نامور شخصوں علی، معاویہ، عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہم) کو قتل کر دے۔ انہوں نے رمضان شریف کی سترہ تاریخ کو حملہ کا دن مقرر کیا۔ دوسرے دونوں اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکے لیکن ابن ملجم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر حملہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ آپ صبح کی نماز کے لئے لوگوں کو جگانے کے لئے گھر سے مسجد کی جانب روانہ ہوئے راستے میں اس نے چھپ کر آپ پر تلوار چلائی، آپکی پیشانی پر تلوار لگی جس نے دماغ تک زخمی کر دیا۔ اسکے بعد دو دن تک آپ ظاہری حیات میں رہے پھر آپ کا وصال ہوا۔

اسکے بعد ابن ملجم کو بھی قتل کر دیا گیا تھا۔ اب چار خارجی جو زندہ بچ گئے تھے انکی حقیقی یا معنوی ذریت ہی آج تک فتنہ و فساد میں مشغول ہے۔ کوئی صحابہ کرام پر معاذاللہ لعن و تشنیع کر رہا ہے اور کوئی حضرات حسنین کریمین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان کو کم کرنے کی ناپاک جسارت میں لگا ہوا ہے اور یزید منحوس کی شان کو برتر کر کے بیان کرنے اور اسکو جنتی بنانے میں ایڑی چوٹی کو زور لگا رہا ہے۔

اور کوئی اہل سنت و جماعت کا لبادہ اوڑھ کر بظاہر پیر بن کر مسلمانوں کو کافر بنانے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرنے میں لگا ہوا ہے۔ یہ سارے گروہ ان خارجیوں کی نسل ہیں۔ شیطان نے بھی آخر اپنا کام تو کرنا ہے انکے کفریہ عقائد کو ہی انکے سامنے مزین کر کے دکھا رہا ہے۔

(از روح المعانی، نعیمی، تاریخ الخلفاء)

خاوند اور بیوی کے حقوق

حقوق کی دو قسمیں ہیں بعض شرعی اور بعض اخلاقی ۔ حقوق شرعیہ وہ ہیں جن کے ادا نہ کرنے پر عدالت سے رجوع کیا جا سکتا ہے، حاکم جبراً وہ حقوق دلائے گا یا بعض حقوق کے ادا نہ کرنے پر نکاح فسخ کر دے گا۔ اور حقوق اخلاقیہ وہ ہیں جن کے ادا نہ کرنے پر عدالت سے رجوع نہیں کیا جا سکے گا البتہ اگر خاوند حقوق اخلاقیہ میں کمی کرے گا تو زوجہ کو بھی حق حاصل ہو گا کہ وہ بھی حقوق اخلاقیہ میں کمی کر دے تاکہ خاوند کو احساس ہو جائے۔

عورت کے حقوق خاوند پر

خاوند پر عورت کے حقوق شرعیہ واجبہ چار قسم کے ہیں:

(۱) کھانا جیسے خود کھائے ایسے زوجہ کو بھی کھلائے (۲) اپنی وسعت اور طاقت کے مطابق لباس مہیا کرنا اور جہاں تک ممکن ہو اسے آرام پہنچانا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے "لینفق ذو سعة من سعته" ہر شخص اپنی وسعت کے مطابق نفقہ دے یعنی طاقت والا طاقت کے مطابق، اور ارشاد فرمایا "وعلی المولود له رزقهن وکسوتهن بالمعروف" بچے کے باپ پر ان کی ماؤں کا رزق اور کپڑے لازم ہیں اچھے طریقے سے یعنی اپنی طاقت کے مطابق دے، غنی پر اسکی طاقت کے مطابق رزق اور کپڑے دینے لازم ہونگے اور غریب پر اسکی طاقت کے مطابق لازم ہونگے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا "ولهن علیکم رزقهن وکسوتهن بالمعروف" تم پر لازم ہے کہ اپنی اپنی بیویوں کا خرچ اور انکو کپڑے اپنی اپنی وسعت کے مطابق عطا کرو۔

خیال رہے کہ اگر عورت کو طلاق بھی دے دی جائے تو پھر بھی خرچہ عدت کے دوران خاوند پر ہی لازم ہے۔ عدت گذرنے کے بعد خاوند کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔

تنبیہ:

خاوند اگر خرچ بہت کم دے جو زوجہ اور بچوں کے جائز حقوق کو کافی نہیں ہو سکتا تو عورت خاوند کی اجازت کے بغیر اسکا مال اتنی مقدار میں لے سکتی ہے جس سے اسکی جائز

ضروریات پوری ہو سکیں۔ حضرت ھند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی یارسول اللہ میرے خاوند ابو سفیان کنجوس شخص ہیں مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے جو مجھے اور میرے بچوں کو کفایت کر سکے، کیا میں انکے علم کے بغیر ان کا مال لے لیا کروں؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خذی من مالہ بالمعروف ما یکفیک و یکفی بنیک" ہاں اتنا مال تم لے لیا کرو جو تمہیں اور تمہارے بچوں کو اچھے طریقے سے کافی ہو جائے۔

قابل توجہ:

عورت خرچہ لینے کی حقدار اس وقت ہے جب خاوند کے گھر رہے۔ عام طور پر عورت ناراض ہو کر ماں باپ کے گھر کئی کئی مہینے یا کئی کئی سال گذار دیتی ہے پھر اتنے سالوں کے خرچہ کا دعویٰ کیا جاتا ہے اس لایعنی طریقہ کار کا شریعت کے احکام سے کوئی واسطہ نہیں۔ صاحب ھدایہ نے کہا "و ان نشزت فلا نفقة لھا حتی تعود الی منزلہ" عورت اگر نافرمان ہو کر، اختلاف پیدا کر کے چلی گئی تو وہ خرچہ لینے کی اس وقت تک حقدار نہیں جب تک خاوند کے گھر لوٹ کر نہیں آجاتی۔

خاوند اگر زوجہ کو اپنے گھر چھوڑ کر چلا گیا، خود غائب ہو گیا تو زوجہ کو اسکے مال سے خرچہ دیا جائے گا۔

اگر اسکا مال کسی اور آدمی کے پاس ہو وہ اقرار کرے کہ یہ مال فلاں شخص کا ہے جو غائب ہو گیا تو قاضی اس مال سے بھی اس شخص کی زوجہ کو خرچہ دلائے گا۔ اگر اس شخص کا مال نہیں تو قاضی اس عورت کو قرض لینے کا حکم دے گا، وہ قرض لیکر اپنا خرچہ پورا کرتی رہے۔ اگر اس کا خاوند آجائے تو خرچہ اسی کے ذمہ ہو گا یعنی وہی قرض ادا کرے گا، اگر بالفرض وہ شخص لوٹ کر نہ آیا اور اسکا کوئی پتہ نہ چل سکا تو وہ قرض بیت المال ادا کرے گا۔ اگر خاوند اتنا زیادہ غریب ہو گیا کہ خرچہ ادا نہیں کر سکتا تو پھر بھی قاضی نکاح فسخ نہیں کر سکتا اور نہ ہی انکے درمیان تفریق کر سکتا ہے بلکہ اسکی زوجہ کو قرض لینے کے لئے کہا جائے گا۔

"و تفرض علی الزوج النفقة اذا کان موسرا و نفقة خادمھا" خاوند پر زوجہ اور اسکے ایک خادم کا خرچ لازم ہو گا جبکہ خاوند غنی ہو، خادم کا خرچہ برداشت کرنے کی اس میں

صلاحیت ہو اور اگر غریب ہو تو خادم کا خرچہ اسکے ذمہ نہیں ہوگا۔

(۳) عورت کو رہنے کے لئے مکان دینا خاوند کے ذمہ لازم ہے "وعلی الزوج ان یسکنہا فی دار مفردۃ لیس فیہا احد من اھلہ الا ان تختار ذالک" خاوند پر لازم ہے کہ زوجہ کو علیحدہ کمرہ دے جس میں اس کے گھر کا اور کوئی فرد نہ ہو۔ ہاں اگر زوجہ دوسرے حضرات کو اپنے کمرہ میں رہنے کی اجازت دے تو جائز ہے کیونکہ یہ اسکا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا " اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم " عورتوں کو وہاں رکھو جہاں خود رہتے ہو طاقت بھر۔ "و السکنیٰ بالملک او الاجارۃ او العاریۃ و اجبۃ اجماعاً" ٹھہرنے کے لئے مکان دینا خاوند پر واجب ہے بالاتفاق البتہ مکان عام ہے کرایہ پر لیا جائے، کسی سے مانگ کر لیا جائے یا ملکیت ہو۔

(۴) مرد پر لازم ہے کہ ایک مرتبہ کم از کم مجامعت کرے۔ اگر ایک مرتبہ بھی مجامعت نہ کرسکے تو قاضی نکاح کو فسخ کردے گا۔ و اذا کان الزوج عنیناً اجلہ الحاکم سنۃ فان وصل الیہا فبہا و الا فرق بینھما اذا طلبت المراۃ ذالک۔ جب خاوند نامرد ہو یعنی وطی نہ کرسکے تو حاکم ایک سال کے لئے اسے مہلت دے، اگر وہ جماع کرنے کے قابل ہوگیا، عورت سے مجامعت کرلی تو بہتر ورنہ قاضی انکے درمیان تفریق کردے لیکن شرط یہ ہے کہ اگر عورت تفریق کا مطالبہ کرے اور اگر عورت اسی حال میں خاوند کے پاس رہنا پسند کرے تو قاضی تفریق نہیں کرسکتا کیونکہ یہ عورت کا حق ہے۔

مسئلہ: مرد کو چاہیئے کہ کم از کم چار ماہ میں ایک بار اپنی بیوی سے ضرور صحبت کرے بلاوجہ عورت کو چھوڑ کر بہت دن سفر میں نہ رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو رات کے وقت یہ کہتے سنا کہ اگر رب کا خوف نہ ہوتا تو آج میری چارپائی سے آواز آتی ہوتی یعنی میں کسی مرد کو اپنے پاس سونے اور مجامعت کی اجازت دیتی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ عورت مرد کے بغیر کتنے دن صبر کرسکتی ہے۔ انہوں نے فرمایا چار ماہ حد درجہ چھ ماہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قانون جاری کیا کہ کوئی سپاہی چار ماہ سے زیادہ باہر نہ رہے اس مدت میں اسے ضرور چھٹی دی جائے۔ بلکہ زمانہ فاروقی میں حضرت کعب بن اسود اسدی نے ایک عابد و زاہد مرد کو حکم دیا کہ تین دن

تو شب بیداری (رات کو جاگنا) عبادت گذاری میں گذارو، چوتھے دن اپنی بیوی سے تعلق رکھو، انکی اس نیک صحت اور علمی کمال کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بصرہ کا حاکم مقرر فرمایا۔ (از ابتداء حقوق تا انتہاء۔ بخاری، مسلم، ھدایہ، فتح القدیر، شامی، درمنثور، نعیمی پ ۲)

خاوند پر زوجہ کے اخلاقی حقوق

عورت کے خاوند پر اخلاقی حقوق کثیر ہیں، ہر وہ حق جو حسن اخلاق میں آتا ہو وہ خاوند پر اخلاقاً لازم ہے اور ہر وہ قول و فعل جو بد مزاجی میں آتا ہو اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ اگر انسان زوجہ کو اپنے گھر کا ایک فرد سمجھے تو یقیناً تمام گھریلو جھگڑے، فساد ختم ہو جائیں لیکن بشرطیکہ وہ زوجہ بھی اپنے آپ کو یہی سمجھے کہ میں یہاں اجنبی نہیں بلکہ میں اس گھر کا ایک فرد ہوں۔ شریعت نے اسی وجہ سے زوجہ کے ماں باپ کو خاوند کے ماں باپ ہونے کا درجہ دیا ہے اور خاوند کے ماں باپ کو زوجہ کے ماں باپ ہونے کا درجہ دیا ہے۔ جب یہ بات دونوں کو سمجھ آجائے تو ساس اور بہو کے جھگڑے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ بہو کو ساس کی اتنی بات برداشت کرنی چاہیئے جتنی ماں کی برداشت کرتی ہے۔ اور ساس کو بہو کی اتنی بات برداشت کرنی چاہیئے جتنی وہ اپنی بیٹی کی برداشت کرتی ہے۔ مقام تعجب اور مقام افسوس یہی ہے کہ ہمارے معاشرہ میں ساس کو ماں نہیں سمجھا جاتا اور بہو کو بیٹی نہیں سمجھا جاتا۔ بات بات پر دنگا و فساد برپا کر دیا جاتا ہے۔ اکثر و بیشتر ساس اور بہو کی لڑائی سے ہی گھر برباد ہوتے نظر آتے ہیں۔ کاش آج کی ساس کو اتنا تو ہوش آئے کہ کل میں بھی کسی کی بہو تھی، آج کی بہو کو یہ تو سمجھنا چاہیئے کہ کل میں نے بھی تو کسی کی ساس بننا ہے۔ شریعت مطہرہ نے تو ساس کو ماں بنا کر شفقت کرنے کا حکم دیا اور بہو کو بیٹی بنا کر عزت و احترام کرنے کا حکم دیا۔ آج دونوں شریعت کے احکام سے دور ہو کر پریشانیوں کا شکار ہیں۔

خاوند پر اخلاقاً لازم ہے کہ وہ اپنی زوجہ کی ہر قسم کی تکلیف کو دور کرنے کی اپنی طاقت کے مطابق کوشش کرتا رہے۔ بیمار ہونے پر جتنا ہو سکے علاج کرائے۔ اسکے والدین کو اسکی ملاقات سے نہ روکے کیونکہ اس میں قطع رحمی ہے جو گناہ ہے۔ اسکے محرم آدمیوں

چچا، ماموں، بھائی، بھانجوں، بھتیجوں کو اسکے پاس آنے سے نہ روکے، البتہ اسکے ماں باپ ہر ہفتے میں ایک دن آسکتے ہیں۔ دوسرے رشتہ دار سال میں ایک مرتبہ آئیں تو بہتر لیکن اخلاقی طور پر وقت کا تعین نہیں۔ عام عادت کے مطابق اور ضرورت کے مطابق جب بھی یہ لوگ ملاقات کرنا چاہیں اسی وقت ملیں خاوند کو چاہیئے کہ وہ انہیں کشادہ روئی یعنی ہنس مکھ چہرے سے ملے۔ "وینبغی ان یاذن لھا فی زیارتھما فی الحین بعد الحین علیٰ قدر متعارف" (فتح القدیر) خاوند کو چاہیئے کہ وہ اپنی زوجہ کو اتنی دیر کے بعد اجازت دے کہ وہ اپنے والدین کو ملے جتنی دیر میں عام طور پر ملاقات کرنے کا رواج ہو یا عورت کی تمنا ہو۔ یقیناً شروع شروع میں عورت جلدی جلدی جانے کی تمنا کرتی ہے، عیال میں مشغول ہونے کے بعد خود ہی وہ کم جاتی ہے۔

زوجہ پر خاوند کے حقوق

زوجہ پر بھی دو قسم کے حقوق ہی ہیں ایک شرعیہ واجبہ اور دوسرے اخلاقاً لازم ہیں جن کے نہ ادا کرنے میں عدالت کی طرف رجوع نہیں ہوسکے گا۔

عورت پر حقوق واجبہ تین ہیں۔ (۱) عورت پر واجب ہے کہ مرد کو اپنے آپ پر قدرت دے یعنی اسے جماع سے نہ روکے جب تک کوئی شرعی عذر نہ ہو۔ حیض و نفاس سے پاک ہو، ایسی کوئی بیماری نہیں جس سے تکلیف ہو، مرض کے بڑھنے کا خطرہ ہو، ہاں اگر کوئی عذر ہو تو اسے روکنے کا حق حاصل ہے بلا عذر روکنا منع ہے۔

○ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اذا دعا الرجل امراتہ الی فراشہ فلبت فبات غضبان لعنتہا الملائکۃ حتیٰ تصبح" (بخاری، مسلم، مشکوۃ باب عشرۃ النساء)

جب مرد عورت کو اپنے بستر پر بلائے اور عورت (بغیر عذر کے) انکار کر دے اور خاوند رات ناراضگی میں گذارے تو اس زوجہ پر فرشتے صبح تک لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔

○ دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کوئی مرد ایسا نہیں کہ وہ اپنی زوجہ کو اپنے بستر پر بلائے تو وہ انکار کر دے مگر یہ کہ اس عورت پر اللہ تعالیٰ اس وقت تک ناراض رہتا ہے جب تک وہ اپنے خاوند کو راضی نہ کرے۔

○ حضرت طلق بن علی سے مروی ہے آپ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اذا الرجل دعا زوجته لحاجته فلتاته وان كانت على التنور" (ترمذی، مشکوۃ باب عشرۃ النساء)

جب خاوند اپنی زوجہ کو اپنی حاجت کے لئے بلائے وہ فوراً اس کے پاس آجائے خواہ تنور پر ہی کیوں نہ ہو۔ یعنی اگر وہ روٹیاں پکا رہی ہو اور روٹیوں کے جل جانے کا بھی خطرہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ روٹیوں کو جلنے دے اسلئے کہ مال بھی خاوند کا ہی ہے اور وہی اپنی حاجت کے لئے بلا رہا ہے گویا کہ وہ اپنے مال کے ضائع ہونے پر رضامند ہے۔ (مرقات)

○ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کوئی عورت اپنے خاوند کو دنیا میں تکلیف نہیں پہنچاتی مگر یہ کہ جنتی حوریں کہتی ہیں، لا تؤذيه قاتلكِ الله فانما هو عندك دخيل يوشك ان يفارقكِ الينا (ترمذی، ابن ماجہ، مشکوۃ باب عشرۃ النساء)

اللہ تمہیں برباد کرے تم اسے نہ ستاؤ یہ تمہارے پاس مہمان کی حیثیت سے ہے عنقریب ہی تمہیں چھوڑ کر ہمارے پاس آنے والا ہے۔

وضاحت حدیث:

قاتلک اللہ کا معنی ہے اللہ تم پر لعنت کرے، اللہ تمہیں جنت سے دور رکھے۔ جو معنی راقم نے تحریر کیا ہے، اللہ تمہیں برباد کرے یہ معنی دونوں کو شامل ہے۔

جنتی حوروں کا یہ کہنا کہ یہ تمہیں چھوڑ کر ہمارے پاس آکر ہمارا مہمان بننے والا ہے۔ اسی طرح پہلی حدیث میں فرشتوں کے لعنت کرنے کا جو ذکر کیا گیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ آسمانی مخلوق دنیا والوں کے اعمال پر مطلع ہوتی ہے۔ (مرقات)

○ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "المراة اذا صلت خمسها و صامت شهرها و احصنت فرجها و اطاعت بعلها فلتدخل من اى ابواب الجنة شاءت" (ابو نعیم، مشکوۃ باب عشرۃ النساء)

عورت جب پانچ نمازیں ادا کرے اور ایک ماہ (رمضان شریف) کے روزے رکھے اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرے اسے اجازت ہوگی جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔

اس حدیث پاک سے یہ واضح ہوا کہ مذکورہ بالا صفات رکھنے والی عورت کو جنت میں داخل ہونے سے کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی اور جنت میں پہنچنا اور جنت حاصل کرنا اسکے لئے آسان ہوگا۔ (مرقات)

○ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی یہ ہے "لو کنت آمر احداً ان یسجد لاحد لامرت المراۃ ان تسجد لزوجھا" (ترمذی، مشکوۃ باب عشرۃ النساء)

اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ کسی ایک کو (اللہ تعالیٰ کے بغیر) وہ سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

سجدہ بہت زیادہ عاجز ہونے اور مطیع ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اسی لئے سجدہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی اور کو جائز نہیں۔ حدیث پاک سے یہ واضح ہوا کہ عورت پر خاوند کے بہت حقوق ہیں جن کا شکریہ ادا کرنے سے وہ قاصر ہے۔ اور یہ واضح ہوا کہ عورت کو خاوند کی بہت زیادہ فرمانبرداری کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

فائدہ:

اگر غیر خدا کو معبود سمجھ کر سجدہ کیا گیا تو یہ شرک اور کفر ہے۔ اور اگر معبود سمجھ کر سجدہ نہیں کیا گیا بلکہ تعظیم کے لئے سجدہ کیا گیا تو یہ حرام ہوگا لیکن کفر نہیں ہوگا۔ ایسا سجدہ کرنے والے کو فاسق تو کہا جاسکے گا لیکن مشرک نہیں کہا جاسکے گا۔

قال قاضیخان ان سجد للسلطان ان کان قصدہ التعظیم و التحیۃ دون العبادۃ لا یکون ذالک کفراً (قاضیخان، مرقات) قاضیخان رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے اگر کوئی شخص بادشاہ کو تعظیم کے ارادہ سے سجدہ کرے وہ سجدہ عبادت کے ارادہ سے نہ ہو تو یہ کفر نہیں۔ اگرچہ حرام ہوگا بہت بڑا گناہ ہوگا، ایسا سجدہ کرنے والا بھی فاسق و فاجر ہوگا۔

تنبیہ: عورت کا مہر (حق مہر) اگر خاوند نے ادا نہیں کیا تو اس وجہ سے عورت نے خاوند کو اپنے قریب آنے (مجامعت کرنے) سے منع کر دیا تو یہ اس کا حق ہے وہ منع کر سکتی ہے۔

وللمراۃ ان تمنع نفسہا حتیٰ تاخذ المہر و تمنعہ ان یخرجہا (ہدایہ) عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے نفس پر خاوند کو قادر ہونے سے منع کردے یہاں تک کہ وہ اپنا مہر لے

لے اور عورت کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ خاوند کے ساتھ کہیں سفر میں جانے سے انکار کر دے کہ پہلے میرا مہر ادا کرو پھر میں تمہارے ساتھ جاؤں گی، ہاں اگر مہر ادا کرنے کے لئے ایک خاص وقت تک مہلت طلب کر رکھی ہے تو اس وقت سے پہلے عورت مطالبہ نہیں کر سکتی۔

مہر کی حد

مہر کی کم از کم حد شریعت نے دس درہم مقرر کی ہے یعنی دو تولے سات ماشے چار رتی چاندی یا اسکی قیمت۔ اب نئے اوزان میں تقریباً اکتیس گرام وزن ہے۔ تقریباً کا لفظ اسلئے تحریر کیا ہے کہ اصل میں یہ دو تولے سات ماشے سات رتی کا وزن ہے۔ جس طرح چاندی کی قیمت کم یا زیادہ ہو گی اسی طرح مہر کی رقم میں کمی بیشی ہوتی رہے گی۔ معلوم نہیں کس وقت بتیس روپے دس آنے کا حساب لگایا گیا تھا وہ آج تک جہلاء میں مشہور ہے کہ مہر کی رقم آج بھی یہی ہے، یہ بالکل غلط ہے۔

مہر کی زیادہ حد شریعت نے نہیں مقرر کی جتنا ادا کرنے کی طاقت ہو، مشکل درپیش نہ آئے اتنی مقدار میں مہر مقرر کرنا چاہئے عورت کا اعزاز ہے۔ لوگ ہزاروں روپے شادی پر خرچ کر دیتے ہیں مہر کی رقم کی بات آتی ہے تو کہتے ہیں کہ شرعی مہر مقرر کر دو، یہ عورت کی حق تلفی ہے۔ حق یہی ہے کہ جتنا آسانی سے ادا کر سکے اتنا مہر مقرر کر کے عورت کو اعزاز بخشا جائے۔ ہاں یہ بھی غلط ہے کہ پچاس ہزار، ایک لاکھ روپے مقرر ہو گئے لیکن یہ مہر ساری عمر ادا نہ ہوا خاوند مقروض رہا، یہ طریقہ بھی غیر شرعی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں اور بیٹیوں کے مہر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، خبردار عورتوں کا مہر بہت زیادہ نہ مقرر کرو (یعنی اتنا زیادہ کہ تمہیں ادا کرنے کی طاقت ہی نہ ہو) اگر اتنا زیادہ مہر دنیا میں، قابل تعریف اور آخرت میں تقوی کی زیادتی کا سبب ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تم سب سے بہتر تھے، حالانکہ مجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکح شیئا من نسائہ ولا انکح شیئا من بناتہ علی اکثر من اثنتی عشرۃ اوقیۃ (مسند احمد، ترمذی، ابو داؤد، نسائی،

دارمی، مشکوٰۃ باب الصداق) اپنا نکاح کرتے ہوئے اپنی ازواج کا مہر یا اپنی بیٹیوں کا نکاح کر کے دینے میں انکا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ مقرر فرمایا ہو۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ تھا۔اوقیہ کا وزن چالیس درھم ہے ساڑھے بارہ اوقیہ کا وزن پانچ سو درہم ہے۔دس درھم پہلے بیان ہو چکا ہے کہ وہ وزن دو تولے سات ماشے چار رتی ہے۔

فائدہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زوجہ مطہرہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر چار ہزار درہم مقرر ہوا تھا لیکن وہ حبشہ میں تھیں اس نکاح کے وکیل حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ تھے جو حبشہ کے حاکم تھے، یہ مہر انہوں نے ہی مقرر کیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے یہ مہر خود ہی ادا کیا تھا۔

تنبیہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس زیادتی سے منع کیا گیا ہے جو ادا کرنے کی طاقت نہ ہو تمام عمر ادا نہ ہو اور عورت معاف بھی نہ کرے، اس کا خاوند مقروض ہونے کے حال میں فوت ہو جائے، یہ طریقہ ایک شخص کو گنہگار کرنے کا سبب ہے ورنہ مطلقاً زیادتی منع نہیں۔ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زیادہ مہر نہ مقرر کرو، آپ نے حد مقرر فرمادی کہ چار سو درھم سے زیادہ نہ مقرر کیا جائے، ایک عورت نے کہا اے عمر تم ہمیں اس چیز سے روک رہے ہو جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی، یہ کہتے ہوئے اس عورت نے اپنے مؤقف پر بطور دلیل یہ آیت کریمہ پیش کی،

و ان اردتم استبدال زوج مکان زوج و آتیتم احدھن قنطاراً فلا تاخذوا منہ شیئاً (پ ۴) اور اگر ارادہ کرو تم بدلنا ایک بیوی کا بجائے دوسری بیوی کے اور دے چکے ہو تم ان میں سے ایک کو ڈھیروں مال تو نہ لو اس میں سے ا!!۔

اس عورت کی دلیل کا مطلب یہ تھا کہ رب تعالیٰ نے تو ڈھیروں مال کا ذکر فرمایا ہے کوئی حد مقرر نہیں فرمائی، زیادتی سے منع نہیں کیا مقصد تو ادا کرنے کی طاقت کا ہے تم حد کیوں مقرر کر رہے ہو۔ کئی لوگ ایسے بھی ہوں گے جو اس سے بھی زیادہ ادا

کر سکیں گے، جو آسانی سے ادا کر سکتے ہوں انکو اجازت ہو وہ جتنا مہر چاہیں مقرر کریں، یہ حد مقرر کر کے عورتوں کو رب تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمت سے محروم کرنا ہے۔ عورت نے جب اپنے مؤقف پر دلیل قائم کر دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، امیر غلطی پر ہے اور یہ عورت حق پر ہے۔ (کبیر، مدارک، روح المعانی، خازن) آپ نے حد مقرر کرنے کا فیصلہ منسوخ کر دیا۔ اس تمام بحث سے واضح ہوا کہ مہر ہلکا پھلکا طاقت کے مطابق مقرر ہو لیکن صرف دس درھم جو شریعت نے کم از کم حد مقرر کی ہے اسی کو حرف آخر نہ سمجھا جائے۔

(۲) زوجہ پر خاوند کا دوسرا حق یہ ہے کہ شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے کہیں باہر نہ جائے۔ ہاں اگر زوجہ نے خاوند کی اجازت سے دایہ بننے کے لئے کسی سے معاہدہ کر لیا یا کسی کے کپڑے وغیرہ دھونے کے لئے معاہدہ کر لیا تو اب وہ عورت خاوند کی اجازت کے بغیر وہ کام بجا لا سکتی ہے کیونکہ خاوند پہلے اجازت دے چکا ہے۔ اگر عورت پر حج فرض ہو تو خاوند کی اجازت کے بغیر کسی محرم آدمی کے ساتھ حج کے لئے جا سکتی ہے۔ اجنبی لوگوں ر [illegible] ر پرسی کے لئے یا انکی زیارت کے لئے یا ایسے ولیمہ میں جہاں مرد، عورت سب ایک جگہ جمع ہوں، پردے کا کوئی انتظام نہ ہو ایسی جگہ عورت کا خاوند کی اجازت کے بغیر جانا بھی ناجائز اور خاوند کا اجازت دینا بھی ناجائز "ولو اذن وخرجت کانا عاصیین" اگر خاوند کی اجازت سے عورت اجنبی لوگوں کی محافل میں گئی تو خاوند اور بیوی دونوں گنہگار ہیں۔ خاوند غیر شرعی چیز کی اجازت دیکر اور عورت غیر شرعی محافل میں شریک ہو کر، اجنبی لوگوں سے گپ شپ لگا کر، ہاتھ ملا کر گناہوں کا پتلا بن گئی۔

(۳) تیسرا حق زوجہ پر خاوند کا یہ [illegible] سی اجنبی کو گھر نہ آنے دے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لا یخلون رجل بامراۃ الا کان ثالثھما الشیطان" (ترمذی، مشکوۃ باب النظر الی المخطوبۃ) کوئی مرد کسی اجنبی عورت سے ہرگز علیحدہ ہو کر نہیں بیٹھے گا مگر وہاں تیسرا شیطان ہو گا۔ یعنی شیطان ان دونوں کے ساتھ ہو گا اور خواہشات پر دونوں کو ابھارے گا، جس کی وجہ سے وہ دونوں بدکاری جیسے عظیم جرم میں مبتلا ہوں گے۔

آج کے دور میں دل کے صاف ہونے کے دعویدار دفاتر میں اجنبی مرد اور عورت بند کمرے میں ایک دوسرے کے سامنے کرسیوں پر براجمان ہیں۔ ذرا دل کی گہرائیوں سے سچ تو بتائیں کہ ان کا کیا حال ہوتا ہے۔ کیا فرمان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹا ہوسکتا ہے ہرگز نہیں ہوسکتا۔ یقیناً دفاتر جہاں مردوں، عورتوں کا اختلاط ہے اور ہسپتال شیطان کی آماجگاہیں ہیں، جہاں ہمہ وقت شیطان کا بسیرا ہو وہاں خیر کی توقع کیا ہوسکتی ہے۔

عورت پر خاوند کے اخلاقی حقوق

عورت پر اخلاقی حقوق بھی خاوند کے اخلاقی حقوق کی طرح ہیں۔ ہر وہ کام جو عورت کی خوش مزاجی اور خاوند کی تابعداری اور سلیقہ شعار ہونے پر دلالت کرے وہ اخلاقاً اسکے ذمہ لازم ہے۔ کھانا پکانا، کپڑے دھونا، گھر کی صفائی وغیرہ یہ ایسے کام ہیں جن سے عورت کے سلیقہ شعار ہونے یا سست اور گندہ ہونے کا پتہ چلتا ہے، یہ اسی وقت ہوسکے گا جب عورت خاوند کے گھر کو اپنا گھر سمجھے، زندگی بھر وہاں رہنے کا پکا ارادہ رکھے۔

نبی کریم علیہ السلام کا اپنی عورتوں کو خوش رکھنے کا انداز

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھیں، آپ فرماتی ہیں:

فسابقته علیٰ رجلی فلما حملت اللحم سابقته فسبقنی قال ھذہ بتلک السبقة (ابو داؤد، مشکوۃ باب عشرۃ النساء)

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیدل دوڑ میں مقابلہ کیا تو میں غالب آگئی پھر جب مجھ پر موٹاپا آگیا تو کسی دوسرے سفر میں ایک مرتبہ پھر دوڑ میں مقابلہ ہوا اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر غالب آگئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج کی دوڑ پہلی دوڑ کے برابر ہوگئی۔ یعنی پہلے تم آگے نکل گئی تھیں آج میں اسلئے باری اتر گئی معاملہ برابر ہوگیا۔

اس حدیث پاک سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ازواج سے حسن سلوک اور ان کو خوش رکھنے کے لئے اس قسم کے طریقہ پر عمل کرنا آپ سے ثابت ہے۔

فائدہ:

گھوڑوں کو مقابلہ میں دوڑانا، اونٹوں کی دوڑ میں مقابلہ کرانا، تیراندازی میں مقابلہ کرنا، پیدل دوڑ میں مقابلہ کرنا جائز جبکہ کوئی شرط نہ لگائی جائے۔ اگر ایک طرف سے شرط لگائی جائے پھر بھی جائز ہے۔ جیسے کوئی شخص دوسرے کو کہے آؤ میرے ساتھ دوڑ میں مقابلہ کرو اگر تم مجھ سے سبقت لے گئے تو میں تمہیں اتنا انعام دوں گا۔ میں سبقت لے جاؤں تو مجھے کچھ نہ دینا۔ اسی طرح اگر تیسرا آدمی دو شخصوں میں مقابلہ کراتا ہے کہ تم دونوں میں سے جو غالب آگیا میں اسے انعام دوں گا یہ بھی جائز ہے۔ ہاں البتہ ایک صورت ناجائز ہے جب دونوں طرف سے شرط لگائی جائے جیسے یہ کہا جائے تم غالب آجاؤ تو میں اتنے پیسے دوں گا اور اگر میں غالب آجاؤں تو تم دوگے۔ (مرقات، قاضیخان)

خیال رہے ہر کھیل خواہ کرکٹ ہو یا ہاکی، کبڈی ہو یا بیڈمنٹن ہاسکا یہی حکم ہے۔ لیکن وہ کھیل جائز ہوگا جس میں کھیلنے والے کا جسم ناف سے لیکر گھٹنے تک ڈھانپا ہوا ہو۔ اگر اس کے جسم سے کوئی حصہ ننگا ہوگا تو کھیلنے والا اور اس کھیل کو دیکھنے والا حرام کا مرتکب ہوگا، شدید گنہگار ہوگا، فاسق و فاجر ہوگا۔ اگر اسی طرح نمازوں کے اوقات میں کھیل کھیلے جائیں، کھیلنے والوں کی نمازیں ادا نہ ہو سکیں اسی طرح دیکھنے والے بھی اپنی نمازیں ضائع کر دیں تو نمازوں کے ضائع کرنے کی وجہ سے سب گنہگار ہوں گے۔

جس کھیل کو مرد عورتیں مل کر دیکھ رہے ہوں اس اختلاط کی وجہ سے وہ کھیل بھی حرام ہوگا۔ عورتوں کا کھلاڑیوں کی خدمت گذاری پر مقرر کرنا بے حیائی ہے۔

○ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لڑکیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو وہ شرم و حیا کی وجہ سے چھپ جاتیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انکے پیچھے جاتے تاکہ وہ انکے ساتھ آکر کھیلیں۔ (بخاری، مسلم، مشکوۃ باب عشرۃ النساء)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح چھوٹی عمر میں ہوا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت آپ کی عمر اٹھارہ برس تھی۔ اس حدیث پاک سے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن سلوک کی وضاحت ہوتی ہے۔

○ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "واللہ لقد رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقوم علی باب حجرتی والحبشۃ یلعبون بالحراب فی المسجد ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یستترنی بردائہ لانظر الی لعبھم بین اذنہ وعاتقہ ثم یقوم من اجلی حتی اکون انا التی انصرف فاقدروا قدر الجاریۃ الحدیثۃ السن الحریصۃ علی اللھو
(بخاری، مسلم، مشکوۃ باب عشرۃ النساء)
قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حجرہ کے دروازہ پر کھڑے دیکھ رہی تھی ایسے حال میں کہ حبشہ کے لوگ مسجد میں آلات جنگ سے کھیل پیش کر رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر سے مجھے چھپا لیا میں بھی آپ کے کندھے اور کانوں کے درمیان سے ان کے کھیل کو دیکھنے لگی۔ ان کے کھیل ختم ہونے پر بھی آپ میرے ازخود واپس لوٹنے کا انتظار فرماتے رہے۔ تم خود ہی اندازہ کرلو کہ ایک چھوٹی لڑکی کو کھیل سے کتنی دلچسپی ہو سکتی ہے۔

وضاحت حدیث:

"الحراب" کا معنی چھوٹا نیزہ جنگ میں کام آنے والا۔ "فی المسجد" سے مراد دو معنی ہو سکتے ہیں کہ مسجد کے ساتھ کسی کشادہ جگہ میں وہ کھیل پیش کر رہے ہوں۔ عام طور پر اہل عرب مجاور کا نام مجاور (متصل جگہ کا نام دوسری متصل جگہ) کو مجازاً دے دیتے ہیں۔ دوسرا معنی یہ بھی ممکن ہے کہ مسجد کے اندر ہی وہ کھیل پیش کر رہے ہوں بلکہ یہی معنی لینا زیادہ مناسب بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ حقیقی معنی مراد لینے میں کوئی دشواری نہیں۔ مسجد میں کھیلنے سے انہیں اس لئے منع نہیں کیا گیا تھا کہ وہ جنگی آلات سے کھیل پیش کر رہے تھے جس سے درحقیقت مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے جہاد کرنے کے لئے تیار کرنا مقصود تھا۔ اسی وجہ سے "فصار عبادۃ بالقصد کالرمی قال تعالیٰ جل جلالہ واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ" یہ فعل عبادت بن گیا۔ جس طرح تیراندازی کی مشق کا رب تعالیٰ کے حکم کے مطابق عبادت ہونا ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ان (کفار) کے مقابلہ کے لئے جتنا ہو سکے تیراندازی کی مشق کرکے تیاری کرو۔

"واما النظر الیھم فالظاہر انہ کان قبل نزول الحجاب" لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان لوگوں کے کھیل کی طرف دیکھنے کی اجازت دینا یہ حجاب (پردہ) کے حکم نافذ ہونے سے پہلے کا ہے۔

اس طرح کی احادیث کو اپنا موقف ثابت کرنے کے لئے فواحش مادر پدر آزاد، شرم وحیا سے آزاد، دین سے آزاد کا پیش کرنا ایسا ہی ہوگا جیسے شرابی صحابہ کرام کے اس وقت کے شراب پینے والی احادیث کو پیش کرے جبکہ شراب کی حرمت کا قطعی حکم نافذ نہیں ہوا، یہ دین سے بے خبری یا دین اسلام سے بغاوت ہے۔

اس حدیث پاک سے یہ واضح ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو معمولی کھیل دکھا کر واپس حجرہ میں لوٹ جانے کا حکم نہیں دیا بلکہ اس وقت تک آپ کھڑے رہے جب تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود نہیں لوٹیں بلکہ آپ کا زیادہ دیر کھڑے رہنا بھی واضح ہو رہا ہے کہ کھیل کے ختم ہونے کے بعد بچے وہاں ہی کھڑے رہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ تم خود ہی اندازہ کرو کہ بچوں کو کھیل سے کتنی محبت ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن سلوک ازواج کے ساتھ پیار و محبت کی درخشاں مثالیں احادیث کے سفید اوراق میں سنہری الفاظ سے موتیوں کی طرح جگمگا رہی ہیں۔

○ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے، حبب الی من الدنیا ثلاث الطیب و النساء و جعل قرۃ عینی فی الصلوۃ (مرقاۃ باب بدء الخلق)

مجھے دنیا میں تین چیزوں سے محبت ہے خوشبو سے، اپنی بیویوں سے اور نماز میں تو میری آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے۔

واضح ہوا کہ اپنی بیویوں سے محبت رکھنا، انکو ہر جائز طریقہ سے خوش رکھنا سنت نبوی ہے۔

معمولی رنجش سے بچنا ممکن نہیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک مجھے معلوم ہو جاتا ہے جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو یہ کس طرح معلوم ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا، اذا کنت عنی راضیۃ فانک تقولین لا و رب محمد و اذا کنت علی غضبیٰ قلت لا و رب

ابراھیم قالت قلت اجل و اللہ یا رسول اللہ ما اھجر الا اسمک (بخاری، مسلم، مشکوۃ باب عشرۃ النساء)

جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو تو کہتی ہو رب محمد کی قسم اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو رب ابراھیم کی قسم۔ آپ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ہے تو ایسے ہی لیکن میں صرف آپ کا نام ہی چھوڑتی ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پوچھنے کا مطلب یہ تھا کہ آپ فرمائیں آپ کو کیسے علم ہوتا ہے وحی کے ذریعے یا کشف کے ذریعے یا عقل و فراست سے یا کچھ علامات سے۔ آپ کے جواب کا مقصد یہ تھا کہ علامات پائی جاتی ہیں پھر عقل و فراست اس پر دلالت کرتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی دنیاوی معاملات کی وجہ سے ہوتی تھی جنکا تعلق زوجیت اور معاشرتی زندگی سے ہوتا تھا۔ آپ کا یہ کہنا کہ میں صرف آپ کا نام چھوڑتی ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ میں غصہ، ناراضگی، پریشانی میں آپ کے نام کو چھوڑنے پر تو طبعاً بعض اوقات مجبور ہو جاتی ہوں لیکن دل میں محبت اپنی جگہ برقرار رہتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا "ما اھجر" کہنا اور "ما اترک" نہ کہنا بھی اس پر دلالت کر رہا ہے کہ میں آپ کے نام کو بھی اپنے اختیار سے نہیں چھوڑتی بلکہ انسان کی عادت ہے کہ غصہ، پریشانی میں وہ بے اختیار ہو جاتا ہے۔ میرا آپ کے نام کو چھوڑنا بھی بے اختیار ہوتا ہے۔

○ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کرنے لگے، ان سے پہلے بھی آپ کے دروازے پر لوگ بیٹھے ہوئے تھے کسی ایک کو اجازت نہیں دی گئی تھی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اجازت دے دی گئی آپ اندر چلے گئے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگئے آپ نے اجازت طلب کی آپ کو بھی اجازت دے دی گئی، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد آپکی بیویوں کو بیٹھے ہوئے اور آپکو غم کی حالت میں خاموش پایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میرے دل میں خیال آیا کہ میں کوئی ایسی بات کروں جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائیں۔ پھر آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کا اسکے متعلق کیا خیال ہے کہ اگر بنت خارجہ (حضرت عمر رضی اللہ

عنہ کی زوجہ) مجھ سے زیادہ نفقہ طلب کرے تو کیا میں کھڑے ہو کر اسکی گردن دبوچ دوں، (یہ سنکر) حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور آپ نے فرمایا، یہ میرے گرد میری ازواج جنہیں تم دیکھ رہے ہو یہ مجھ سے زیادہ نفقہ طلب کر رہی ہیں۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سن کر) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اٹھے آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گردن سے دباتے ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حضور کی بیوی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو گردن سے دباتے ہوئے کہا کیا تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چیز (زیادہ خرچ) کا مطالبہ کر رہی ہو جو آپ کے پاس نہیں۔ تو اس معاملہ کے بعد ازواج مطہرات نے کہا قسم ہے اللہ تعالیٰ کی ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی اس چیز کا مطالبہ نہیں کریں گی جو آپ کے پاس نہیں۔ ثم اعتزلھن شھراً او تسعاً و عشرین "پھر بھی آپ نے اپنی ازواج مطہرات سے ایک مہینہ یا انتیس دن تک ناراضگی رکھی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آیۂ کریمہ یایھا النبی قل لازواجک (تا) للمحسنات منکن اجراً عظیماً (پ ۲۱) نازل فرمائی۔ (ترجمہ) اے غیب بتانے والے (نبی) اپنی بیبیوں سے فرما دے اگر تم دنیا کی زندگی اور اسکی آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں مال دوں اور اچھی طرح چھوڑ دوں اور اگر تم اللہ اور اسکے رسول اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو بیشک اللہ نے تمہاری نیکی والیوں کے لئے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

یہ واقعہ جب در پیش آیا اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نو ازواج مطہرات تھیں (چار سے زائد عورتیں ایک وقت میں رکھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت، اور کسی شخص کے لئے آپ کی امت میں جائز نہیں) پانچ قریشیہ حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق، حضرت حفصہ بنت عمر فاروق، ام حبیبہ بنت ابی سفیان، ام سلمہ بنت ابی امیہ، سودہ بنت زمعہ۔ اور چار غیر قریشیہ تھیں زینب بنت حجش اسدیہ، میمونہ بنت حارث ہلالیہ، صفیہ بنت حیی ابن اخطب خیبریہ، جویریہ بنت حارث مصطلقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔ (خزائن العرفان)

جب یہ آیات نازل ہوئیں (جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آپ اپنی ازواج کو اختیار دے دیں چاہیں تو اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کا

گھر پسند کرلیں یعنی آپ کے پاس جتنا خرچ ہو وہ لے لیں زیادتی کا مطالبہ نہ کریں اور چاہیں تو دنیا کے مال کو پسند کرلیں (رب تعالیٰ نے فرمایا میں آپ کو اتنا مال بھی دے دوں گا جو آپ ان کو زیادہ سے زیادہ خرچ دے سکیں گے، آپ انکو کہہ دیں) کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں مال دے دیتا ہوں پھر تمہیں اچھی طرح آزاد کردوں گا) تو سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا، اے عائشہ میں چاہتا ہوں کہ میں تمہیں تمہارے اپنے معاملہ کا اختیار دے دوں لیکن اس معاملہ میں جلدی نہ کرنا بلکہ اپنے والدین سے مشورہ کرلینا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا یارسول اللہ وہ کیا اختیار ہے تو آپ نے یہ آیات پڑھ کر سنائیں تو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا میں آپ کے بارے میں اپنے والدین سے مشورہ کروں؟ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا بلکہ میں اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول اور آخرت کے گھر کو ہی پسند کرتی ہوں، ساتھ ہی یہ عرض کیا کہ آپ اپنی دوسری ازواج کو میرے متعلق خبر نہ دیں کہ میں نے کیا کہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام ازواج میں سے کوئی بھی مجھے میرے خبر دینے پر سوال نہیں کرے گی (یعنی کوئی یہ سوال نہیں کرے گی کہ میں انہیں آزاد کردوں) کیونکہ رب تعالیٰ نے مجھے متشدد یعنی کسی کے لئے سختی طلب کرنے والا اور کسی کی ذلت طلب کرنے والا نہیں بنایا بلکہ معلم اور لوگوں کے معاملات آسان کرنے والا اور بشارت دینے والا بنایا ہے۔ (بخاری، مسلم، مشکوۃ باب عشرۃ النساء، خزائن العرفان)

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دوسرے صحابہ کرام سے بلند مرتبہ رکھتے ہیں کہ انکو ہی صرف اجازت دی گئی دوسرے حضرات کو آپ کے پاس جانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ یہ واقعہ بھی پردے کی آیات نازل ہونے سے پہلے کا ہے "لعل ھذا قبل نزول الحجاب" (مرقاۃ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غم اور پریشانی کی وجہ سے دوسرے حضرات کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہیں دی، ا[illegible] سے واضح ہوا کہ اگر کوئی شخص اس قسم کے عذر کی وجہ سے کسی کو اپنے پاس آنے [illegible] اجازت نہ دے تو جائز ہے بداخلاقی نہیں۔ حضرت

عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کے لئے ایسا کلام کیا کہ آپ خوش ہو گئے۔ اسلئے ہر انسان کو چاہیئے کہ جب وہ کسی کو غم اور پریشانی میں دیکھے تو اسے باتوں کے ذریعے یا کسی کام میں مشغول کر کے خوش کرے۔ حضرت سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کے آداب المریدین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسر الرجل من اصحابه اذا رآہ مغموماً بالمداعبة (مرقاۃ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام سے کسی کو غمزدہ دیکھتے تو اسے خوش طبعی اور پیارے مزاح سے خوش کرتے۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی اپنی بیٹی کی سرزنش کی، اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر بیٹی کی غلطی ہو تو اسے سمجھایا جائے تاکہ معاملات درست رہیں، کسی قسم کا فساد برپا نہ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ازواج سے ایک ماہ تک ناراض رہنا اور انکو اپنی آپ سے جدا کرنا صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے تھا اسلئے کہ نبی کی ازواج کی شان کے یہ لائق نہیں تھا کہ وہ دنیا کے مال و دولت کا مطالبہ کریں، بلکہ انکی شان کے لائق یہ تھا کہ وہ صبر اور شکر کرنے والی ہوں اور اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کریں۔ ازواج مطہرات نے جب اسی چیز کو پسند کیا تو آپ نے ناراضگی کو ختم کر لیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سب سے پہلے اختیار دینے کی وجہ انکی کم عمری تھی کیونکہ کم عمری میں زیب و زینت اور دنیا کے مال و متاع کی طرف توجہ زیادہ ہوتی ہے۔ انکو جلدی نہ کرنے کی نصیحت بھی اسی وجہ سے تھی کہ وہ اپنی کم عمری کی وجہ سے غلط فیصلہ کر کے دنیا و آخرت خراب نہ کر لیں۔ ماں باپ سے مشورہ کرنے کا حکم بھی اسی لئے تھا کہ ایک تو ان پر شفقت اور انکے والدین پر شفقت تھی کہ اگر انہوں نے جلدی میں کوئی فیصلہ کیا تو انہیں بھی اور انکے والدین کو بھی پریشانی ہوگی اور دوسرا تمام امت کو تعلیم دینا مقصود تھا کہ اس نازک معاملہ میں جلد بازی کرنے میں تمام عمر کی پریشانی اور ندامت کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کم عمری کے باوجود والدین سے مشورہ کئے بغیر فوراً اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول اور آخرت کے گھر کو پسند کرنا آپکی ذہانت، آپکے علم، آپ کے تقوی، آپکی شان اور آپ کی محبت رسول کو واضح کر رہا ہے۔ تمام ازواج مطہرات کا آپ

کو پسند کرنا ان تمام مذکورہ اشیاء کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش اخلاقی کو بھی واضح کر رہا ہے۔

مسئلہ: اگر عورت کو اختیار دے دیا جائے کہ تو مجھ سے جدا ہو سکتی ہے وہ اپنا اختیار استعمال کر کے اپنے آپ کو آزاد کرا لے تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔

جب صلح کسی طرح ممکن نہ ہو تو جدائی کر لی جائے

خاوند اور بیوی میں اختلافات پیدا ہو جائیں تو خاوند اپنی زوجہ کو نصیحت کر کے خوش اخلاقی اور خوش طبعی سے راضی کر لے اور اگر اس طرح راضی نہ ہو تو اسے اپنے گھر میں ہی رکھ کر اپنے بستر سے جدا کر دے، ممکن ہے وہ اس طرح راضی ہو جائے، اگر اس سے بھی بات نہ بنے تو معمولی سرزنش کر کے راضی کرے اور اگر معاملہ اس حد سے بھی آگے بڑھ جائے تو دونوں جانب سے اجنبی نیک پرہیزگار، صلح جو حضرات کو منصف بنا لیا جائے یعنی جرگہ سے کام لیا جائے، وہ صلح کرانے والے اپنے نیک ارادہ سے پوری کوشش کریں تاکہ انکے درمیان صلح ہو جائے۔ صلح کرانے کا یہ آخری حربہ تھا اگر اس میں بھی کامیابی نہ ہو تو پھر اسکے بغیر اور کوئی چارہ کار نہیں کہ عورت کو طلاق دے کر اپنے آپ سے جدا کر دے۔

طلاق دینے پر شیطان خوش ہوتا ہے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بیشک شیطان اپنا تخت پانی پر رکھتا ہے پھر اپنے لشکروں کو بھیجتا ہے کہ وہ لوگوں کو فتنہ میں ڈالیں (یعنی گناہوں کی طرف راغب کریں) ان میں شیطان کے زیادہ قریب وہ ہوتے ہیں جو لوگوں کو بڑے فتنہ میں مبتلا کریں۔ ان میں سے ایک آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے یہ کام کیا ہے، شیطان اسے کہتا ہے تو نے کیا کیا ہے؟ کچھ نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا، پھر ایک آتا ہے اور کہتا ہے "ما ترکته حتی فرقت بینه و بین امراته قال فید نیه منه و یقول نعم انت (مسلم، مشکوۃ باب الوسوسۃ)

میں نے اس شخص کو اس وقت تک نہیں چھوڑا یہاں تک کہ اس کے اور اسکی عورت کے درمیان جدائی کرا دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، شیطان اسے اپنے

قریب کر لیتا ہے اور کہتا ہے تو نے بہت اچھا کام کیا ہے۔ راوی حضرت اعمش کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے ابو سفیان طلحہ بن نافع مکی نے یہ بھی کہا کہ حضرت جابر نے اپنی روایت میں یہ بھی کہا ہے "فیلتزمہ" وہ اسے گلے لگالیتا ہے۔

شیطان زوجین کی تفریق پر اس لئے خوش ہوتا ہے کہ یہ کئی اور فتنوں کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے، بدکاری کثیر ہوگی، اولاد حرام کی ہوگی، اولاد کو تربیت دینے والا کوئی نہیں ہوگا جسکی وجہ سے وہ زمین میں فساد پھیلائیں گے، رذیل کام کریں گے، اچھے کام وہ کم ہی کریں گے۔ ایسے نیکیوں سے دور، برائیوں کا ارتکاب کرنے والے، چوری، ڈاکہ، فحش حرکات کا ارتکاب کرنے والے حرامی بچوں کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لا یدخل الجنۃ ولد زانیۃ" زانیہ کی اولاد جنت میں نہیں داخل ہوگی۔

طلاق دینا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " ابغض الحلال الی اللہ الطلاق " (ابو داؤد، مشکوۃ باب الخلع والطلاق) حلال چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ کو طلاق بہت ناپسند ہے۔

بعض چیزیں رب کو ناپسند ہونے کے باوجود واقع ہو جاتی ہیں، ان میں سے ہی طلاق بھی ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے لیکن اگر کسی نے طلاق دی تو واقع ہو جائے گی۔ ایسے ہی بغیر عذر کے گھر میں نماز بغیر جماعت کے ادا کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں لیکن نماز ادا ہو جائے گی۔ مغصوبہ (زبردستی چھینی ہوئی، ناحق قبضہ کیا ہوا) زمین میں نماز ادا کرنا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے لیکن نماز ادا ہو جائے گی۔ جمعہ کی اذان کے بعد خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کے غضب کا سبب ہے لیکن بیع ہو جائے گی۔

خیال رہے کہ عذر کی وجہ سے گھر میں نماز ادا کرنا اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے، اسی طرح کبھی طلاق دینا بھی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اسکا ذکر انشاء اللہ آگے ہوگا۔

عورت کا بلاوجہ طلاق کا مطالبہ کرنا عظیم جرم ہے

حضرت ثوبان کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایما امراۃ سالت زوجھا طلاقاً غیر ما باس فحرام علیھا رائحۃ الجنۃ (مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ،

دارمی، مشکوۃ باب الخلع والطلاق)

جو عورت بھی اپنے خاوند سے بلاوجہ طلاق کا مطالبہ کرے گی اس پر جنت کی بو حرام ہو گی۔

○ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے، ایما امراۃ اختلعت من زوجہا بغیر نشوز فعلیہا لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین (مرقاۃ)

جو عورت اپنے خاوند سے خلع کا مطالبہ کرے بغیر کسی اختلاف کے اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتے اور سب لوگ لعنت بھیجتے ہیں۔

خلع یہ ہے کہ عورت خاوند کو کہے جتنا مہر میں نے تم سے لیا تھا وہ واپس لے لو یا اس سے زائد مال کے متعلق کہے کہ مجھ سے اتنا مال لے لو اور میرے ساتھ خلع کر لو یعنی مجھے چھوڑ دو، لفظ اس میں خلع استعمال ہو گا جس سے طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ خیال رہے اگرچہ مہر سے زائد مال خاوند کے لئے وصول کرنا منع لیکن اگر اس نے زیادہ مال لے لیا اور خلع کر لیا تو خلع واقع ہو جائے گا۔

طلاق بحیثیت ثواب و عذاب چار قسم ہے

طلاق کی چار قسمیں ہیں حرام، مکروہ، واجب، مستحب۔

○ حرام: حیض کی حالت میں طلاق دینا اگرچہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی زوجہ کو حالت حیض میں طلاق دے دی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا "مرہ فلیراجعہا ثم لیطلقہا طاہرا او حاملا" اس کو حکم دو کہ وہ رجوع کر لے پھر پاکیزگی یا حالت حمل میں طلاق دے۔

جس طہر میں پہلے جماع ہو چکا ہے اس میں طلاق دینا بھی ناجائز ہے ہاں اگر حمل ظاہر ہو جائے تو پھر جائز ہے۔ اگر ایک شخص کی کئی ازواج ہوں ان میں سے ایک کو تقسیم کے حساب سے اسکی باری پر اسے اس کے حصہ سے محروم کر کے طلاق دینا ناجائز ہے۔

○ مکروہ: جب زوجین کے درمیان کوئی شدید اختلافات نہ ہوں بلاوجہ طلاق دینا مکروہ ہے۔ اسی صورت کے متعلق پہلے حدیث پاک ذکر ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مباح چیزوں میں طلاق ناپسند ہے۔

○ واجب: جب مرد اور عورت کے درمیان شدید اختلافات ہوں۔ رضامندی کی کوئی صورت نہ نکل سکے تو ایسی صورت میں قاضی خاوند کو طلاق دینے پر مجبور کرے کیونکہ اب طلاق دینا واجب ہو چکا ہے۔ ایسی حالت میں طلاق کا حق استعمال کرنا عورت کے لئے بھلائی کا کام ہے تاکہ وہ آزاد ہو کر کہیں اور نکاح کر کے اپنی زندگی آرام و سکون سے بسر کر سکے۔ اگر اسے طلاق بھی نہ دی جائے اور بسایا بھی نہ جائے تو یہ عورت پر ظلم اور اس کے لئے نقصان اور ضرر کا سبب ہے۔

○ مستحب: جب عورت نیک پاکدامن نہ ہو تو طلاق دینا مستحب ہے یا خاوند اور بیوی دونوں یا ان میں سے ایک خوف رکھتے ہوں کہ ہم ایک دوسرے کے حقوق پورے نہیں کر سکیں گے اور شرعی حقوق کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے ہم گنہگار ہوں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "تلک حدود اللہ ومن یتعد حدود اللہ فاولئک ھم الظالمون" یہ اللہ کی حدیں ہیں (اسکے نافذ کردہ احکام اسکی حدود ہیں) جو شخص اللہ تعالیٰ کی حدوں سے تجاوز کریں گے وہ ظالم ہوں گے۔ جب یہ خوف ہو کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل ہم دونوں سے نہیں ہو سکے گی تو ایسی صورت میں طلاق دینا مستحب ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دینا اسی قسم کا تھا اور پھر ان کے عرض کرنے پر آپ نے رجوع فرما لیا تھا، کیونکہ ایک طلاق دی تھی جو رجعی تھی۔ (نووی، مدارج النبوت)

تنبیہ:

و اما ما روی عن الحسن و کان قیل لہ فی کثرۃ تزوجہ و طلاقہ فقال احب الغنی قال اللہ تعالیٰ و ان یتفرقا یغن اللہ کلا من سعتہ (مرقاۃ) یعنی حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ بہت شادیاں کرتے اور طلاق دیتے رہتے تھے۔ جب آپ سے اسکی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا میں غنی ہونا پسند کرتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرما دیا کہ اگر وہ دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے انہیں غنی کر دے گا۔

آپ کی یہ دلیل ظاہر اجتہاد پر مبنی تھی اس پر فتویٰ نہیں۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "فھو رای منہ ان کان علی ظاہرہ" آپ کی یہ رائے ظاہر پر مبنی ہے جو قابل قبول نہیں۔

بعض علماء کرام سے یہ بھی سنا ہے کہ آپ کی زوجیت میں آنے کو عورتیں باعث شرف و برکت سمجھتی تھیں۔ عورتیں معلوم ہونے کے باوجود کہ آپ طلاق دے دیتے ہیں پھر بھی آپ سے نکاح کرنے کی تمنا رکھتی تھیں۔ آپ عورتوں کی تمنا اور خواہش پر نکاح کرتے تھے۔ (واللہ اعلم بالصواب) لیکن اتنی بات واضح ہے کہ طلاق کے ارادہ سے نکاح کرنا منع ہے۔ زیادہ بہتر یہی ہے کہ آپ کے قول کو اجتہادی خطا ہی کہا جائے۔

طلاق کا حق مرد کو دے کر عورت پر احسان کیا گیا

تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے کہ طلاق عام حالات میں شیطان کو پسند ہے اور اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے اور اللہ تعالیٰ نے طلاق کے احکام بیان فرماتے ہوئے یہ فرمایا "ولا تمسکوھن ضراراً لتعتدوا و من یفعل ذالک فقد ظلم نفسہ ولا تتخذوا آیات اللہ ھزواً" (پ ۲) اور نہ روکو انہیں (اپنی عورتوں کو) ضرر کے لئے تا کہ ظلم کرو تم اور جو کرے گا یہ بیشک ظلم کیا اس نے اپنی جان پر اور نہ بناؤ تم اللہ کی آیتوں کو ٹھٹھا (مزاح)۔

جب دونوں میاں بیوی دل میں خوف پیدا کریں شرعی احکام کی پابندی کریں تو انشاء اللہ کبھی طلاق کی ضرورت درپیش نہیں آئے گی۔ کبھی ناگزیر وجوہ کی وجہ سے طلاق دینی درپیش آ ہی جائے تو پھر بھی طلاق کا حق مرد کو دیا گیا کیونکہ مرد صبر سے کام لیتا ہے، قوت برداشت مرد میں زیادہ ہے۔ عورت انتقامی کاروائی کرنے میں جلد باز ہے اسلئے مرد کو یہ حق دیا گیا کہ وہ سوچ سمجھ کر مجبوری کی حالت میں اسے استعمال کرے گا۔ لیکن عورت کو اگر یہ حق دیا جاتا تو وہ بہت جلدی استعمال کرتی، آئے دن طلاقیں واقع ہوتی رہتیں۔

ترقی یافتہ ممالک یا انسانیت سے دور، عریانیت و فحاشی کے دلدادہ، خدا کے دشمنوں کے ممالک میں جہاں عورت کو طلاق کے حقوق دئے گئے ہیں۔ خدارا ان سے پوچھ کر تو دیکھئے وہ اس سے کتنے مطمئن ہیں۔ آج عورت کا ایک سے معاشقہ اور کل دوسرے اور پرسوں تیسرے سے طلاقیں واقع ہو رہی ہیں۔ انسان کو انسان سے محبت کم نفرت زیادہ ہو چکی ہے۔ کتوں اور بلیوں سے وہ اپنی محبت پوری کر رہے ہیں۔ جس قانون سے غیر مسلم بیزار اسے مسلمان حاصل کرنے کے لئے بے تاب کیوں۔

اخبارات میں کم از کم ان واقعات میں تناسب تو دیکھئے یقیناً ایک اور سو کی نسبت نظر آئے گی۔ وہ کیا واقعات ہیں وہ یہ ہیں کہ فلاں عورت نے اپنے عاشق سے مل کر اپنے خاوند کو قتل کر دیا۔ ان واقعات کی تعداد کو دیکھئے اور پھر یہ دیکھئے کہ کتنے ایسے واقعات آپکی نظر سے گذرتے ہیں کہ فلاں مرد نے اپنی زوجہ کو اپنی محبوبہ کی مدد سے قتل کر دیا۔ یقین جانئے رب تعالیٰ اپنے بندوں پر اتنا شفیق ہے جتنی ماں اپنے بیٹے پر شفیق نہیں۔ اس کا ہر حکم حکمت پر مبنی ہے اسکے ہر حکم میں بندوں پر مہربانیاں ہی مہربانیاں پائی گئی ہیں۔

طلاق کے مختصر اور ضروری مسائل

○ جب مرد عورت کو کہے تجھے ایک طلاق ہے تجھے طلاق ہے میں نے تجھے طلاق دی یا کہے میری عورت کو طلاق۔ اس قسم کے الفاظ میں سے جو بھی ذکر کرے، جس طرح بھی ذکر کرے اس میں لفظ طلاق موجود ہو اپنی زوجہ کی طرف نسبت ہو یا ملکیت کی طرف نسبت ہو یعنی یہ کہے فلاں عورت سے جب میں نکاح کروں تو اسے طلاق تو ایک طلاق رجعی واقع ہو گی۔ یعنی زبان سے رجوع کر لے، میں تمہیں اپنی زوجہ ہی سمجھتا ہوں، تم میری زوجیت ہی میں رہو وغیرہ یا جماع وغیرہ سے رجوع کر لے۔

○ دو طلاقیں دینے کا بھی یہی حکم ہے انکے بعد رجوع ہو سکے گا لیکن رجوع عدت ختم ہونے سے پہلے ہو سکتا ہے بعد میں نہیں۔ اگر عدت ختم ہو جائے اور رجوع نہ کیا جائے تو طلاق خواہ ایک دی تھی یا دو وہ عورت بائن ہو جائے گی نکاح مکمل ختم ہو جائے گا عورت خود مختار ہو جائے گی۔ اب اسکی مرضی چاہے تو اسی پہلے خاوند سے نکاح کر لے یا کسی اور سے۔

وہ ایک یا دو طلاقوں کا حکم ہر حال میں باقی رہے گا، ایک کے بعد دو یا دو کے بعد ایک اور دیدی تو اب تین طلاقیں ہو جائیں گی اب حکم تین والا ہو گا۔

○ اگر کسی شخص نے تین طلاقیں دے دیں تو وہ عورت اس پر مکمل حرام ہو گئی۔ رجوع نہیں اور صرف نیا نکاح بھی کافی نہیں بلکہ وہ عورت عدت گذرنے کے بعد کسی اور شخص سے نکاح کرے اور وہ شخص وطی بھی کرے، پھر اس نے طلاق دے دی ہو یا

فوت ہو چکا ہو اور عدت گزر جائے تو پہلے خاوند سے نکاح کرنا چاہتی ہو تو کر سکتی ہے۔

○ اگر کسی عورت نے دوسرے خاوند سے نکاح کرنے اور طلاق واقع ہونے یا بیوہ ہونے کی صورت میں پہلے خاوند سے پھر نکاح کرلیا ہو تو پہلے خاوند کو اب مکمل نئے حقوق مل گئے یعنی اب اسے تین طلاقوں کا حق پھر مل گیا۔ دوسرے خاوند سے اگر نکاح ایک یا دو طلاقوں کے بعد عدت گزرنے پر بائن ہونے کی صورت میں کیا تھا پھر بھی حکم یہی ہے کہ پہلے خاوند کو اب دوبارہ تین طلاقوں کا حق مل گیا۔

○ ایک یا دو طلاقوں کے بعد عدت میں رجوع کیا تھا یا عدت گزرنے کے بعد بائن ہونے کی صورت میں پھر پہلے خاوند سے ہی نکاح کرلیا تھا دوسرے کسی شخص سے نکاح نہیں کیا تو اب خاوند کو باقی طلاقوں کا حق حاصل ہے تین کا نہیں۔ پہلے ایک تھی تو اب دو کا حق حاصل ہے۔ اور اگر پہلے دو تھیں تو اب ایک کا حق باقی۔

○ ایک ایک کر کے تین طلاقیں دے یا ایک ساتھ تین طلاقیں دے تین ہی واقع ہوں گی۔ کچھ جہلاء مولویوں کے روپ میں لوگوں کو ساری زندگی حرام کاری پر لگانے کے لئے دھڑادھڑ فتویٰ دے رہے ہیں ایک مرتبہ تین طلاقیں دینے سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے۔ خدارا ایسے لوگوں سے دور رہیں جو اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے دشمن ہیں وہ حدیثوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں اگرچہ نام کے طور پر حدیث کو جاننے کے دعویدار ہیں۔

○ طلاق ہر حال میں واقع ہو جائے گی۔ غصہ سے طلاق دی جائے یا خوشی سے۔ مزاح سے دی جائے یا بغیر کسی مزاح کے اپنے ارادے سے دی جائے۔ حیض میں دے یا پاکیزگی کے دنوں میں۔ حمل کی حالت ہو یا حمل نہ ہو تمام صورتوں میں طلاق واقع ہو جائے گی۔

○ ظاہر طور پر لفظ طلاق استعمال کرنے میں نیت کی بھی کوئی ضرورت نہیں، طلاق واقع ہو جائے گی طلاق دینے کی نیت تھی یا نہیں۔

اگر کہے جا چلی جا، دفع ہو جا، میں نے تجھے آزاد کر دیا، میں نے تجھے چھوڑ دیا، نکل جا، اپنے ماں باپ کے گھر چلی جا، میں نے تیرے معاملات تیرے سپرد کر دئے، کوئی اور خاوند تلاش کر لے، میرے سامنے نہ ہو، مجھ سے پردہ کیا کر۔ ایسے الفاظ بولنے سے طلاق کی

نیت ہوگی تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور اگر طلاق کی نیت نہیں تھی صرف ڈانٹنا مقصود تھا تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

○ ان الفاظ سے اگر طلاق کی نیت تھی تو طلاق بائن واقع ہوگی۔ بائن طلاق کے بعد رجوع تو نہیں البتہ پہلے خاوند سے نکاح کرنے کا عورت کو اختیار ہے، کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنے کی اس میں کوئی شرط نہیں۔

○ اگر کہے تو مجھ پر حرام ہے۔ تو اب خاوند سے پوچھا جائے تیری نیت کیا تھی۔ اگر وہ کہے میری مراد جھوٹ کی تھی تو طلاق واقع نہیں ہوگی اسے جھوٹا سمجھا جائے گا۔ اگر کہے میری مراد طلاق کی تھی تو ایک طلاق بائن ہوگی۔ اگر کہے میری مراد تین طلاقوں کی تھی تو تین واقع ہوں گی۔ اور اگر کہے میری مراد کچھ بھی نہیں تھی یا میں نے تحریم کا ارادہ کیا تھا تو یہ یمین (قسم) ہوگی۔ اگر چار مہینے کے اندر وطی کر لی تو قسم کا کفارہ ادا کرے اور اگر چار ماہ کے اندر وطی نہ کی تو طلاق بائن ہو جائے گی۔

جب قسم اٹھا کر کہے کہ قسم ہے میں تمہارے قریب نہیں آؤں گا، وطی نہیں کروں گا، چار مہینے قریب نہیں آؤں گا اسکا حکم بھی یہی ہے۔ چار مہینے کے اندر وطی کرے تو قسم کا کفارہ دے اور اگر چار مہینے اسی طرح بغیر عذر کے گذر گئے تو طلاق بائن ہوگی۔ ہاں اگر عذر ہو وطی نہ کر سکے خواہ وطی سے مانع عذر مرد میں ہو یا عورت میں تو اب طلاق واقع نہیں ہوگی بلکہ زبان سے رجوع کر کے قسم کا کفارہ ادا کر دے۔

○ جب کوئی شخص اپنی زوجہ کو کہے تو میری ماں ہے، تو میری بہن ہے یا کسی اور محرم عورت کا ذکر کرے یعنی تو میری خالہ ہے، پھوپھی ہے۔ تو اس صورت میں بھی اسکی نیت کے متعلق سوال کیا جائے، تیری نیت کیا تھی، اگر وہ کہے میری نیت طلاق کی تھی تو طلاق بائن ہوگی۔ اگر وہ کہے میری نیت عزت و تکریم کی تھی یعنی ان کی طرح تو میرے نزدیک عزت والی ہے تو طلاق نہیں ہوگی۔ اور اگر اس نے ظہار کی نیت کر لی تو ظہار ہو جائے گا۔

ظہار یہ ہے کہ انسان اپنی زوجہ کو اپنی کسی محرم عورت سے تشبیہ دے اس صورت میں کفارہ ادا کرنے تک مجامعت یا اور ازدواجی منافع منع ہوں گے، دو ماہ روزے رکھنے، یا روزے رکھنے کی طاقت نہ ہونے کی وجہ سے ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کھانا

کھلانا یا فی کس صدقہ فطر کی مقدار ساٹھ مسکینوں کو ادا کرنے سے زوجہ حلال ہو جائے گی۔

○ اگر کوئی شخص کہے کیا تو میری ماں لگتی ہے، تو کوئی میری ماں تو نہیں۔ اس قسم کے الفاظ بیہودہ بکواس ہیں ان سے اجتناب کیا جائے، اگرچہ طلاق نہیں ہوگی اور نہ ہی ظہار کی کوئی صورت اس میں پائی گئی ہے۔ طلاق کے مسائل بہت تفصیل طلب اور پیچیدہ ہیں، تمام کو ذکر کرنا اس مختصر کتاب میں ممکن نہیں اسلئے بہتر تو یہ ہے کہ طلاق تک پہنچنے سے بچنا چاہیئے۔ خدا نہ کرے اگر کبھی ضرورت درپیش آجائے تو علماء کرام کی طرف رجوع کیا جائے۔

عدت کے ضروری مسائل

○ اگر عورت حاملہ ہو تو اسکی عدت وضع حمل (بچے کی پیدائش) ہے اس میں وقت کی مقدار کا کوئی لحاظ نہیں۔ حاملہ عورت کا خاوند فوت ہو جائے یا اسے خاوند نے طلاق دے دی ہر صورت میں عدت وضع حمل ہی ہے۔

○ اگر عورت حاملہ نہیں اس کو طلاق دی گئی ہو اور اسے حیض (ماہواری خون) بھی آتا ہو تو اسکی عدت تین حیض ہوگی۔ اگر کسی شخص نے حیض کے دنوں میں طلاق دے دی تو اس جاری حیض کے بغیر تین اور حیض مکمل کرنے ہوں گے۔

○ اگر عورت کو حیض نہیں آتا چھوٹی ہے یا عمر رسیدہ ہے تو عدت تین ماہ ہوگی (جب مطلقہ اور غیر حاملہ ہو)

○ اگر ایک عورت کا خاوند فوت ہو گیا اور حاملہ نہیں تو اسکی عدت چار ماہ دس دن ہے۔

دوران عدت ممنوع اشیاء

○ خوشبو لگانا منع ہے۔ زیب و زینت کی تمام صورتیں جیسے سرمہ لگانا، مہندی لگانا، تیل لگانا منع ہے۔ ہاں اگر ایک عورت کی ہمیشہ تیل لگانے کی عادت ہو وہ تیل نہ لگائے تو اسکے سر کو تکلیف ہوتی ہو تو وہ تیل لگا سکتی ہے۔

دوا کوئی بھی ہو ضرورت کے وقت استعمال کی جا سکتی ہے خواہ خوشبودار ہی ہو جیسے بام وغیرہ۔ شوخ رنگ کے زیب و زینت والے کپڑے نہ پہنے۔

○ جس عورت کو طلاق دی گئی ہو وہ عدت کے دنوں میں کسی وقت بھی رات یا دن میں گھر سے نہ نکلے، ہاں اگر کوئی عذر ہو جیسے شدید بیمار ہو گئی گھر علاج ممکن نہیں بلکہ ہسپتال لے جانا مجبوری بن چکا ہو تو ایسی صورت میں گھر سے نکلنا جائز ہو گا بلکہ جان بچانے کی غرض سے نکلنا ضروری ہو گا۔

○ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اگر اسے ذریعہ معاش وغیرہ کی کوئی مجبوری ہو تو دن کو نکل سکتی ہے اور رات کو تھوڑے حصہ میں، یعنی رات کے ابتدائی وقت میں گھر سے نکل سکتی ہے۔ لیکن بغیر عذر یا مجبوری کے یہ بھی دن اور رات کو باہر نہ نکلے۔

○ عورت کو طلاق دی گئی ہو یا اسکا خاوند فوت ہو گیا ہو، اسی گھر عدت گذاریں جہاں طلاق دی گئی یا خاوند فوت ہوا۔ ہاں اگر ان کو وہاں سے نکال دیا گیا تو دوسری جگہ جہاں رہنا ممکن ہو عدت گذاریں۔ اگر خاوند فوت ہوا یا عورت کو طلاق دی گئی جب وہ کسی کے گھر مہمان گئی ہوئی تھی یا کسی ایسے گھر تھی جہاں اکیلے نہیں رہ سکتی اسکے گھر کے دوسرے افراد کسی اور جگہ رہتے ہیں جن کے پاس یہ رہ سکتی ہے تو ایسی صورت میں گھر سے نکلنا جائز ہو گا۔

○ عدت کے دوران دوسرا نکاح کہیں نہیں کر سکے گی۔ اگر نکاح کر لیا تو نکاح باطل ہو گا۔ دوران عدت اسے نکاح کا پیغام ظاہر طور پر دینا ناجائز ہے۔ ہاں البتہ اشارۃً، کنایۃً سے جائز ہے۔ جس سے صرف نکاح کی رغبت دلانے کی طرف اشارہ کیا جائے۔

حیض کے دنوں میں عورت کا اسلام میں مقام

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حیض کے دنوں میں عورت کو یہود علیحدہ کمرہ دے دیتے تھے۔ اس کے ساتھ مل کر ایک کمرہ میں رہنا، انکے ساتھ کھانا پینا حرام سمجھتے تھے۔ لیکن اسکے برخلاف اسلام نے کیا مقام دیا اسے سمجھنے سے واضح ہو گا کہ اسلام نے عورت کی ہر معاملہ میں عزت افزائی کی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، كنت اشرب و انا حائض ثم اناو له النبى صلى الله عليه و سلم فيضع فاه على مو ضع فى فيشرب و اتعرق العرق و انا حائض ثم اناو له النبى صلى الله عليه و سلم فيضع فاه على مو ضع فى (مسلم، مشكوة باب الحيض)

میں (پانی) پیتی تھی حالت حیض میں پھر میں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

ہیں پیش کرتی تو آپ اپنا منہ مبارک میرے منہ لگانے کی جگہ رکھ کر پیتے اور میں گوشت کی بوٹی (ہڈی والی) اپنے حیض کے دنوں میں چباتی پھر میں وہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیتی، آپ میرے منہ رکھنے کی جگہ اپنا منہ مبارک رکھ کر چباتے۔

وضاحت حدیث:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پانی پینے کے لئے ہاتھ میں لیتی تھیں جب کچھ پی لیتی تھیں "ثم بعد الطلب اناوله" تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود طلب کرتے کہ اب کچھ حصہ مجھے دے دو تو اس وقت آپ حضور کے ارشاد کے مطابق انہیں دے دیتیں۔

اصلی وجہ یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہود کے فعل کو ناپسند کرنے کی وجہ سے انکی کامل طور مخالفت کرنے کی غرض سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بچا ہوا پانی اور گوشت استعمال کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً ثابت کیا کہ حیض والی عورت کے پاس بیٹھنا اور اسکے ساتھ مل کر کھانا جائز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں کامل طور پر عجز و انکساری پائی جاتی تھی، آپ کا یہ وصف آپ کے اس فعل (یعنی اپنی زوجہ کا بچا ہوا کھانا پینا انکی حالت حیض میں) سے ہی واضح طور پر سمجھ آرہا ہے۔(از مرقاۃ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ یہود اپنی عورتوں کے ساتھ حالت حیض میں کھاتے پیتے نہیں تھے اور نہ انکے ساتھ گھروں میں مل کر رہتے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے اسکے متعلق پوچھا تو اس وقت آیۃ کریمہ "یسئلونک عن المحیض" نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ سوائے جماع کے ان سے ہر تعلق برقرار رکھ سکتے ہو۔ یہود کو جب خبر ملی تو وہ کہنے لگے کہ یہ کیسا شخص ہے کہ ہر معاملہ میں ہماری مخالفت ہی کرتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت اسید بن حضیر اور عباد بن بشر حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ بیشک یہود اس اس طرح کہہ رہے ہیں کیا ہم اپنی عورتوں سے ان دنوں میں جماع نہ کرلیں (تو بہتر نہیں ہوگا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ (غصہ سے) بدل گیا۔یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر بہت زیادہ ناراض ہوگئے، وہ دونوں حضرات چلے گئے۔ان دونوں حضرات کو باہر نکلتے ہوئے

راستہ میں ایک شخص ملا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ بطور ھدیہ لا رہا تھا۔ جب اس نے دودھ آپ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے کسی آدمی کو بھیج کر ان دونوں صحابہ کرام کو بلایا جو اٹھ کر چلے گئے تھے۔ آپ نے دودھ انہیں پلایا تو ان کو بھی معلوم ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر ناراض نہیں۔ (مسلم، مشکوۃ باب الحیض)

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد

اپنی ازواج سے حالت حیض میں مل کر بیٹھنا، ان کے ساتھ کھانا پینا جائز ہے۔ جماع جائز نہیں بلکہ احتیاط کے طور فقہاء کرام نے ناف سے گھٹنے تک ننگے جسم سے انتفاع منع قرار دیا ہے۔ دوسرے مذاھب کی متابعت ناجائز ہے بلکہ اپنے دین اسلام کے احکام پر ہی چلے۔ کسی کے غیر شرعی مسئلہ کو پسند کرنے پر اس سے ناراض ہونا، غصہ کرنا جائز ہے لیکن وہ ناراضگی صرف تنبیہ کے لئے ہو، جب اس شخص کو تنبیہ حاصل ہو جائے تو پھر راضی ہو جائے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اعلیٰ حسن اخلاق کا مظاہرہ فرمایا۔ جب کوئی بزرگ ہستی کسی بات پر ناراض ہو جائے تو وقتی طور پر اسکی محفل سے اٹھ جائے بعد میں اسے راضی کیا جائے یا وہ خود ہی اپنے تعلق دار سے راضی ہو جائے۔

فائدہ:

عورت کو آنے والے خون تین قسم کے ہیں حیض، نفاس، استحاضہ۔

وہ خون جو کم از کم پندرہ دن پاکیزہ رہنے کے بعد یا بالغ ہوتے ہی آئے اور کم از کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن رہے وہ حیض ہے۔ (عام طور پر ہماری اصطلاح میں حیض کا نام ماہواری خون ہے)

بچے کی پیدائش کے بعد آنے والا خون نفاس کہلاتا ہے۔ اسکی مدت کم از کم تو کوئی مقرر نہیں البتہ زیادہ سے زیادہ چالیس دن ہے۔

وہ خون جو تین دنوں سے کم (لیکن نفاس میں تھوڑے سے وقت میں آنے والا بھی نفاس ہی ہے) آئے یا دس دنوں سے زیادہ آئے وہ استحاضہ ہے، یعنی دس دن آنے والے خون حیض اور اس سے اوپر والے دن استحاضہ ہوگا۔

خون کا سرخ رنگ، سیاہ رنگ، زرد رنگ، سبز رنگ، مٹیالا رنگ (مٹی کی طرح) سب

حیض ہی ہیں، جس وقت سفیدی مائل ہو جائے تو حیض کا اختتام ہو گا۔

حیض اور نفاس کے دنوں میں عورت کو قرآن پاک پڑھنا اور قرآن پاک کو ہاتھ لگانا بغیر غلاف کے منع ہے البتہ غلاف اور کپڑے وغیرہ کے ساتھ ہاتھ لگانا جائز ہے۔

حیض کے دنوں میں عورت ہر قسم کے ذکر اذکار، اوراد، وظائف وغیرہ جاری رکھ سکتی ہے بلکہ قرآن پاک سے دعائیہ آیات دعا کی نیت سے پڑھ سکتی ہے البتہ تلاوت کی غرض سے نہیں پڑھ سکتی۔ باقی اپنی نیکی کے معمولات کو جاری رکھے تاکہ اس کا پردہ برقرار رہے۔

حیض کے دنوں میں نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا منع ہے اور اس سے جماع کرنا بھی منع ہے۔ نماز کی قضاء بھی لازم نہیں البتہ روزہ کی قضاء لازم ہے، ایک دفعہ یا ایک ایک کر کے قضاء پورے کر سکتی ہے۔

استحاضہ کی صورت میں عورت ہر نماز کے لئے نیا وضو کرے اور نماز ادا کر لے۔ روزہ بھی رکھے، وطی بھی جائز ہے۔

حیض کی ابتدا

حضرت حوا رضی اللہ عنہا نے جب دانا توڑا (جس سے منع کیا گیا تھا) تو اس وقت پودے سے خون نکلا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم نے اس درخت (پودے) کو خون آلود کیا، ہم تمہیں اور تمہاری اولاد سے عورتوں کو خون آلود کریں گے۔ اس وقت حیض شروع ہوا اور تاقیامت جاری رہے گا گویا حیض عورت کی اپنی مہربانی سے شروع ہوا۔ (از مرقاۃ)

مرد، عورت کو ایک دوسرے کا لباس بنایا گیا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ھن لباس لکم و انتم لباس لھن" (پ ۲) وہ لباس ہیں تمہارے لئے اور تم لباس ہو ان کے لئے۔

لباس سے تشبیہ کی وجوہ:

(۱) زوجین کی کامل محبت، ایک دوسرے سے تسکین حاصل کرنا اور ان کے ایک دوسرے سے معانقہ کو لباس سے تعبیر کیا گیا۔

(۲) مستحب امر یہ ہے کہ ایک دوسرے کی شرمگاہوں کو نہ دیکھیں اگرچہ جواز ہے۔

(۳) جس طرح لباس انسان کے جسم کو ڈھانپتا ہے اور سردی وغیرہ کو قریب نہیں آنے دیتا ایسے ہی زوجین ایک دوسرے کو حرام کاموں سے بچاتے ہیں جس طرح حدیث شریف میں آتا ہے "من تزوج فقد احرز ثلثی دینہ" جس نے شادی کر لی اس نے اپنے دین کی دو تہائیوں کو بچا لیا۔

(۴) جس طرح لباس انسان کا اسی کے لئے خاص ہوتا ہے ایسے ہی ہر ایک زوجین میں سے دوسرے کے لئے خاص ہوتے ہیں۔ زوجہ مطلقاً ہر حال میں خاص ہو گی لیکن زوج زوجہ کی باری میں اس کے لئے خاص ہو گا۔

(۵) زوجین ایک دوسرے کے عیوب کو کافی حد تک چھپا دیتے ہیں جو اس سے پہلے انہیں یہ حالت حاصل نہیں ہوتی۔ (ماخوذ از کبیر)

آیت کا یہ حصہ خاص توجہ طلب ہے۔ مرد اور عورت کے باہمی تعلقات کو انتہائی خوش اسلوبی سے بیان فرمایا گیا ہے۔ یعنی جیسے وہ تمہارے لئے لباس ہیں ویسے ہی تم ان کے لئے لباس ہو۔ اس لحاظ سے دونوں کے حقوق اور فرائض مساوی ہیں۔ پھر لباس کی تعبیر کتنی معنی خیز ہے۔ مختصر الفاظ میں لباس پردہ ہے ہر عیب کو چھپاتا ہے، زینت ہے، حسن و جمال کو نکھارتا ہے، راحت ہے سردی و گرمی سے بچاتا ہے۔ کیا ایک اچھی بیوی اپنے خاوند کے لئے اور ایک اچھا خاوند اپنی بیوی کے لئے پردہ، زینت اور راحت نہیں؟ یقیناً ہے۔ جس ملت کے ہر گھر میں زوجیت کا یہ بلند تصور اور اعلیٰ معیار ہو اس کے لئے یہ دنیا جنت نہیں تو اور کیا ہے۔ اسلام پر یہ اعتراض کرنے والے کہ اس نے عورت کے حقوق کو پامال کر دیا ہے، اگر آیت کے اسی حصہ پر نظر ڈالیں تو انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا۔ ہاں اسلام نے ملت ابراہیمی کی بیٹیوں کے چہروں سے شرم و حیا کے نقاب نوچنے کا حکم نہیں دیا۔ اس نے عورت کو محفل رقص و سرود کی زینت بننے کی اجازت نہیں دی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اسلام ایک مستقل دین ہے۔ اسکا اپنا نظام، اپنا قانون اور اپنا ضابطہ حیات ہے اور اسکے استقلال کی یہی علامت ہے کہ وہ ہر حالت میں اسی ضابطہ کا پابند رہے۔ کسی کو پسند آئے یہ بات یا نہ، کوئی خوش ہو یا ناخوش، اسلام کو ہر دلعزیز بنانے اور اسے تہذیب مغرب سے ہم آہنگ کرنے کے لئے اس کے سادہ لوح بہی خواہوں نے اسکے فطری خدوخال میں جس وقت قطع و برید گوارا کر لی اس دن

اسلام بحیثیت ایک مستقل ضابطہ حیات کے ہم سے چھن جائے گا اللہ تعالیٰ اس روز بد سے بچائے۔(ضیاء القرآن)

جب یہ واضح ہوا کہ عورت اور مرد ایک دوسرے کے لئے باعث شرم و حیا ہیں۔ عیوب کو ڈھانپنے کا سبب ہیں۔ ایک دوسرے کے لئے زینت ہیں۔ ایک دوسرے کے لئے راحت ہیں اور باعث سکون وچین ہیں تو اس سے یہ بات نکھر کر سامنے آئی کہ شادی کرنے میں صرف حسن صورت کو ہی نہ دیکھتے رہیں بلکہ سب سے پہلے حسن سیرت کو مدنظر رکھا جائے۔ حسن اخلاق، شرم حیا، دینداری ہی ایسی چیزیں ہیں جو انسان کو حقیقت میں اعلیٰ معیار کا انسان بناتی ہیں۔ انسانیت ہو تو پھر ہی زوجین ایک دوسرے سے نبھا کر سکیں گے ورنہ چند دن گذرنے کے بعد نظریں اور طرف اٹھ جاتی ہیں جو ایک دوسرے کے درمیان جدائی کی راہیں ہموار کر دیتی ہیں۔

اگرچہ شریعت نے بالغ مرد اور عورت کو اختیار کا مالک بنا دیا ہے وہ اپنے اختیارات کو استعمال کر سکتے ہیں لیکن یہ بھی نہ بھولیں کہ ماں باپ اولاد کے لئے جتنے شفیق ہو سکتے ہیں اس قدر کوئی اور قریبی رشتہ دار شفیق نہیں ہو سکتا۔ پھر ماں باپ کی عمر کے تجربات نے جو سمجھ بوجھ انہیں دے رکھی ہے وہ کہاں کم عمر بچوں کو حاصل ہے۔ ماں باپ اولاد کو خوشحال دیکھنا چاہتے ہیں، بدحال نہیں۔ شرم حیا کا پیکر دیکھنا چاہتے ہیں بے شرم و حیا نہیں۔ بااخلاق دیکھنا چاہتے ہیں بداخلاق نہیں۔ انکی زندگیوں کو سکون و آرام میں گذرتا دیکھنا چاہتے ہیں پریشانیوں میں نہیں۔

ملت کے نوجوانو خدارا جذبات کے صحراؤں میں نہ بھٹک جاؤ وہاں تمہاری زندگی برباد کرنے والے ہیبتناک درندے بھی ہیں، ظاہری عشق کی وادیوں میں نہ پھنس جاؤ وہ مصائب وآلام کی زد میں ہیں۔ وقتی طور پر محبت کی ٹھنڈی ہواؤں کے مزے نہ لوٹو اس کے پیچھے تباہی کا طوفان بھی ہے۔ قمریوں اور بلبلوں کی میٹھی آواز پر مست نہ ہو جاؤ ان کے آگے پھنسانے کے لئے بربادی کا ایک جال بھی ہے۔ تیتر اور بٹیر کے نرم و نازک بالوں اور نقش و نگار پر فریفتہ ہو کر سارا سارا دن ان کو پھنسانے کی فکر میں اپنے انجام سے بے نیاز ہو کر، تعلیم و تربیت سے دور ہو کر، ماں باپ کی عزت کو برباد کرکے گلی کوچوں میں گشت کرنا زندگی کو برباد کرنے کے بغیر کچھ نہیں۔

آئیے شریعت مطہرہ کے اصولوں پر عمل کر کے تو دیکھیں، حسن سیرت، شرافت، دینداری، شرم و حیا کو ترجیح دیتے ہوئے بزرگ والدین کے مشورہ پر سر جھکا کر دیکھیں کہ زندگی کیسے پرسکون گذرتی ہے۔ البتہ تقدیر کے سامنے کوئی تدبیر نہیں۔ موت کا علاج کوئی نہیں، اگر حادثاتی امور کی وجہ سے کہیں ان حالات میں بھی پریشانی آجائے تو تقدیر باری تعالیٰ پر صابر و شاکر رہیں، لیکن اس میں بہت کم طور پر ایسی صورتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

جب حالات کو نگاہوں میں لایا جائے تو یہ سمجھنا مشکل نہیں ،تا کہ نوجوانوں کے جذباتی فیصلے، جن لوگوں سے جان پہچان نہ ہو انکی کاروں اور کوٹھیوں کو دیکھ کر رشتے، ناطے جوڑنے والے اکثر طور پر ناکام ہوتے ہیں۔ چونکہ لوگوں کی طبیعتیں مختلف ہیں، طور و طریقے مختلف، عادات مختلف، سوچ کے انداز مختلف ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے یگانگت، موافقت استوار نہیں ہو سکتی۔ آئے دن کے جھگڑوں، فسادوں سے تنگ آکر ایک دوسرے سے دامن چھڑانے میں ہی عافیت نظر آتی ہے۔

عورت کو چار شادیوں کی اجازت نہیں اور مرد کو کیوں

اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ مرد کو چار شادیوں کی اجازت کے لئے شرط کیا ہے۔ یہ خود واضح ہو جائے گا کہ مرد کے لئے بھی ایک سے زیادہ شادیاں کرنا مطلقاً جائز نہیں بلکہ ایک سخت شرط لگا دی جس پر پورا اترنا عام انسان کا کام نہیں۔ اس شرط کے بغیر دوسرا نکاح تو ہو جائے گا لیکن گنہگار بھی ہو گا۔ پھر بھی یہ سمجھنا ضروری ہو گا کہ عورت کے زیادہ شادیاں کرنے میں کیا نقصانات ہیں جو مرد میں نہیں۔

آیۃ کریمہ جس میں چار شادیوں کی اجازت ہے

وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامیٰ - تا - ذالک ادنیٰ ان لا تعولوا (پ ۴)

اور اگر ڈرو تم اس سے کہ انصاف نہیں کرو گے یتیموں کے بارے میں تو نکاح کرو ان عورتوں سے جو پسند ہوں تمہیں دو دو اور تین تین اور چار چار پس اگر خوف کرو تم یہ کہ نہ انصاف کرو گے تو ایک سے یا وہ جس کے تمہارے ہاتھ مالک ہیں (لونڈیوں سے مجامعت کا حکم دیا گیا) یہ قریب اس کے کہ ظلم نہ کرو۔

شان نزول: دو تین طرح کی بے اعتدالیوں کے واقع ہونے کے بعد یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی۔ ایک یہ ہے کہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس آیۃ کریمہ کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ بعض لوگ یتیمہ کے حسن و جمال کو دیکھ کر ان سے نکاح کر لیتے تھے، ان کے پرسان حال نہ ہونے کی وجہ سے ان کا مہر پورا نہیں ادا کرتے تھے اور ان کے حقوق زوجیت ادا نہیں کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انکی اس ناانصافی کو ختم کرنے کے لئے حکم دیا کہ تم یتیم لڑکیوں سے نکاح نہیں کرو جب تمہیں خوف ہو کہ تم انصاف نہیں کر سکو گے بلکہ اور عورتوں سے نکاح کر لو جو تمہیں پسند آئیں۔ (روح المعانی، کبیر، خازن)

دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ اپنے زیر پرورش یتیم لڑکیوں سے نکاح کر لیتے تھے حالانکہ انہیں پسند بھی نہیں کرتے تھے بلکہ ان سے نکاح صرف اس لئے کرتے تھے کہ انکے مال و جائداد پر قابض ہو جائیں۔ اس طرح وہ ان کے حقوق بھی ادا نہیں کرتے تھے ان سے اچھا سلوک نہیں رکھتے تھے بلکہ اس کے انتظار میں رہتے تھے کہ کب یہ

مریں گی کہ ہم ان کے مال پر قابض ہوں (روح البیان، خازن)
تیسری وجہ یہ ہے کہ جب اس سے پہلی آیۃ کریمہ واتوا الیتامیٰ اموالھم - تا - حوباً کبیراً (اور دے دو یتیموں کو انکے مال اور نہ بدلو گندا ستھرے کے عوض اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ بے شک یہ بڑا ہی جرم ہے) نازل ہوئی تو کئی لوگ یتیموں کی پرورش سے ڈرنے اور خوف کھانے لگے کہ کہیں ان پر ظلم نہ ہو جائے ہم گنہگار نہ ہو جائیں لیکن عورتوں پر ظلم کرنے سے باز نہیں آتے تھے تو رب تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تمہیں یتیموں پر ظلم کرنے سے خوف آتا ہے تو اپنی عورتوں پر ظلم کرنے سے بھی ایسے ہی خوف کرو۔ یعنی ان تین قسم کے ظلموں کو ختم کرنے کے لئے اس ایک ہی آیۃ کریمہ کو نازل فرمایا۔
آیۃ کریمہ میں ذکر ہوا "ما طاب لکم" جو تمہیں پسند آئیں لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ "ما حل لکم من النساء" وہ عورتیں جو تمہارے لئے حلال ہوں۔ کیونکہ بعض عورتوں یعنی محرمات سے نکاح کرنا ناجائز ہے۔ انکے ساتھ نکاح کے حرام ہونے کا ذکر دوسری آیۃ کریمہ میں ہے۔
انما ذکر "ما" تنزیلا للاناث منزلۃ غیر العقلاء۔ لفظ ما ذکر کیا ہے اور من نہیں ذکر کیا اس سے عورتوں کی عقل کی کمی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ایک سے زائد شادی کرنے کے لئے شرط

ایک سے زائد شادی کرنے کی اجازت اس وقت ہے جب انسان اپنی دو یا دو سے زائد چار بیویوں سے انصاف کرے۔ کسی ایک سے اچھا سلوک رکھنا اور دوسری کو نہ پوچھنا ظلم اور جرم عظیم ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ" پس اگر تمہیں خوف ہو کہ انصاف نہیں کر سکو گے تو ایک ہی شادی کرو۔ (یا کسی کی غلامہ یعنی لونڈی سے نکاح کرو یا اپنی مملوکہ سے جماع کرو لیکن یہ اب نہیں کیونکہ لونڈیاں نہیں)
"ذالک ادنیٰ ان لا تعولوا" یہ قریب ہے اسکے کہ ظلم نہ کرو۔ یعنی ایک ہی عورت سے شادی کرنا تقویٰ کے قریب ہے کیونکہ زیادہ سے شادی کرنا اور بے انصافی کرنا ظلم ہے جس سے انسان گنہگار ہوتا ہے۔

ایک سے زائد بیویوں میں انصاف نہ کرنے والے کا انجام

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جب کسی شخص کے پاس دو عورتیں ہوں وہ ان میں انصاف نہ کرے "جاء یوم القیامۃ وشقہ ساقط" وہ قیامت کے دن آئے گا تو اسکی ایک طرف نیچے جھکی ہوگی (دارمی، ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، مشکوۃ باب القسم) میدان قیامت میں موجود سارے لوگ اسے دیکھیں گے کہ یہ وہ شخص ہے جو اپنی بیویوں میں انصاف نہیں کرتا تھا۔

دوسری روایت میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے، من کانت لہ امراتان فمال الیٰ احدھما جاء یوم القیامۃ وشقہ مائل ای مفلوج (مسند احمد، مستدرک حاکم)
جس شخص کی دو عورتیں ہوں اور وہ ایک کی طرف ہی مائل ہو قیامت کے دن وہ آئے گا تو اسکی ایک طرف مائل ہوگی یعنی مفلوج ہوگی۔ جس طرح فالج والے شخص کی کیفیت ہوگی ایسی ہی اس کی حالت بھی ہوگی۔

بے اختیار دلی محبت ایک سے زیادہ ہو تو گناہ نہیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج میں باریوں کی تقسیم عدل وانصاف سے فرماتے اور عرض کرتے اے اللہ یہ میری تقسیم ہے جس کا میں مالک تھا "فلا تلمنی فیما تملک ولا املک" پس مجھے اس میں کچھ ملامت نہ فرما جس کا تو مالک ہے اور میں مالک نہیں۔ (ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، مشکوۃ باب القسم)
یعنی اے اللہ تعالیٰ مقلب القلوب (دلوں کو پھیرنے والا) تو ہے، دل میں اگر کسی بیوی کی زیادہ محبت ہو اور دلی طور پر زیادہ میلان کسی ایک کی طرف ہو جائے لیکن انصاف میں کوئی فرق نہ آئے تو اسکا مؤاخذہ نہ کر۔

انصاف کہاں تک کرے

قال ابن الھمام ظاہرہ ان ماعداہ مما ھو داخل تحت ملکہ وقدرتہ یجب التسویۃ فیہ

(مرقاۃ باب القسم) ابن ھمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ظاہر یہی ہے کہ دلی محبت میں انسان کو اختیار نہیں اسکے ماسوا ہر معاملہ میں جہاں تک انسان کے ملک، قدرت اور اختیار میں ہو وہاں تک برابری،، عدل وانصاف کرے۔

والمستحب ان یسوی بینھن فی جمیع الاستمتاعات من الوطی والقبلۃ (مرقاۃ باب القسم) مستحب یہ ہے کہ اپنی تمام بیویوں میں ہر طرح کے منافع میں عدل وانصاف کرے۔ وطی اور بوس وکنار میں بھی جہاں تک ممکن ہو سکے انصاف اور برابری کرے، اگرچہ یہ واجب نہیں۔

حضرت مجاہد سے مروی ہے "کانوا یستحبون ان یسووا بین الضرائر حتی فی الطیب یتطیب لھذہ کما یتطیب لھذہ (روح المعانی پ ۵ زیر آیۃ ولن تستطیعوا ان تعدلوا) صحابہ کرام، اولیاء عظام اپنی تمام ازواج میں برابری اور انصاف کرتے تھے یہاں تک کہ جتنی خوشبو ایک کو دیتے تھے اسی مقدار میں دوسری کو بھی دیتے تھے۔ اس کا دوسرا معنی یہ بھی ہے کہ ایک کو جتنا خوش رکھتے دوسری کو بھی اسی طرح خوش رکھتے تھے۔

حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس شخص کی دو عورتیں ہوں "یکرہ ان یتوضا فی بیت احداھما دون الاخریٰ" اسکے لئے یہ بھی مکروہ ہے کہ ایک کے گھر وضو کرے اور دوسری کے گھر وضو نہ کرے (روح المعانی پ ۵)

حضرت جابر بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کانت لی امراتان فلقد کنت اعدل بینھما حتیٰ اعد القبل (روح المعانی پ ۵) میری دو عورتیں تھیں میں ان کے درمیان اتنا انصاف کیا کرتا تھا یہاں تک کہ میں بوسے بھی شمار کیا کرتا تھا۔ یعنی جتنا انسان کے قدرت واختیار میں ہو اس قدر انصاف کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کرے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی سفر کرنے کا ارادہ فرماتے " اقرع بین نسائہ فایتھن خرج سھمھا خرج بھا معہ (بخاری، مسلم، مشکوۃ باب القسم) تو اپنی ازواج میں قرعہ ڈالتے، جس کے نام قرعہ نکلتا اسے ہی ساتھ لے جاتے۔

حالانکہ سفر کے لئے کسی بیوی کو بھی ساتھ لے جانا جائز ہے۔ قرعہ ڈالنا واجب نہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاف کا اعلیٰ معیار قائم کیا کہ اپنی ازواج مطہرات کے

دل کو خوش رکھنے اور کسی کی دل شکنی نہ ہونے کے لئے قرعہ ڈالتے تاکہ اپنی اپنی قسمت پر ہر ایک خوشی سے صابر و شاکر رہ سکے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس مرض میں دنیا سے تشریف لے گئے اس میں فرماتے آج میں یہاں ہوں کل کہاں ہوں گا۔ آپ حضرت عائشہ کی باری آنے کا ارادہ فرما رہے تھے۔ تمام ازواج مطہرات نے آپ کو اجازت دے دی کہ آپ جہاں چاہیں رہیں تو آپ نے وہ باقی دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر گذارے اور آپ کا وہاں ہی وصال ہوا۔ (بخاری، مشکوۃ باب القسم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل وانصاف کی درخشاں مثال قائم کی۔ بیماری کے دنوں میں سہارے پر چل کر بھی عدل وانصاف کا دامن نہیں چھوڑا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کا ارادہ فرمانا محبت کی زیادتی کی وجہ سے بھی تھا لیکن اس سے بھی بڑھ کر وجہ یہ تھی کہ آپ کو معلوم تھا کہ وصال کب اور کہاں ہونا ہے اور پھر دفن کہاں ہونا ہے۔ اسی کی تمنا تھی کیونکہ اگرچہ دوسری ازواج مطہرات نے آپ کو اجازت دے دی اور شدید مرض کے دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر گذرے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال اسی دن ہوا جس دن آپ کے رہنے کی باری بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر ہی تھی۔ آخری ایام میں رب تعالیٰ سے ملنے کی ہی زیادہ تمنا اور اسی کی ہر وقت دعا تھی۔ میں نے اپنی کتاب " موت کا منظر مع احوال حشر ونشر " میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اس حدیث پاک سے اور یہ واضح ہوا کہ اگر ایک عورت اپنی باری دوسری عورت کو اپنی مرضی سے دیدے تو یہ جائز ہے جیسے ازواج مطہرات نے اپنی اپنی باریوں سے دستبردار ہونے پر رضامندی ظاہر کر دی۔ ایسے ہی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے پہلے سے ہی اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے رکھی تھی۔

انسان کو اسکی طاقت سے بالاتر تکلیف نہیں دی جاتی۔ جبکہ انسان دلی میلان اور قدرتی محبت میں بے اختیار ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور نہ ہی پکڑ، کسی قسم کی بازپرس نہیں ہوگی۔ اسی مضمون کو مالک الملک نے ان الفاظ مبارکہ سے پیش فرمایا " ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم " (پ ۵) اور ہرگز طاقت نہ رکھو گے تم

یہ کہ پورا پورا انصاف کرو بیویوں کے درمیان اگرچہ تم اسکی حرص کرو۔
اس آیۃ کریمہ کا نزول بھی اس وقت ہوا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور عرض کیا اے اللہ تعالیٰ جس کا تو مالک ہے میں مالک نہیں اسکی بازپرس نہ کر۔ تو گویا اس کے جواب میں یہ فرمایا گیا کہ دلی میلان اور قلبی محبت میں مساوات کرنا تمہارے اختیار سے باہر ہے۔
ہاں البتہ ایک عورت کو خرچ دینا، اسی سے ازدواجی تعلقات قائم کرنا، ایک کے ساتھ رہنا سہنا اور دوسری کو محروم کر دینا، اس کی اور اسکے بچوں کی طرف توجہ کرنے سے منہ موڑ لینا، اس بری حرکت اس ظلم عظیم اور اس ناانصافی یعنی ایک طرف ہی ہر قسم کا جھکاؤ اور باقیوں کو خاطر میں نہ لانا اس سے منع کرتے ہوئے رب قدوس نے یہ ارشاد فرمایا "فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ (پ ۵) پس نہ مائل ہو جاؤ پورا پورا مائل ہونا کہ اسے چھوڑ دو لٹکی ہوئی کی طرح۔
یعنی ایک کی طرف پورا پورا مائل ہو جانا دوسریوں کو مکمل چھوڑ دینا، ان سے تعلقات ازدواجی نہ رکھنا اور ان کو آزاد بھی نہ کرنا یہ ناجائز ہے اور ان کو درمیان میں لٹکا ہوا چھوڑنے کے مترادف ہے، کیونکہ وہ آزاد نہیں کہ کہیں اور شادی کر لیں اور نہ ہی ان کو زوجہ سمجھنا یہ تو درمیان میں لٹکانا ہے۔ ایسے ظلم عظیم سے دور ہونا لازم ہے۔
بیان کردہ تفصیل کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ بغیر انصاف کے دوسری شادی کرنا جرم ہے۔
اب اپنے معاشرہ کی طرف توجہ کریں کہ دوسری شادی کرنے والے کتنے لوگ انصاف کر رہے ہیں۔ کوئی خوش قسمت نیک لوگ ہی اس امتحان میں پورے اتر سکتے ہیں، ورنہ اکثر لوگ اس امتحان میں ناکام ہو کر گناہوں کا شکار ہو رہے ہیں۔
اگر کوئی شخص نماز بھی ادا کر رہا ہو اور چور بھی ہو تو نماز کے ادا ہونے کے ساتھ ساتھ وہ چوری کے گناہ میں بھی مبتلا ہے۔ ایسے ہی دوسری شادی کرنے والا اگر بے انصاف ہے تو نکاح جائز ہو جانے کے باوجود اسے ظلم کرنے کا گناہ ہو گا۔

عورت کو غم نہ پہنچانے کی غرض سے دوسری شادی نہ کرنا مستحب ہے

وقالوا اذا ترک ان یتزوج کیلا یدخل الغم علیٰ زوجتہ التی عندہ کان ماجوراً (مرقاۃ باب المحرمات) مشائخ اصحاب علم نے کہا کہ انسان جب دوسری شادی کرنا اسلئے چھوڑ دے کہ میری پہلی زوجہ کو غم نہ ہو تو اس کو ایسا کرنے پر اجر و ثواب ملے گا۔

یہ تو ہر آدمی جانتا ہی ہے کہ اگر دوسری شادی کی تو پہلی کو پریشانی ضرور لاحق ہو گی۔ جب اسے پریشانی سے بچانے کی غرض سے دوسری شادی کرنے کا ارادہ ترک کر دیا باوجود اس کے کہ اسے دوسری شادی کرنے کی خواہش بھی تھی اور انصاف کی توقع بھی تھی تو ایسی صورت میں اجر و ثواب ملے گا۔ یعنی ایسا کرنا اس کے لئے مستحب ہے، اگرچہ اس وقت تک واجب نہیں جب تک انصاف کی توقع ہے۔

انصاف کرنے پر مرد کو زیادہ شادیاں کرنے کی اجازت ہے

اسلام کے ناقدین (تنقید کرنے والے) خصوصا اہل مغرب نے تعدد ازواج (زیادہ شادیاں کرنا) کے مسئلہ پر بڑی لے دے کی ہے اور وہ مسلمان بھی اس کے متعلق بہت پریشان رہتے ہیں جن کے نزدیک خیر و شر اور حسن و قبح (اچھائی اور برائی) کا صرف وہی معیار قابل قبول ہے جو ان کے ذہنی مربیوں (ذہن کی تربیت کرنے والے یہود و نصاریٰ) نے مقرر کر رکھا ہے اسلئے اس کے متعلق اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے چند حقائق پیش کرنا فائدہ سے خالی نہ ہو گا:

(۱) یہ حکم نہیں جس کی پابندی پیروان اسلام (اسلام کی تابعداری کرنے والے) پر لازمی ہو بلکہ یہ ایک رخصت ہے (یعنی چاہیں تو عمل کریں چاہیں تو نہ کریں، چار شادیاں ضرور ہی کریں اسکا کوئی حکم نہیں)

(۲) رخصت بھی بے قید و شرط نہیں بلکہ سخت قیود سے مقید اور سنگین شرائط سے مشروط (یعنی بہت مشکل شرائط لگائی گئیں پھر کہیں اجازت دی گئی)

(۳) طب جدید و قدیم اس پر متفق ہے کہ مرد کی طبعی کیفیت عورت کی طبعی کیفیت سے جداگانہ ہے۔

(۴) مرد میں جنسی رغبت عورت سے کہیں زیادہ ہے۔ جس کی ظاہر وجہ یہ ہے کہ جنسی عمل کے بعد عورت کو مدت دراز تک مختلف نازک سے نازک مرحلوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ استقرار حمل (بچے کا پیٹ میں رہنا)، وضع حمل (بچے کی پیدائش)، رضاعت (دودھ پلانا) اور ننھے منے بچے کی تربیت یہ سارے مرحلے اسے یوں مشغول رکھتے ہیں کہ اس میں کوئی طلب کم ہی رونما ہوتی ہے (باوجود اس کے کہ رغبت زیادہ ہی کیوں نہ ہو) لیکن مرد ان تمام ذمہ داریوں سے آزاد ہوتا ہے۔

(۵) اکثر ممالک میں عورت کی شرح پیدائش مردوں سے زیادہ ہے اسکے علاوہ جنگ آزما قوموں کے مرد ہی ہزاروں، لاکھوں کی تعداد میں جنگ کے شعلوں کی نذر ہوتے ہیں۔ اس لئے عورتوں کی تعداد میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

(۶) تاریخ انسانی جب سے مرتب کی گئی ہے اسکے ہر اس قانونی نظام میں جس میں تعدد ازواج قانوناً ممنوع ہے زنا کی کھلی اجازت ہے اور یہ فعل شنیع (برا فعل) اپنی ان گنت خرابیوں کے باوجود جرم ہی تصور نہیں کیا جاتا (گویا ان کے نزدیک مقصد عظیم اسلام کی مخالفت کرنا ہے، برائیوں کا خاتمہ کرنا ان کا مقصد ہی نہیں)

(۷) کیا بیوی اور اس کے بچوں کے لئے اس کے خاوند کی دوسری بیوی قابل برداشت ہے یا اسکی داشتہ، ذہنی، روحانی، مادی اور جسمانی صحت کے جملہ (تمام) پہلوؤں پر غور فرمائیے۔

(۸) کیا کسی با حمیت و با غیرت عورت کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ گھر کی مالکہ بن کے رہے اسکا خاوند اسکے آرام کا ذمہ دار، اسکی ناموس کا محافظ ہو، اسکی اولاد جائز متصور ہو اور سوسائٹی میں اسے باعزت مقام حاصل ہو یا ایسی عورت بن کر رہے جس کا حسن و شباب ہوسناک نگاہوں کا کھلونا بنا رہے لیکن نہ کوئی اسکی اولاد کا باپ بننا گوارا کرے اور نہ کوئی دوسری ذمہ داری لینے کے لئے تیار ہو۔

(۹) کیا یورپ اور امریکہ اپنی تمام سائنسی ترقی کے باوجود حرامی بچوں اور کنواری ماؤں کی تعداد میں ہوشربا اضافہ کے باعث پریشان نہیں (یو۔ این۔ او کی رپورٹ کے مطابق بعض یورپی ممالک میں ناجائز ولادتوں کا اوسط ساٹھ فیصد تک پہنچ گیا ہے)۔

یہ حقائق ہیں جن کو تسلیم کرتے ہوئے یہی مشکلات ہیں جن کا حل پیش کرتے ہوئے

اسلام نے (جو دین فطرت ہے) ضرورت کے وقت ایک سے زائد بیوی سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے۔ خود مغرب کے کئی مفکر اپنے معاشرہ کی اخلاقی پستی اور اس میں ایسی عورتوں اور ناجائز بچوں کی زبوں حالی (بدحالی) کو دیکھ کر چیخ اٹھے ہیں اور برملا کہنے لگے ہیں کہ قرآن کے قانون پر عمل کئے بغیر اب کوئی چارہ کار نہیں۔

لیکن اگر ہم حقیقت پسندی سے کام لیں تو ہمیں یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ ہم نے اس رخصت کا اکثر ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ ہمارے ہاں گنتی کے چند افراد کے سوا جو لوگ بھی دوسری شادی کرتے ہیں، ہوس رانی اور لذت طلبی کے بغیر ان کے پیش نظر کوئی چیز نہیں ہوتی۔ نیز نئی نویلی دلہن کے حضور میں یوں متاع ہوش لٹا دی جاتی ہے کہ پہلی بیوی کے جملہ حقوق فراموش کر دئے جاتے ہیں، شریفانہ برتاؤ تک نہیں کیا جاتا، اس کے شکم سے جو اولاد ہوتی ہے وہ بھی اپنے ہوش باختہ باپ کی شفقت سے یکسر محروم ہو جاتی ہے۔ ہم بھی تو ذرا انصاف کریں کہ کیا خدائے بزرگ و برتر کا، اسکے رسول معظم کا ہمیں یہی حکم ہے۔ دین اسلام نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے۔ وہاں تو یہ تصریح ہے کہ گر تم دونوں بیویوں میں عدل کرنے کی قدرت نہیں رکھتے تو ایک، صرف ایک بیوی ، اجازت ہے۔ کاش مسلمان اپنی بد عملیوں سے اپنے پاکیزہ دین کو داغدار نہ کریں اور پنے حسن عمل سے اسلام کی تعلیمات کی صداقت کو نمایاں کرنے کے بجائے اپنی تاہیوں اور خامیوں کے باعث طالبان حق اور متلاشیان ہدایت کو اس دین برحق سے رکرنے کا سبب نہ بنیں۔ (ضیاء القرآن)

بت بھی عورت کا خیال رکھے

ت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لا تسال طلاق اختہا لتستفرغ صحفتہا و لتنکح فان لہا ما قدر لہا (بخاری، مسلم، مشکوۃ بلان النکاح) کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے کہ تمام طعام اسے ئے اور جب نکاح کرے تو اس شخص کا سارا مال اسے مل جائے۔

اک میں "اختہا" لفظ ذکر کیا گیا ہے جس میں یہ اشارہ پایا گیا ہے کہ وہ تمہاری ہے اور تم دونوں ہی حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا رضی اللہ عنہا کی ہو۔ لھذا تمہیں چاہیئے کہ اپنی بہن پر شفقت کرو اور اپنی بہن کے لئے وہی

چیز پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتی ہو۔ اور جو چیز تم خود اپنے لئے نہیں پسند کرتی ہو وہ دوسری کے لئے کیوں پسند کرتی ہو۔ (مرقاۃ)

خدارا انصاف تو کرو اگر دوسری عورت تمہاری طلاق کا مطالبہ کرے تو تم پر کیا گذرے گی۔

وہ عورتیں جو صرف مرد کو ہی قصوروار ٹھہراتی ہیں انہیں یہ خیال کیوں نہیں آتا کہ ایک عورت پر مظالم ڈھانے والی عورت ہی تو ہے۔ مرد کو پہلی عورت سے دور کرنے والی عورت ہی تو ہے۔ کیا دوسری عورت کی ماں، بہنیں پہلی عورت سے جھگڑا و فساد پر مرد کو مجبور نہیں کر رہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ مرد عورت پر ظلم نہیں کر رہا بلکہ خود عورت ہی عورت کی دشمن ہے۔ درندگی کا مظاہرہ عورت ہی کر رہی ہے۔

ایک عورت دوسری عورت کو نہ ستائے

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک عورت نے کہا "یارسول اللہ ان لی ضرۃ فھل علی جناح ان تشبعت من زوجی غیر الذی یعطینی فقال المتشبع بمالم یعط کلابس ثوبی زور (بخاری، مسلم، مشکوۃ باب عشرۃ النساء)

یارسول اللہ میری ایک سوکن ہے کیا مجھ پر کوئی گناہ ہوگا کہ میں اس کے سامنے اپنے آپ کو سیر ہونا ظاہر کروں کہ یہ مال مجھے خاوند نے دیا ہے حالانکہ اس نے وہ مال مجھے دیا نہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جسے مال نہ دیا جائے اس کا سیر ہو کر دکھانا ایسے ہی ہے جیسے بناوٹی لباس پہننا۔

یعنی اس عورت کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ میں زیادہ زیب وزینت کروں اور اپنے پاس زیادہ مال ظاہر کروں کہ یہ مجھے خاوند نے دیا ہے حالانکہ اس نے دیا تو نہیں لیکن اس طرح میری سوکن جلے گی۔ غیظ و غضب سے پریشان ہوگی۔ اس فعل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ فریب پر محمول کیا ہے اور فرمایا جس طرح کوئی مانگے کپڑے پہنے اور ظاہر کرے یہ تو میرے اپنے ہیں، کسی کے امانت رکھے ہوئے کپڑے پہن لے اور اپنے بتائے جس طرح اس میں دھوکا، فریب ہے اور جھوٹ ہے اسی طرح اس میں بھی جھوٹ فریب ہے۔

البتہ کسی مجبوری پر کسی سے مانگ کر کپڑا استعمال کرنا جائز ہے جب یہ غرض نہ ہو۔

یہ میرا اپنا ہے۔

نیک لوگوں والا لباس پہن کر اپنے آپ کو زاہد، متقی، پارسا ظاہر کرنا اور انکی طرح عمل نہ کرنا بھی فریب کاری ہے۔ایسے ہی لوگ آئے دن بزرگان دین کی بدنامی کا سبب بنتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ لوگوں کا کام ہے کہ اچھے اور برے میں تمیز کریں۔ جھوٹے خدائی کے دعویداروں کی وجہ سے حقیقی خدا کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور جھوٹے نبیوں کی وجہ سے سچے انبیاء کرام کا انکار کرنا جب دانشمندی نہیں تو جھوٹے بناوٹی، شعبدہ باز، لٹیروں، بھنگی، چرسی، بے نماز، شریعت کے باغی ملنگ میراثیوں کی وجہ سے حقیقی پیران عظام، مشائخ کرام، اولیاء عظام کا انکار کرنا بھی حماقت ہے۔ جھوٹے فراڈیوں کی مثالیں پیش کر کے اولیاء کرام سے لوگوں کو برگشتہ کرنے والے احمقوں کی جنت میں بستے ہیں۔

عورت کی چار شادیوں میں مفاسد

چار شادیوں کا مطالبہ کرنے والی فواحش، ڈومنیاں توجہ کریں کہ اگر عورت کو چار شادیوں کی اجازت دے دی جاتی تو " نہ رہے بانس نہ بجے بانسری " والا محاورہ درپیش آتا کیونکہ جب ایک خاوند کو پتہ چلتا کہ میری عورت دوسرے کی بھی زوجہ ہے تو وہ دونوں کو قتل کرنے کے بغیر کبھی چین میں نہ آتا۔

لطیفہ: آج سے تقریباً اٹھارہ سال قبل ایک شیعہ دوست نے مجھ سے سوال کیا تھا کہ تم جو اسلامی نظام کا مطالبہ کرتے ہو اس پر عمل کیسے ہو سکے گا جبکہ تم کہتے ہو کہ چور کا ہاتھ پورا یعنی کلائی کے جوڑ سے کاٹ دیا جائے اور ہماری فقہ جعفریہ کا مسئلہ یہ ہے کہ ہاتھ کی انگلیوں کے صرف پورے (یعنی اگلے سرے) کاٹے جائیں۔ تو میں نے جواباً کہا کہ اس پر عمل کرنا تو بہت آسان ہے اگر اس پر عمل ہو جائے تو انشاء اللہ بہت جلدی تمہیں ہمارے قدموں پر جھکنا پڑے گا اور ہماری فقہ حنفی کو ماننا پڑے گا۔ اس نے کہا وہ کیسے ؟ میں نے کہا بات آسان ہے جو چور کہے میں سنی ہوں اسکے مکمل ہاتھ کاٹ دیں اور جو کہے میں شیعہ ہوں اسکی انگلیوں کے سرے کاٹ دیں۔

یقیناً ہر چور اپنے ہاتھ کو مکمل کاٹنے سے بچانے کے لئے یہی کہے گا میں شیعہ ہوں جب سارے چور شیعہ بنیں گے تو تم بھی کہو گے کہ سنیوں کی فقہ پر عمل کیا جائے ورنہ

سارے چور ہمارے کھاتہ میں ہی آئیں گے اس طرح تو شیعہ بدنام ہو جائیں گے۔ اس جواب پر وہ دوست خاموش ہو کر مسکرانے لگے۔

اسی طرح چار شادیوں کے مزے لوٹنے کی خواہش مند عورتوں کو اگر اس کا سامنا کرنا پڑے تو انہیں سمجھ آئے کہ ان کا کیا حال ہو رہا ہے۔ اسلام کی عطا کردہ عزت پر ہی سر جھکانا عورت کے لئے باعث احترام واکرام ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر عورت کو کئی شادیاں کرنے کی اجازت ہوتی تو اولاد کس کی ہے یہ تعین کرنا ممکن نہ ہوتا۔ ایک بچے کو کئی باپوں کی طرف منسوب کرنا ممکن نہیں۔ وراثت وغیرہ تمام مسائل میں سوائے فتنہ وفساد کے کچھ حاصل نہ ہوتا۔

مرد کی کئی شادیوں میں یہ دشواری نہیں ایک ہی ماں اور ایک ہی باپ ہوگا لیکن عورت کی کئی شادیوں میں ایک ماں اور کئی باپ ہوں گے۔

شادی کرنے کے لئے صرف دیندار عورت کا انتخاب کیا جائے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تنکح المراۃ لاربع لمالھا ولحسبہا ولجمالھا ولدینھا فاظفر بذات الدین تربت یداک" (بخاری، مسلم، مشکوۃ کتاب النکاح)

عام طور پر عورت سے نکاح چار چیزوں کو دیکھ کر کیا جاتا ہے اسکا مال، اور اسکی خاندانی شہرت، اور اسکی خوبصورتی اور اسکی دینداری کو دیکھا جاتا ہے لیکن تم صرف دیندار عورت کو اپنے پاس لانے میں کامیابی حاصل کرو، تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں۔

وضاحت حدیث:

حدیث پاک میں جو لفظ "تربت یداک" استعمال ہوا یہ کبھی تو بددعا کے لئے بھی اہل عرب استعمال کرتے تھے کہ تمہارے ہاتھ خاک آلود ہو جائیں یعنی تم ذلیل ہو جاؤ۔ اگر اس لفظ کا یہاں یہی مطلب لیا گیا ہو تو عبارت محذوف ہوگی، اصل عبارت اس طرح بن سکے گی "صرت محروما من الخیر ان لم تفعل ما امرتک" تم بھلائی سے محروم ہو جاؤ گے اگر تم نے میرے حکم کے مطابق عمل نہ کیا۔ یعنی اگر تم نے دیندار کا انتخاب نہ کیا بلکہ صرف خوبصورت کے متلاشی رہے تو تمہیں دین کی بھلائی حاصل نہیں ہو سکے گی۔

اور کبھی اہل عرب اس لفظ کو ایک محاورہ کے طور پر بھی استعمال کرتے ہیں جس طرح ہم بھی اپنے محاورہ میں خاک چھاننے کا مطلب محنت و مشقت کرنا لیتے ہیں۔ ایسے ہی اہل عرب "تربت یداک" کا معنی محنت کرنا، مشقت کرنا، تلاش کرنا لیتے تھے یعنی تم دیندار عورت کو ہی تلاش کرو اگرچہ تمہیں اس کے لئے کتنی ہی خاک کیوں نہ چھاننی پڑے۔

ذات الدین سے مراد وہ عورت ہے جو مسلمان ہو اور نیک پرہیزگار ہو اور دیندار خاندان کی ہو۔

حضرت ابن ھمام صاحب فتح القدیر نے فرمایا کہ صرف مال، عزت اور دنیاوی شہرت کو دیکھ کر نکاح کرنا منع ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص نے صرف (دنیاوی) عزت کے پیش نظر کسی عورت سے نکاح کیا تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوائے ذلت کے اضافہ کے کچھ حاصل نہیں ہوگا اور اگر کسی شخص نے صرف عورت کا مال دیکھ کر نکاح کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوائے غربت کے اضافہ کے اسے کچھ حاصل نہیں ہوگا، اگر کسی شخص نے صرف خاندانی شہرت کی وجہ سے کسی عورت سے نکاح کیا تو اسے سوائے کمینگی اور گھٹیا پن کے اضافہ کے اللہ تعالیٰ کچھ عطا نہیں کرے گا، اور جو شخص کسی عورت سے نکاح اس لئے کرتا ہے کہ یہ نگاہوں کو نیچے رکھتی ہے یعنی شرم و حیا والی ہے اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والی ہے یعنی پاکدامن ہے اور صلہ رحمی کے لئے یعنی اپنی رشتہ دار عورت سے نکاح کرتا ہے کہ اس سے صلہ رحمی کا ثواب بھی ملے گا تو ایسے نکاح میں اللہ تعالیٰ مرد اور عورت کو برکت عطا فرمائے گا۔

اصل مقصد دینداری ہو اگر دیندار عورت کو جمال، مال اور حسب بھی حاصل ہو تو یہ ایک عظیم نعمت ہوگی۔

حسب کا مطلب یہ ہے کہ کسی انسان میں اسکے آباء واجداد میں اچھی عادات کی شہرت ہو۔ لیکن یہ خیال رہے کہ اگر صرف دنیاداری کے لحاظ سے وہ اچھی عادات ہیں تو صرف ان دنیاداری کی اچھی عادات کی شہرت کو دیکھنا شریعت میں کوئی پسندیدہ فعل نہیں۔ البتہ دینداری کی اچھی عادات کی شہرت تقویٰ ہے جو شریعت میں پسند ہے۔ (مرقاۃ)

عورت کو وراثت میں حصہ کم کیوں ملتا ہے

بیٹی کو بنسبت بیٹے کے آدھا حصہ ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین" (پ ۴) اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت بحیثیت بیٹی ہونے کے اپنے بھائی یعنی باپ کے بیٹے سے نصف حصہ کی حقدار ہے۔

اسی طرح جب میت کی اولاد ہو تو اسکے ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصہ برابر ملے گا لیکن اگر میت کی اولاد نہ ہو اور زوج، زوجہ وغیرہ نہ ہوں صرف ماں باپ ہوں تو کل مال ماں باپ میں تقسیم ہوگا جس کا طریقہ یہ ہوگا کہ ماں کو تہائی حصہ اور باقی مال یعنی دو تہائی باپ کو۔ اس صورت میں عورت بحیثیت ماں کے بھی کم حصہ کی حقدار ہوئی۔

عورت فوت ہو جائے اسکی کوئی اولاد نہ ہو تو اسکے خاوند کو کل مال کا نصف حصہ اور اگر اولاد ہو تو کل مال کا چوتھائی حصہ ملے گا۔ اور اگر خاوند فوت ہو جائے اسکی کوئی اولاد نہیں تو اسکی زوجہ کو مال کا چوتھا حصہ اور اگر اولاد ہو تو آٹھواں حصہ ملے گا۔ اس سے واضح ہوا کہ عورت بحیثیت زوجہ ہونے کے بھی کم وراثت کی حقدار ہے۔ اور اگر مرنے والی کی اولاد بھی نہیں، ماں باپ بھی نہیں زوج / زوجہ بھی نہیں، صرف اسکے سگے بہن بھائی یا باپ شریکے بہن بھائی ہوں تو اس صورت میں بھی بہن کو بھائی سے آدھا حصہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے، وان کانوا اخوۃ رجالا و نساء فللذکر مثل حظ الانثیین (پ ۶) اور اگر بہن بھائی ہوں مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد کا حصہ دو کے برابر۔ یہاں سے واضح ہوا کہ عورت بحیثیت بہن ہونے کے بھی کم حصہ کی حقدار ہے۔

عام طور پر اس مسئلہ کو زیر بحث لایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اسلام میں عورت کے حقوق کا لحاظ نہیں کیا گیا۔ درحقیقت یہ اسلام سے بے خبری کی علامت ہے۔

مسلمان مرد، عورتیں جنہیں علم نہیں ان کے علم کے لئے تو یہ عرض کرنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وراثت کے مسائل کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا، آباءکم و ابناءکم - تا - علیماً حکیماً (پ ۴) تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون زیادہ قریب ہیں تمہارے نفع میں مقرر حصہ اللہ کی طرف سے بے شک اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

یعنی وراثت کی تقسیم تم اپنی عقل سے نہیں کر سکتے تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے ورثاء میں سے تمہارے لئے کون دنیا و آخرت میں زیادہ نفع مند ہے۔ یہ تو میں ہی جانتا ہوں کیونکہ میں علم والا اور حکمت والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں تم کیا جانو۔

اور وراثت کے مسائل کے ذکر میں ہی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، یبین الله لکم ان تضلوا و الله بکل شئی علیم (پ ۶) اللہ تمہارے لئے صاف بیان فرماتا ہے تاکہ کہیں بہک نہ جاؤ اور اللہ ہر چیز جانتا ہے۔

قرآن پاک کے ان الفاظ مبارکہ سے صاف واضح ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو بھٹکنے سے بچانے کے لئے خود قانون وراثت بیان کر دئے کیونکہ وہ بہتر جانتا ہے۔ انسان بھول کر غلط فیصلہ کر سکتا ہے جبکہ رب تعالیٰ بھولنے سے پاک ہے۔ انسان جہالت کی وجہ سے غلط فیصلہ کرنے پر بھٹک سکتا ہے لیکن مالک الملک جہالت سے پاک ہے۔ انسان ظلم کی وجہ سے راہ راست سے بہک سکتا ہے لیکن رب کائنات ظلم سے منزہ و مبراہ ہے۔ انسان طرفداری کی وجہ سے وراثت کو غلط تقسیم کر سکتا ہے لیکن خالق و مالک کا کسی کی طرفداری کرنا وہم و گمان سے دور ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے، عسیٰ ان تکرھوا -تا- و انتم لا تعلمون (پ ۲) قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں پسند آئے اور وہ تمہارے حق میں بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اس آیت کریمہ سے یہ روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو بندوں کے لئے پسند کیا ہے وہی بہتر ہے۔ انسان کی پسند بعض اوقات اس کے لئے نقصان دہ بھی ہو سکتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بندوں کے لئے جس چیز کو ناپسند کرے اس سے انسان کو دور رہنا چاہیئے وہ ہی حقیقت میں انسان کے لئے نقصان کا سبب ہے۔ انسان جس چیز کو ناپسند کرے ضروری نہیں کہ وہ بری ہی ہو، ممکن ہے کہ وہی چیز انسان کے لئے اچھی اور فائدہ مند ہو۔ اور رب قدوس کا ارشاد گرامی یہ ہے، ان الله یحکم ما یرید (پ ۶) بیشک اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے جو چاہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام اور اسکے فیصلوں میں کسی کو دم مارنے کی کوئی مجال نہیں۔ وہ احکم الحاکمین ہے، ساری کائنات کا خالق و

مالک ہے، مخلوق اور مملوک کی کیا حیثیت ہے کہ وہ اپنے خالق اور مالک پر کوئی اعتراض کر سکیں۔

خالق کائنات نے ارشاد فرمایا، ان اللہ یفعل ما یرید (پ ۱۷) بیشک اللہ کرتا ہے جو چاہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ کے مطابق جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے اسکے فعل کو روکنے، منع کرنے کی کسی کو کوئی طاقت حاصل نہیں۔ اسکے ہر فعل میں حکمت ہے کیونکہ وہ حکیم ہے۔ حکیم کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوا کرتا۔ اسکے فعل میں بھول، ظلم، جہالت، بے پرواہی اور عدم توجہی کا کوئی تصور نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے، لا یسئل عما یفعل و ھم یسئلون (پ ۱۷) اس سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے اور ان سب سے سوال ہوگا۔ کیونکہ وہ مالک حقیقی ہے جو چاہے کرے جسے چاہے عزت دے، جسے چاہے ذلت دے، جسے چاہے سعادت دے، جسے چاہے شقی کرے وہ سب کا حاکم ہے کوئی اس کا حاکم نہیں جو اس سے پوچھ سکے۔ کیونکہ سب اس کے بندے ہیں، مملوک ہیں، سب پر اس کی فرمانبرداری اور اطاعت لازم ہے، اس سے توحید کی دلیل بھی مستفاد ہوتی ہے جب سب مملوک ہیں تو ان میں سے کوئی خدا کیسے ہو سکتا ہے۔ (خزائن العرفان)

مسلمان مرد، عورتیں جو علم نہ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے فیصلہ میں شک کرتے ہیں یا شکوہ زبان پہ لاتے ہیں وہ تو انشاء اللہ مندرجہ بالا آیات کریمہ کے مطالب و مفاہیم کو سمجھ کر سر تسلیم خم کریں گے کہ ہاں رب تعالیٰ کے فیصلے ہی بہتر ہیں، حکمت پر مبنی ہیں، وہی حاکم ہے وہی خالق ہے، وہی عالم الغیب والشہادۃ (ہر ظاہر و باطن کو جاننے والا) ہے۔ ہماری سوچ، ہماری پسند، ہمارے فیصلے غلط ہو سکتے ہیں، نقصان دہ ہو سکتے ہیں۔ ہمارے اپنے ہی فیصلے ہمیں تباہی و بربادی کی طرف لے جاسکتے ہیں۔

غیر مسلم یا ان کے پروردہ، ان کے ذہنوں سے مطابقت رکھنے والے، دین اسلام کے باغی، ترقی پذیر ہونے کے مدعی بن کر عریانی، فحاشی اور بے حیائی کا ارتکاب کرنے والے، عورت کو شانہ بشانہ ساتھ رکھنے والے، ہر معاملہ میں عورت کو مرد کے مساوی سمجھنے والے اگر اعتراض کریں تو ان کا اعتراض بھی جہالت اور اسلام کے قوانین سے بے خبری اور ضد بازی اور اسلام کی مخالفت پر مبنی ہے۔

آیئے اسلامی احکام میں مرد اور عورت کی ذمہ داریوں میں فرق کو سمجھئے، ضد و عناد کی عینک کو اتار کر چشم بصیرت سے دیکھئے، کفر والحاد کے زنگ آلود دل کو صاف کیجئے پھر انشاء اللہ اسلام کے سنہری اصول سمجھنے میں کوئی مشکل درپیش نہیں آئے گی۔ اسلامی اصول سورج کی طرح روشن، چاند کی طرح درخشاں، ستاروں کی طرح جگمگاتے ہوئے انوار و تجلیات کی کرنیں بکھیرتے ہوئے نظر آئیں گے۔

نفقۃ الصغیر واجبۃ علیٰ ابیہ (ھدایۃ) چھوٹی اولاد کا خرچ باپ پر لازم ہے۔ یہاں سے واضح ہوا کہ عورت بحیثیت بیٹی ہونے کے بچپن میں اپنا خرچہ باپ سے لے گی نہ کہ ماں سے۔ یعنی چھوٹی اولاد کے خرچ کی ذمہ داری باپ پر ہے ماں پر نہیں۔ ہاں اگر باپ کے پاس کوئی مال نہ ہو اور ماں کے پاس مال ہو تو اس مجبوری اور عذر کی وجہ سے وہ ذمہ داری باپ سے ماں کی طرف منتقل ہو گی۔

النفقۃ واجبۃ للزوجۃ علیٰ زوجہا (ھدایۃ) زوجہ کے خرچ کا ذمہ دار اس کا خاوند ہے۔ یعنی عورت بحیثیت زوجہ ہونے کے خاوند سے اپنا خرچ لے گی۔ خاوند پر واجب ہے کہ وہ اپنی زوجہ کا خرچ ادا کرے لیکن زوجہ پر واجب نہیں کہ وہ اپنے خاوند کا خرچ ادا کرے۔

خاوند اور بیوی کے حقوق کی بحث میں یہ مسئلہ تفصیلاً قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان ہو چکا ہے وہاں دیکھا جائے۔

وفی ظاہر الروایۃ تجب نفقۃ الابنۃ البالغۃ و الابن الزمن علی الاب (از ھدایۃ) ظاہر روایت میں یہی ہے کہ بالغہ بیٹی اور محتاج بیٹے کا نفقہ (خرچ) بھی باپ پر ہی لازم ہے۔ یعنی عورت بالغ ہو جانے کے باوجود جب تک شادی شدہ نہیں ہو جاتی یا شادی کے بعد اسے طلاق دے دی جائے یا وہ بیوہ ہو جائے تو اس کا خرچہ باپ کے ذمہ ہے۔ بیشک وہ صحت مند ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ بیٹا جب بالغ ہو جائے تو اس کا خرچ باپ پر اس وقت لازم ہو گا جب وہ مفلوج ہو جائے، چلنے پھرنے سے عاجز آجائے، ایسے مرض میں مبتلا ہو کہ کاروبار نہ کر سکے۔

وعلی الرجل ان ینفق علیٰ ابویہ و اجدادہ و جداتہ اذا کانوا فقراء و ان خالفوہ فی دینہ (بدایۃ المبتدی)

مرد پر لازم ہے کہ اگر اسکے ماں، باپ اور دادا، دادی اور نانا، نانی خرچ سے تنگ ہوں تو ان کا خرچہ ان کو دے اگرچہ وہ اس کے دین کے بھی مخالف کیوں نہ ہوں۔

یعنی عورت بحیثیت ماں ہونے کے جب تنگ حال ہو تو اپنا خرچہ بیٹے سے لے گی اور بحیثیت دادی ہونے کے جب مالی طور پر پریشان حال ہو تو اپنا خرچ پوتے سے لے گی اور عورت بحیثیت نانی ہونے کے بے خرچ ہو جانے کی صورت میں اپنا خرچہ نواسے سے لے گی، بشرطیکہ اس کے اپنے بیٹے اور پوتے نہیں یا ہیں لیکن خرچ نہیں دیتے۔

و النفقة لکل ذی رحم محرم اذا کان صغیراً فقیراً او کانت امراۃ بالغة فقیرۃ او کان ذکراً بالغاً فقیراً زمناً او اعمیٰ (بدایۃ المبتدی) مرد پر ہر ذی رحم محرم کا نفقہ لازم ہے اگر اس کا قریبی رشتہ دار مذکر ہو نابالغ ہو اسکے پاس اپنا خرچ نہ ہو، یا مذکر بالغ ہو محتاج ہو چلنے پھرنے وغیرہ سے عاجز ہو یا نابینا ہو۔ اور مؤنث رشتہ دار کا نفقہ لازم ہوگا جب وہ بے خرچ ہو اس کا خرچ برداشت کرنے والا اور کوئی نہ ہو۔ بیشک وہ بالغ ہو یا نابالغ ہو۔ بلکہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ ذی رحم ہو محرم نہ ہو تو پھر بھی خرچ ادا کرے جیسے چچازاد ذی رحم ہیں محرم نہیں اور اسی طرح اگر محرم ہو ذی رحم نہ ہو تو محتاجی پر خرچ ادا کرے جیسے دودھ شریکے رشتہ دار محرم ہوں گے لیکن ذی رحم نہیں۔

یہاں سے واضح ہوا کہ عورت اپنی محتاجی اور بے خرچ ہونے کی صورت میں بحیثیت پھوپھی ہونے کے اپنے بھتیجے اور بحیثیت خالہ ہونے کے اپنے بھانجے اور بحیثیت بہن ہونے کے اپنے بھائی بلکہ اپنے دودھ شریکے بھائی یا باپ سے اور اسی طرح اپنے چچازاد سے بھی خرچہ لینے کی حقدار ہے۔

بیوہ عورت کی امداد پر عام مسلمانوں کو بھی برانگیختہ کیا گیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا،

الساعی علی الارملة و المسکین کالمجاھد فی سبیل اللہ و احسبه قال و کالقائم لا یفترو کالصائم لا یفطر (مسلم ج ۲ باب فضل الانفاق علی المساکین)

بیوہ اور مسکینوں کی کفالت کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرنے والے راوی یہ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ وہ شخص قیام کرنے والے (نوافل ادا کرنے

والے) کی طرح ہوگا جو اپنے قیام میں سستی سے کام نہ لے۔ اور روزہ دار جو افطار نہ کرتا ہو (یعنی صائم الدھر) کی طرح ہوگا۔

اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ اگر کوئی عورت بیوہ ہو جائے یا اسکی شادی نہ ہوئی ہو (ارملہ کا لفظ دونوں کو شامل ہے) اور ان کا کوئی کفیل نہیں جو ان کے خرچ کا ذمہ لے تو ایسی صورت میں عام مسلمان انکی کفالت کریں، ان کے خرچ کی ادائیگی کی کوشش کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجاہد، نوافل ادا کرنے والے، ہمیشہ روزے رکھنے والے کی طرح ہی مقبول اور مقرب ہوگا۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ واضح ہوا کہ عورت کسی کے خرچ کی ذمہ دار تو کیا اپنے خرچ کی ذمہ دار بھی نہیں اسکے خرچ کے ذمہ دار مرد ہی ہیں۔ باپ، بیٹا، پوتا، نواسہ، بھائی، بھتیجا، بھانجا، چچازاد وغیرہ۔

عورت کے خرچ کے اتنے ذمہ دار ٹھہرانے کے بعد پھر بھی اسلام نے عورت کو وراثت کا حقدار ٹھہرایا اگرچہ مرد کی بنسبت اسے حصہ کم ہی دیا گیا صرف وراثت کا حقدار ٹھہرانا ہی اسلام کا عورت پہ احسان عظیم ہے۔ جب اسلام نے مرد پر بہت ذمہ داریاں عائد کی ہیں تو مرد کو وراثت میں زیادہ حق دینا بھی انصاف کا تقاضا تھا۔ اب یہ نکتہ بھی روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ جو جانتا ہے وہ انسان نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وراثت کا زیادہ حقدار کون اور اس سے کم حقدار کون۔

غیر مسلم حقیقت پسند لوگ اگرچہ اسلام تو نہ لائے لیکن اسلام کے قوانین کی حقانیت اور نفع مندی کا انکار نہ کرسکے لیکن افسوس ان کے چیلے، چمچے، کھڑچے اسلام کی مخالفت میں ان اپنے گروؤں سے بھی آگے نکل گئے۔

عورت بحیثیت گواہ کے

عورت کی گواہی کی چار قسمیں ہیں (۱) مرد کے برابر (۲) دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر (۳) ایک عورت کی گواہی قابل قبول ہے (۴) عورت کی گواہی قبول نہیں بلکہ مرد کی قبول ہے۔

پہلی قسم

جب عورت کی گواہی مرد کے برابر ہو۔ واذا کان بالسماء علة قبل الامام شھادة الواحد العدل فی رؤیة الھلال رجلا کان او امراة (بدایۃ المبتدی)
جب آسمان ابرآلود ہو یعنی مطلع صاف نہ ہو بلکہ بادل چھائے ہوئے ہوں، گردوغبار ہو تو رمضان المبارک کے چاند کی شہادت ایک عادل شخص کی معتبر ہے، خواہ وہ شہادت دینے والا مرد ہو یا عورت ہو۔
شہادت دینے والے کے لئے عادل ہونا ضروری ہے کیونکہ فاسق کی شہادت دینی مسائل میں غیر معتبر ہے، البتہ فاسق کا سچا ہونا یقینی طور پر سمجھ آجائے تو اسکی شہادت قابل قبول ہے۔

دوسری قسم

دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔ یہ حدود اور قصاص کے علاوہ حقوق مالیہ اور غیر مالیہ میں ہے۔ حقوق مالی میں جیسے قرض وبیع وشراء، اجارہ وغیرہ اور غیر مالی میں جیسے طلاق، نکاح وقف وغیرہ۔
وما سوی ذالک من الحقوق یقبل فیھا شھادة رجلین او رجل وامراتین سواء کان الحق مالا او غیر مال مثل النکاح والطلاق والعتاق والعدة والحوالة والوقف والصلح والوکالة والوصیة والھبة والاقرار والابراء والولد والولاد والنسب ونحو ذالک (ھدایۃ کتاب الشھادات)
حدود وقصاص کے ماسوا حقوق میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی خواہ وہ حقوق مالی ہوں یا غیر مالی جیسے نکاح، طلاق، عتاق (غلام آزاد کرنا)، عدت، حوالہ (کسی کے قرض کو اپنے ذمہ لینا)، وقف، صلح، وکالت، وصیت، ھبہ، اقرار، ابراء (کسی کو قرض وغیرہ سے بری کرنا)، ولد (یہ فلاں کی اولاد ہے)، ولادت (اس عورت کے بچہ / بچی تولد ہوا ہے)، نسب وغیرہ میں۔
البتہ قتل خطاء اور جس قتل میں قصاص لازم نہ ہو ان کو ثابت کرنے کے لئے دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں کی شہادت قابل قبول ہے کیونکہ جب قصاص نہیں تو دیت وغیرہ لازم ہوگی جو مال ہے۔

قال فی الخانیۃ ولو شھد رجل و امراتان بقتل الخطاء او بقتل لا یوجب القصاص تقبل (تکملہ شامی ج ۱ص ۵۰) علامہ قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ اگر ایک مرد دو عورتیں قتل خطاء میں شہادت دیں یا اس قتل میں شہادت دیں جس میں قصاص لازم نہیں آتا (شبہ عمد وغیرہ) تو انکی شہادت قبول کی جائے گی۔

دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں کی گواہی پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی شاہد ہے۔ قرآن مجید میں ہے، و استشھد و اشھیدین-تا-فتذ کراحد ھما الاخریٰ (پ ۳) اور گواہ بناؤ تم دو گواہ اپنے مردوں سے پس اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ان میں سے کہ راضی ہو تم گواہوں میں سے یہ کہ بھول جائے ایک ان میں سے پس یاد دلائے ان میں سے ایک دوسری کو۔

اس ترتیب سے معلوم ہوا کہ بہتر تو یہی ہے کہ مرد ہی گواہ بنائے جائیں کہ انہیں کچہری میں حاضری حاکم کے سامنے گواہی دینا آسان ہو گی، نیز انہیں گواہی دینا عموماً آتی بھی ہے، لیکن اگر دو مرد میسر نہ ہوں یا میسر تو ہوں لیکن کسی مصلحت سے انہیں گواہ نہ بنانا ہو تو ایک مرد دو عورتوں کو گواہ بنا لیا جائے۔ دو عورتوں کو گواہ بنانے کی حکمت بیان کی گئی کہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے کیونکہ عورت کا دل کمزور ہونا اور ڈرنا اسکی فطرتی بات ہے۔ ہو سکتا ہے وہ حاکم کے سامنے ڈر جائے اور بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔ خیال رہے کہ اگر مرد نہ ہو تو عورتیں خواہ کتنی بھی ہو جائیں، انکی گواہی قبول نہیں۔

تیسری قسم

عورت کی گواہی قابل قبول ہے لیکن عام حالات میں مرد کی گواہی قبول نہیں۔ یہ وہ مقامات ہیں جن میں مرد کو مطلع ہونے کی طاقت نہیں جیسے ولادت، بکارت (پردہ بکارت کے قائم ہونے یا نہ ہونے کی شہادت) اور اس قسم کے عورتوں کے حقوق جن پر مرد مطلع نہ ہو سکیں، ان میں صرف ایک عورت کی گواہی قابل قبول ہے۔

و تقبل فی الولادۃ و البکارۃ و العیوب بالنساء فی موضع لا یطلع علیہ الرجال شہادۃ امراۃ و احدۃ لقولہ علیہ السلام شہادۃ النساء جائز فیما لا یستطیع الرجال النظر الیہ (ھدایۃ کتاب الشہادات)

ولادت اور بکارت اور وہ عیوب جو عورتوں میں پائے جاتے ہوں جن پر مردوں کو مطلع ہونے کی طاقت نہ ہو، ان میں ایک عورت کی شہادت قبول ہو گی، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عورتوں کی شہادت وہاں جائز ہے جہاں مرد انہیں دیکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔

لیکن خیال رہے کہ اگر مرد اتفاقی طور پر کسی عورت کے کسی ایسے عیب وغیرہ پر مطلع ہو گیا جہاں اسے قصداً دیکھنا جائز نہیں تھا اس صورت میں وہ گواہی دے سکتا ہے اور اس ایک مرد کی گواہی بھی قابل قبول ہے، لیکن اس نے ارادہ سے دیکھا جبکہ کوئی عذر بھی نہیں تھا تو ایسی صورت میں وہ فاسق ہو جائے گا اسکی گواہی قبول نہیں ہو گی۔ ہاں اگر مرد نے عورت کی ولادت وغیرہ کو ارادہ سے دیکھا لیکن دیکھنے کا عذر تھا تو پھر بھی ایک مرد کی گواہی قبول ہو گی، جیسے ڈاکٹر کو مقام مرض دیکھنا جائز ہے اگر کسی عورت کا آپریشن وغیرہ کرنا پڑا جس میں کوئی عورت یہ کام نہ کر سکتی ہو مرد کے لئے ضروری ہو گیا تھا تو ایسی صورت میں بھی مرد کی گواہی قبول ہو گی۔ (از شامی)

ولو شهد رجل واحد بالولادة يقبل لانه لما قبل شهادة امراة واحدة فشهادة رجل واحد اولیٰ (البحر الرائق ج ۷) اگر (علاج وغیرہ کی غرض سے دیکھنے یا اچانک دیکھنے کی وجہ سے) ایک ہی مرد نے ولادت کی شہادت دی تو وہ قبول ہو جائے گی کیونکہ جب ایک عورت کی شہادت قبول ہے تو ایک مرد کی شہادت تو زیادہ بہتر طریقہ سے قبول ہو گی۔

چوتھی قسم

عورت کی گواہی قبول نہیں بلکہ صرف مردوں کی گواہی قبول ہو گی۔ اسکی پھر دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ چار مردوں کی گواہی قبول ہو گی، دوسری قسم یہ کہ جہاں دو مردوں کی گواہی قبول ہو گی۔

مقدمہ زنا میں چار مردوں کی گواہی ضروری ہے:

اثبات جرم زنا مستوجب حد کے لئے چار مردوں کی گواہی ضروری ہے۔ اگر مردوں کی تعداد چار سے کم ہو یا صرف عورتیں ہوں، خواہ دو مرد اور دو عورتیں ہوں، یا تین مرد

اور ایک عورت ہو، یا تین عورتیں اور ایک مرد گواہ ہوں تو جرم زنا مستوجب حد، ثابت نہ ہوگا۔ قرآن مجید میں فرمایا،

فاستشهدوا علیهن اربعة منكم (پ ۴) ان میں خاص اپنے چار مردوں کی گواہی لو۔

ثم لم یاتوا باربعة شهداء (پ ۱۸) پھر چار گواہ معائنہ کے نہ لائیں (تو ان کو حد قذف لگا دو)

اور احادیث سے بھی ثبوت زنا کے لئے چار مردوں کا گواہ ہونا واضح ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا زنا کے الزام کو ثابت کرنے کے لئے چار گواہوں کا ہونا ضروری ہے؟ "قال نعم" آپ نے فرمایا، ہاں چار گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ (ابو داؤد ج ۲ ص ۲۶۷)

نیز امام قرطبی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، ولابد ان یکون ذکوراً لقوله تعالیٰ "منکم" ولا خلاف فیه بین الامة وان یکون عدولا (تفسیر قرطبی ج ۵ ص ۸۴) یعنی ضروری ہے کہ زنا کے گواہ مرد ہوں اور عادل ہوں اس میں امت کا کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے "منکم" ذکر فرمایا جس میں مذکر کی ضمیر کو استعمال کیا گیا ہے۔ آیۂ کریمہ "فاستشهدوا علیهن اربعة منكم" ذکر کی جاچکی ہے۔

واضح ہوا کہ اثبات زنا موجب حد کے لئے چار مردوں کا ہونا ضروری ہے اور اگر اثبات زنا سے اجراء حد کے بجائے کوئی اور مقصد ہو تو ایسی صورت میں صرف دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کافی ہے۔ مثلاً کسی شخص نے اپنی بیوی کی طلاق کو زنا سے معلق یا مشروط کیا مثلاً یوں کہا، اگر میں زنا کروں تو تجھ کو طلاق، اور بیوی نے یہ دعویٰ کیا کہ میرے شوہر نے زنا کا ارتکاب کیا ہے اور شوہر انکاری ہے مگر بیوی نے ثبوت ارتکاب زنا کے لئے ایک مرد اور دو عورتیں بطور گواہ پیش کردیں تو اس صورت میں ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت زنا کے ثبوت کے لئے کافی ہے اور چونکہ بیوی نے خاوند کا زانی ہونا ثابت کردیا ہے تو شرط پائے جانے کی وجہ سے بیوی پر طلاق ہو جائے گی لیکن شوہر پر زنا کی حد نہیں لگے گی، کیونکہ ثبوت زنا مستوجب حد کے لئے چار مرد گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ البتہ اس شخص کو قاضی رجم کے بجائے جس قدر سخت سے سخت سزا مناسب سمجھے بطور تعزیر دے سکتا ہے۔

و الشهادة علیٰ مراتب منہا الشہادۃ فی الزنا یعتبر فیھا اربعۃ من الرجال (ہدایہ)
شہادت کے مختلف مراتب ہیں ان میں سے زنا کی شہادت میں چار مردوں کا ہونا ضروری ہے۔ اس کے بغیر باقی حدود اور قصاص میں عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں لیکن دو مردوں کی گواہی قبول ہو گی۔ حدود (شراب، قذف، چوری) اور قصاص میں دو مردوں کی گواہی معتبر ہو گی، قصاص میں قصاص نفس و اطراف یعنی اعضاء بھی شامل ہیں۔ قرآن مجید میں فرمایا، و استشھدو اشھیدین من رجالکم (پ ۳) تم اپنے مردوں میں سے دو گواہ بنالو۔ یہ آیت اگرچہ دین کے متعلق نازل ہوئی مگر حکم اس کا عام ہے۔ واضح ہوا کہ حدود و قصاص میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں ہے۔

چنانچہ مصنف امام ابن ابی شیبہ میں امام زہری سے مروی ہے، مضت السنۃ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و الخلیفتین من بعدہ ان لا تجوز شھادۃ النساء فی الحدود (ہدایہ، کتاب الشہادۃ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں خلفاء (حضرت ابو بکر صدیق و حضرت عمر) سے لے کر یہی سنت چلی آرہی ہے کہ حدود میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں ہے۔

نیز امام ابن ابی شیبہ زہری کے علاوہ امام شعبی و امام نخعی و امام ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت کرتے ہیں، لا تجوز شہادۃ النساء فی الحدود (نصب الرایۃ ج ۴ ص ۷۹) حدود میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں۔

واضح ہو کہ زنا کے سوا تمام حدود و قصاص میں دو مردوں کی گواہی ضروری ہے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے لیکن اسی صورت میں اگر اثبات حدود و قصاص کی بجائے کسی دوسرے کے حق کا اثبات مقصود ہو تو ایسی صورت میں ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کافی ہے۔ مثلاً زید نے اپنے غلام کی آزادی کو شرب خمر کے ساتھ معلق کیا۔ مثلاً یوں کہا کہ اگر میں شراب پیوں تو میرا غلام آزاد۔ تو اس صورت میں اثبات جرم کے لئے ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کافی ہو گی اور اس صورت میں غلام آزاد ہو جائے گا مگر زید پر حد شراب جاری نہ ہو گی کیونکہ حدود و قصاص میں دو مردوں کی گواہی ضروری ہے یعنی اثبات شرب خمر مستوجب حد کے لئے دو مردوں کی گواہی ضروری ہے۔ البتہ اس صورت میں قاضی زید کو جتنی چاہے تعزیری سزا دے۔

وصورته كما فی البحر عن الولوالجية رجل قال ان شربت الخمر فمملوكی حر فشهد رجل وامراتان انه شرب الخمر عتق العبد ولا يحد لان هذه شهادة لا مجال لها فی الحدود (تکملہ شامی ج ۱ ص ۴۹)

اسکی صورت بحرالرائق میں ولوالجیہ کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے کہ ایک شخص نے کہا اگر میں شراب پیوں تو میرا غلام آزاد ہے۔ اگر ایک مرد اور دو عورتوں نے اس کے شراب پینے پر شہادت دی تو اس کا غلام آزاد ہو جائے گا اور اسے حد نہیں لگائی جائے گی کیونکہ حد میں عورتوں کی شہادت معتبر نہیں۔ (فیوض الباری شرح بخاری ج ۵)

فائدہ:

مرد عورت سے افضل ہے اسی لئے محض مردوں کی گواہی معتبر اور معاملات میں محض عورت کی گواہی غیر معتبر، بلکہ حدود و قصاص میں مردوں کی گواہی کا اعتبار ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ عورتوں کی عقل بھی ناقص اور دین بھی۔ عقل تو اس لئے کہ ان دو کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے قائم مقام ہے ان میں بھول چوک ہے اور دین اس لئے کہ یہ نماز ہمیشہ نہیں پڑھ سکتیں حیض و نفاس میں اس سے محروم رہتی ہیں۔ (نعیمی پ ۳)

فائدہ:

کمزور حافظہ والے کی گواہی کمزور ہے اس لئے عورت میں دو کی قید لگائی گئی۔ محدثین کمزور حافظہ والے کی حدیث کو ضعیف کہہ دیتے ہیں انکی دلیل بھی آیۃ کریمہ واستشهدوا۔تا۔احداهما الاخرىٰ ہو سکتی ہے۔ (تفسیر احمدی، نعیمی پ ۳)

نیکیوں کے اجر و ثواب میں عورت مرد کے برابر ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے "ومن یعمل من الصالحات من ذکر او انثیٰ وھو مؤمن فاولئک یدخلون الجنۃ ولا یظلمون نقیرا" (پ ۵) اور جو کوئی اچھے کام کرے خواہ مرد ہو یا عورت اور ہو وہ مسلمان تو یہ لوگ جنت میں داخل کئے جائیں گے اور نہیں ظلم کئے جائیں گے کھجور کی گٹھلی کی جھری برابر۔

آیۂ کریمہ میں لفظ "نقیرا" استعمال ہوا ہے جس کا اطلاق کھجور کی گٹھلی کے درمیان نشیب، گڑھے پر اور اسکے اوپر باریک چھلکے پر ہوتا ہے۔ مطلب تقریباً ذرہ بھر، تل بھر یعنی ان پر تل بھر، ذرہ بھر ظلم نہیں کیا جائیگا۔ ایسا نہیں ہوگا کہ کسی کے نیک اعمال ضائع کردئے جائیں ان کا اجر و ثواب نہ دیا جائے۔ نیکیوں کے لئے ایمان شرط اول ہے اور اسی پر موت بھی آئے تو انسان کے لئے نیکیاں باعث اجر و ثواب ہیں۔ یعنی مومن مرد اور عورت فرائض کی تکمیل تو ضرور کریں لیکن جتنی قدر اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں کر سکیں وہ کریں۔

خیال رہے کہ رجل اور امراۃ صرف بالغ مرد و عورت کو کہتے ہیں مگر ذکر و انثیٰ ہر مذکر و مؤنث کو کہتے ہیں خواہ بالغ ہو یا نابالغ یہاں ذکر و انثیٰ فرما کر اشارۃً بتایا کہ نابالغ مرد و عورت کی نیکیاں اگرچہ شرعاً معتبر نہیں، مگر رب تعالیٰ تو اس پر بھی عطا فرمائے گا، جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ چھوٹے بچے کے حج کا ثواب والدین کو بھی ملتا ہے اور بچوں کی تلاوت قرآن سے ماں باپ کی بخشش ہوتی ہے اگر بچوں کی نیکیوں پر ثواب نہ ہو تو یہ نتیجہ کیسے؟

نیز اگرچہ عورت نبوت، امامت، قضا، جہاد، دائمی روزے اور دائمی نماز سے محروم مجبور ہے مگر رب تعالیٰ کے ہاں اپنے نیک اعمال کا اجر و ثواب مرد کے برابر پائے گی۔

نیکیاں کم ہونے کے باوجود عورت جنت میں اپنے خاوند کے ساتھ ہوگی، مرد اور عورت کے لئے مومن ہونا شرط ہے یہ عظیم نعمتیں کافروں کو حاصل نہیں ہوں گی، ان کو صرف دنیا کا مال و متاع دیا جاتا ہے جو جنتی اور اخروی نعمتوں کے مقابلہ میں حقیر ہے۔ اخروی نعمتوں میں بقاء ہے دنیاوی مال و متاع میں فناء ہے۔ (ماخوذ از نعیمی)

○ اور مالک الملک کا ارشاد گرامی ہے "ولا تشتروا بعھد اللہ ثمنا قلیلا - تا - ولنجزینھم

اجرھم باحسن ما کانوا یعملون (پ ۱۴) اور اللہ تعالیٰ کے عہد کو تھوڑی قیمت کے بدلے نہ بیچو، بیشک جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہی بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو۔ جو (مال و زر) تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو (رحمت کے خزانے) اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں وہ باقی رہیں گے۔ اور ہم ضرور عطا کریں گے انہیں جنہوں نے (ہر مصیبت میں) صبر کیا ان کا اجر انکے اچھے (اور مفید) کاموں کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے۔ جو بھی نیک کام کرے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے عطا کریں گے ایک پاکیزہ زندگی اور ہم ضرور دیں گے انہیں ان کا اجر انکے اچھے (اور مفید) کاموں کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے۔

آیات کریمہ کی تفسیر:

ولا تشتروا بعھد اللہ ثمناً قلیلا، اللہ تعالیٰ کے عہد کو تھوڑی قیمت کے بدلے نہ بیچو، ثمن قلیل سے مراد دنیا کا مال و متاع ہے۔ دنیا کا مال و متاع خواہ کتنا کثیر ہی کیوں نہ ہو وہ اخروی نعمتوں کے مقابل قلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے "قل متاع الدنیا قلیل اے محبوب آپ فرما دیں دنیا کا مال قلیل ہے۔ یعنی اگر تمہیں اسلام کے عہد کو توڑنے، اسلامی احکام کی بغاوت پر اکسا کر دنیا کے مال و متاع کی پیشکش کی جائے تو اسے پائے حقارت سے ٹھکرا دو، اسلئے کہ اسلام اور اسکے احکام پر قائم رہنا ہی افضل و اکمل ہے۔ دنیاوی اور اخروی نعمتوں کے فرق کو سمجھو کیونکہ دنیاوی نعمتیں زوال پذیر ہیں، فنا ہونے والی ہیں اور اخروی نعمتیں لازوال ہیں ہمیشہ کے لئے باقی ہیں۔ اور وہی چیز بہتر ہو سکتی ہے جو باقی ہو، فانی کو اس سے کیا نسبت۔ ایک انسان کو مٹی کا پیالہ بطور ملکیت دیا جائے اور سونے کا پیالہ عاریتاً اور کہا جائے تو دونوں میں سے جو چاہے پسند کرلے تو عقل مند انسان یقیناً مٹی کے پیالے کو پسند کرے گا کیونکہ وہ تو اسے مستقل طور پر دیا جا رہا ہے۔ وہ سونے کے پیالے کو کیا کرے گا جو اس سے کچھ دیر کے بعد واپس لیا جانا ہے۔

جو شخص بھی مصائب پر صبر کرے گا اور نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت ہو ان کو ہی حیات طیبہ حاصل ہوگی اور اچھے اعمال کا اجر و ثواب حاصل ہوگا۔

مومن مرد یا عورت کو دنیا میں اور قبر میں اور آخرت میں حیات طیبہ حاصل ہوگی۔ اس

حیات طیبہ کے حصول اور اچھے اجر و ثواب میں مرد عورت کے برابر ہونے کو رب تعالیٰ نے بہت ہی واضح کیا ہے۔ اسلئے کہ لفظ "من" مذکر اور مؤنث کو شامل تھا لیکن اپنی رحمت کی عمومیت اور اپنے فضل و کرم کی وسعت کو کہ یہ میری رحمت اور میرا فضل و کرم سب مذکر و مؤنث کو یکساں حاصل ہوگا اس کو واضح کرنے کے لئے "من ذکر او انثیٰ" کو ذکر کیا۔

مومن مرد اور عورت کو دنیا کی پاکیزہ زندگی حاصل ہونے کی وجوہ

(۱) مومن کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا رزق اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے حاصل ہوتا ہے اور میرا اللہ تعالیٰ محسن و کریم ہے، اس کا ہر کام اور ہر فیصلہ درست ہوتا ہے تو یہ جان کر مومن اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اسکے فیصلوں پر راضی ہوتا ہے اور جانتا ہے کہ اس میں ضرور بر ضرور کوئی نہ کوئی مصلحت ہے، بخلاف جاہل اور کافر کے وہ ان اصولوں سے بے خبر ہوتا ہے اسلئے وہ ہمیشہ غمناک رہتا ہے اور اسکا اللہ کی تقدیر پر ناراض رہنا بد بختی کی علامت ہوتا ہے۔

(۲) مومن ہمیشہ اپنے ذہن میں رکھتا ہے کہ میرے امتحان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصائب و آلام بھی آسکتے ہیں وہ اس تقدیر پر راضی ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہنا انسان پر واجب ہے۔ جب مومن ہمہ وقت اپنے آپ کو مصائب و آلام کے وقوع کے امتحان میں کامیابی کے لئے تیار رکھتا ہے تو اگر اس پر مصائب آجائیں تو اسے کچھ مشکل درپیش نہیں آتی وہ ان کے لئے پہلے ہی تیار ہوتا ہے۔ بخلاف کافر و جاہل کے کہ وہ ان سے بے خبر ہوتا ہے جب کبھی اس پر مصائب کی گھڑیاں آجائیں تو اس کے دل پر پریشانیوں اور غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔

(۳) مومن کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کے انوار سے شرح صدر حاصل ہوتا ہے۔ اس کا دل اللہ تعالیٰ کی معرفت سے پر ہوتا ہے اس میں مصائب کے غم اور فکر کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، لیکن جاہل و کافر کا دل اس معرفت سے خالی ہوتا ہے اسلئے اس دل میں دنیا کی مصائب کا غم سما جاتا ہے، وہ پریشان ہو جاتا ہے۔

(۴) مومن کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں حاصل ہونے والی نعمتیں گھٹیا اور فانی ہیں اسلئے اسے ان کے حاصل ہونے پر کوئی خوشی نہیں ہوتی اور ان کے ضائع

ہونے یا نہ ملنے پر کوئی غم نہیں ہوتا، لیکن کافر وجاہل کو اخروی نعمتوں اور سعادتوں کا نہ علم حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی دنیاوی نعمتوں کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ اسلئے وہ دنیاوی نعمتوں کے حاصل ہونے پر بہت خوش ہوتا ہے اور انکے نہ ملنے اور ضائع ہونے پر بہت پریشان ہوتا ہے۔

(۵) مومن کو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی نعمتوں میں تغیر و تبدل پایا جاتا ہے کیونکہ اسکے آباء واجداد دنیا سے رخصت ہوگئے انکا مال و متاع بطور وراثت اسے مل گیا، کل اس نے بھی دنیا کو چھوڑ جانا ہے یہ مال اوروں نے سمیٹ لینا ہے، اسلئے وہ مال سے محبت نہیں لگاتا، بخلاف کافر وجاہل کے اگرچہ موت کا وہ انکار نہیں کر سکتا لیکن پھر بھی موت اسے یاد نہیں ہوتی جب دنیا کا مال ملتا ہے تو اسے گلے لگا کر اس طرح خوش ہوتا ہے جیسے عاشق معشوقہ کے معانقہ سے خوش ہوتا ہے اور اس کے زوال پر اسکا دل جلتا ہے، مشقتوں اور مصائب و آلام کا بوجھ برداشت کرنے کی وہ طاقت نہیں رکھتا۔

مومن مرد، عورت کو قبر میں حیات طیبہ حاصل ہوتی ہے

مومن مرد اور عورت سے قبر میں جب سوال ہوں گے تو وہ جواب صحیح دے دے گا،

فینادی مناد من السماء ان صدق عبدی فافرشوہ من الجنۃ و البسوہ من الجنۃ فافتحوا لہ باباً الی الجنۃ فیفتح قال فیاتیہ من روحہا و طیبہا و یفسح لہ فیہا مد بصرہ

(مسند احمد، ابو داؤد، مشکوۃ باب اثبات عذاب القبر)

آسمان کی طرف سے ندا دینے والے کی ذات کی طرف سے ندا آئے گی کہ میرے بندے نے سچ کہا ہے اس کے لئے جنت کا بچھونا بچھا دو، اسے جنتی لباس پہنا دو، جنت کا دروازہ اس کے لئے کھول دو، تو اس کے لئے جنت کا دروازہ کھول دیا جائے گا تو اس کے پاس جنت کی ہوا اور خوشبو آئے گی اور اسکی قبر کو انتہاء نظر تک کشادہ کر دیا جائے گا۔

دوسری روایت میں ستر ذراع تک کشادہ کرنے کا ذکر ہے۔ یا تو وہاں حد مراد نہیں بلکہ مطلقاً بہت زیادہ کشادہ کرنا مراد ہے۔ اس طرح دونوں روایتوں کا مطلب ایک ہی ہوگا کہ اسکی قبر کو انتہاء نظر تک کشادہ کر دیا جائے گا۔ یا ممکن ہے کہ لوگوں کے تقوی، نیکی اور خلوص کے لحاظ سے مختلف قسمیں ہونگی کسی کی قبر کو ستر ذراع (نصف گز) کشادہ کر دیا جائے اور کسی کی قبر کو انتہاء نظر تک کشادہ کر دیا جائے۔ قبر کی زندگی کی،

تفصیلی بحث میری کتاب "موت کا منظر مع احوال حشر و نشر" میں دیکھی جائے۔

مومن مرد اور عورت کو اخروی حیات طیبہ کا حصول

انسان کو لافانی یعنی ہمیشہ باقی رہنے والی نعمتیں جنت میں ہی حاصل ہوں گی کیونکہ دنیا کی زندگی نے آخر کار ختم ہو جانا ہے اور رب تعالیٰ سے ملاقات ہونی ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ یا ایہا الانسان انک کادح الیٰ ربک کدحاً فملاقیہ (پ ۳۰) اے انسان بے شک تجھے اپنے رب کی طرف ضرور دوڑنا ہے، پھر اس سے ملنا۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ نسفی فرماتے۔ "جاھد الیٰ لقاء ربک و ھو الموت" یعنی اے انسان بے شک تجھے اپنے رب کی طرف ضرور کوشش کرنی ہے اور مراد اس سے موت ہے۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی معنی پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان کی محنت و مشقت موت تک باقی رہتی ہے کیونکہ انسان تو چاہتا ہے کہ اسکی دنیا کی زندگی اول سے آخر تک اس محنت و مشقت سے جدا نہ ہو، لیکن لفظ "الیٰ" انتہاء مقصد پر دلالت کر رہا ہے کہ اسکی زندگی کا اختتام موت سے ہونا ہے اور اسکے بعد ہی سعادت و رحمت کا حصول ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے "فملاقیہ" کا مطلب ہوگا کہ تو اپنے اعمال جن میں کوشاں رہا انکو پالے گا۔

اس آیۃ کریمہ کے دو معنی اور بھی علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائے ہیں جو تقریباً ایک ہی مطلب پر دلالت کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک معنی بیان کیا "انک کادح فی دنیاک کدحاً تصیر بہ الیٰ ربک" بیشک تو دنیا میں کوشش کرتا رہے گا یہاں تک کہ تیری ملاقات اپنے رب سے ہونی ہے۔ اور دوسرا معنی یہ بیان کیا ہے۔ "ان الکدح ھو السعی فکانہ قال ساع بعملک" یعنی اے انسان تو اپنے اعمال میں کوشش کرتا رہتا ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں، "ای جاھد و مجد جداً فی عملک من خیر و شر طول حیاتک الیٰ لقاء ربک ای الی الموت فملاق لہ عقیب ذالک" یعنی اے انسان تو اپنی ساری زندگی میں اچھے یا برے اعمال میں کوشش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ تیری ملاقات اپنے رب سے ہو یعنی تجھ پر موت آجائے کیونکہ رب تعالیٰ سے ملاقات اسکے بعد ہی ہونی ہے۔

اس آیۂ کریمہ کی تفسیر سے یہ واضح ہوا کہ انسان دنیا میں اپنے اچھے یا برے اعمال میں کوشاں رہتا ہے، لیکن یہ دنیا کی زندگی آخرکار ختم ہونی ہے اور انسان کو موت آنی ہی ہے، رب تعالیٰ سے ملاقات ہونی ہی ہے اور اسی کے بعد انسان کو اچھے یا برے اعمال کی جزا اور سزا ملنی ہے۔

اخروی زندگی مومن کے لئے حیات طیبہ کیوں ہے؟ اسلئے کہ جنت میں جو زندگی حاصل ہوتی ہے اسکے بعد موت نہیں آئے گی، وہاں جو غناء حاصل ہوگا اسکے بعد کوئی احتیاج نہیں۔ وہاں کی صحت پر مرض کے خطرات لاحق نہیں ہوں گے۔ جنتی ملکیت پر کبھی زوال مرتب نہیں ہوگا۔ وہاں کی سعادت پر کبھی شقاوت نہیں آئے گی۔ جب دنیاوی زندگی اور نعمتوں پر زوال آتا رہتا ہے، ان میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ ان میں فنا ہے بقا نہیں تو یقیناً صاحب عقل و خرد کو سمجھنا کوئی مشکل نہیں رہتا کہ دنیاوی زندگی کو اخروی زندگی سے کوئی نسبت نہیں تو حقیقت میں زندگی وہ زندگی ہے اسی کو حیات طیبہ کہا جاسکتا ہے۔ (کبیر، مدارک، روح المعانی)

○ مالک کائنات کا فرمان ذیشان ہے، ان المسلمین و المسلمات -تا- اعد اللہ لھم مغفرۃ و اجراً عظیماً (پ ۲۲) بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں، صابر مرد اور صابر عورتیں، عاجزی کرنے والے اور عاجزی کرنے والیاں، خیرات کرنے والے اور خیرات کرنے والیاں، روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، اپنی عصمت کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والیاں اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں تیار کر رکھا ہے اللہ نے سب کے لئے مغفرت اور اجر عظیم۔

یہ امت جسے خیر الامم (سب امتوں سے بہتر) کے لقب سے نوازا گیا ہے اسکے افکار اور اس کا کردار، نظریات اور اعمال کیسے ہونے چاہئیں۔ اس آیت میں انہیں تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ بتا دیا کہ یہاں مرد اور عورت میں کوئی امتیاز نہیں، اللہ تعالیٰ امت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ و اجمل التحیۃ کے ہر مرد اور ہر عورت کو ان صفات عالیہ سے متصف اور اخلاقی اور عملی لحاظ سے اس مقام رفیع پر فائز دیکھنا چاہتا ہے، یہاں حکم

کی صورت میں ان صفات کو ذکر نہیں کیا کہ یوں کرو اور ایسے بنو، بلکہ حکایتًا بتایا گیا کہ اسلام کے قبول کرنے والے مرد اور عورتیں ایسے ہوا کرتی ہیں۔

(۱) مسلمین اور مسلمات: یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم کے سامنے سر جھکا دینے والے، اپنے ہر کام کو اپنے رب کریم کے سپرد کر دینے والے، سراپا اطاعت و انقیاد، پیکران تسلیم و رضا۔

(۲) مومنین اور مومنات: یعنی اس دین قیم کے ہر حکم کی صداقت اور سچائی کو دل سے ماننے والے، ان کے عمل اور اعتقاد میں تضاد کی بو تک نہیں، جس ضابطہ حیات کے مطابق وہ زندگی بسر کر رہے ہیں دل کی گہرائیوں سے وہ اسکی عظمت اور افادیت کے قائل ہیں، ان کے ہاں کسی ذہنی کشمکش کا نام و نشان تک نہیں۔اس امت کے مرد ہوں یا عورتیں، ان کا عقیدہ بھی ایک ہے اور ان کا عمل بھی یکساں۔

(۳) قانتین اور قانتات: وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگے رہتے ہیں۔ایسا نہیں کہ جی میں آیا تو دست بستہ حاضر ہو گئے اور جی نہ چاہا تو ہفتوں غیر حاضر رہے۔قنوت ایسی اطاعت کو کہتے ہیں جس میں نافرمانی کی آمیزش نہ ہو۔

القنوت: القیام بالطاعة التی لیس معہا معصیة (لسان العرب)

(۴) صادقین اور صادقات: وہ قول میں بھی سچے ہیں اور عمل میں بھی کھرے ہیں، نہ انکی زبان پر ایسی بات آتی ہے جس میں کذب بیانی سے کام لیا گیا ہے اور نہ ان کے عمل میں کھوٹ پن کی ملاوٹ پائی جاتی ہے۔

(۵) صابرین اور صابرات: جس راہ کو انہوں نے حق یقین کر لیا ہے اور جو منزل انہوں نے اپنے لئے مقرر کی ہے اسکی طرف ثابت قدمی سے بڑھے چلے جا رہے ہیں۔راہ میں پیش آنے والی مشکلات نہ انہیں ہراساں کر سکتی ہیں اور نہ منزل سے رخ موڑنے پر مجبور کر سکتی ہیں، نہ وہ نیک اعمال میں سستی کرتے ہیں اور نہ اپنا دامن گناہوں سے آلودہ ہونے دیتے ہیں۔وہ بڑی سختی سے اپنے طے کئے ہوئے لائحہ عمل پر کاربند ہیں اور بڑے ذوق و شوق سے اپنی منزل کی طرف رواں ہیں۔

(۶) خاشعین اور خاشعات: اس کے باوجود غرور و نخوت کی انہیں ہوا تک نہیں لگی،

عجز وانکسار ان کا شیوہ ہے جلوت و خلوت میں یہی ان کا شعار۔

(۷) متصدقین اور متصدقات: اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے رہتے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرنے اور صدقات دینے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیتے۔ اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے مال سے اسکی راہ میں خرچ کرنا اپنے لئے باعث سعادت تصور کرتے ہیں۔

(۸) صائمین اور صائمات: فرض روزے بھی رکھتے ہیں اور نفلی روزے رکھنے کا شوق بھی دامنگیر رہتا ہے۔

(۹) الحافظین اور الحافظات: اپنے دامن عصمت کو آلودہ نہیں ہونے دیتے جذبات کتنے شدید ہوں ماحول کتنا رومان انگیز ہو (فرضی داستانوں پر مبنی) یہ اپنے رب کی حکم عدولی کی جرات نہیں کرتے۔ مدعا یہ بھی ہے کہ ان تمام ذرائع سے کلیتاً اجتناب کرتے ہیں جو اس فعل بد کے ارتکاب کا ذریعہ یا محرک بنتے ہیں۔

(۱۰) ذاکرین اور ذاکرات: آخر میں سب سے اہم اور جامع صفات کا ذکر فرما دیا کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں محو رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یاد کا شوق کبھی مدہم نہیں پڑتا۔ سوتے، جاگتے، اٹھتے، بیٹھتے، لین دین کرتے ہوئے، ہل چلاتے ہوئے، دفتر میں اپنے فرائض انجام دیتے ہوئے غرضیکہ زندگی کی ہر ضرورت کو پورا کرتے ہوئے وہ اپنے رب کی یاد میں کوشاں رہتے ہیں۔

حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی مجھے پہنچا ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ذاکر اللہ فی الغافلین کالمقاتل خلف الفارین و ذاکر اللہ فی الغافلین کغصن شجر اخضر فی شجر یابس و ذاکر اللہ فی الغافلین مثل مصباح فی بیت مظلم و ذاکر اللہ فی الغافلین یریہ اللہ مقعدہ من الجنۃ و ھو حی (رواہ رزین، مظہری)

غافل لوگوں میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والا ایسا ہے جس طرح میدان جنگ سے بھاگنے والوں میں مجاہد ہوا کرتا ہے، جس طرح خشک درخت میں سبز شاخ، جس طرح اندھیرے گھر میں روشن چراغ اور غافلوں میں اللہ تعالیٰ اپنے ذکر کرنے والے کو اس زندگی میں ہی جنت میں اس کا محل دکھا دیتا ہے۔

آپ نے ان صفات کا تفصیل سے مطالعہ کر لیا جو ایک مومن مرد اور عورت میں پائی

جاتی ہیں اب آپ خود ہی فیصلہ فرمائیے کہ جس امت کے مرد و زن کا یہ کردار ہو اور جس معاشرہ میں ان اخلاقی قدروں کی بالادستی ہو، وہ امت کتنی عظیم ہو گی اور معاشرہ کتنا پاکیزہ ہوگا۔ (ضیاء القرآن)

یہاں تک بیان کردہ بحث سے واضح ہوا کہ مرد اور عورت نیکیوں اور اجر و ثواب میں برابر ہیں۔ یہ اس صورت میں ہے جب عورت نیک عمل کرے اور اگر کسی شرعی عذر کی وجہ سے نیک عمل کر ہی نہ سکے اس وجہ سے اسکے دین میں کمی آنے کا ذکر انشاء اللہ آگے آئے گا۔

مرد، عورت بحیثیت انسان برابر ہیں

رب قدوس کا ارشاد گرامی ہے، یایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی -تا- ان اللہ علیم خبیر (پ۲۶)

اے لوگو ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنا دیا ہے تمہیں مختلف قومیں اور مختلف خاندان تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، تم میں سے زیادہ معزز اللہ کی بارگاہ میں وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔

اس آیۂ کریمہ سے واضح ہوا کہ تمام مرد اور عورت ایک ہی ماں باپ (یعنی حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا رضی اللہ عنہا) کی اولاد ہونے کے لحاظ سے برابر ہیں صرف تقوی اور پرہیزگاری سے ہی کسی کو بلند رتبہ حاصل ہو سکتا ہے۔

اگرچہ میرے موضوع سے متعلق تو بات اتنی ہی تھی لیکن اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں مفکر اسلام مفسر قرآن حضرت پیر کرم شاہ صاحب الازہری نے جو تفصیلی بحث فرمائی ہے اس کا ذکر کرنا بھی بہت ہی مفید ہے، حضرت کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

دور جاہلیت کے عرب دیگر گوناگوں خرابیوں کے ساتھ ساتھ تفاخر کی بیماری میں بری طرح مبتلا تھے وہ اپنے آپ کو برتر، اشرف اور اعلیٰ خیال کرتے، ان سب میں قریش کے فخر و مباہات کی شان ہی الگ تھی۔ جب مکہ فتح ہوا اور اسکی فضاؤں میں اسلام کا پرچم لہرانے لگا تو حضور نے حضرت بلال کو یاد فرمایا اور حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر چڑھ جاؤ اور اذان دو۔ تعمیل ارشاد میں بلال نے کعبہ کے اوپر چڑھ کر اذان دینی شروع کی تو شرفاء قریش پر کوہ الم ٹوٹ پڑا ان کے دلی حزن و ملال کا اندازہ اس مکالمہ سے لگائیے جو

ان میں ہوا۔

عتاب ابن اسید بولا اللہ کا شکر ہے میرا باپ یہ روح فرسا منظر دیکھنے سے پہلے مر گیا، حارث ابن ہشام کہنے لگا اس کالے کوے کے بغیر محمد (فداہ ابی وامی) کو اور کوئی مؤذن نہیں ملا، سہیل ابن عمرو نے کہا جیسے اللہ کی مرضی، ابو سفیان نے کہا میں تو کچھ نہیں کہتا ایسا نہ ہو کہ ہماری اس گفتگو پر اللہ تعالیٰ اس کو آگاہ کر دے۔ اسی وقت یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی اور ان کے اس زعم باطل کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔

تفاخر کا یہ نظریہ فقط جاہل اور غیر مہذب عربوں تک ہی محدود نہ تھا بلکہ روئے زمین پر جو متمدن اور شائستہ قومیں آباد تھیں وہ سب کسی نہ کسی صورت میں اس بیماری میں مبتلا تھیں، کہیں اپنی نسل اور قومیت پر فخر کیا جاتا تھا کہیں ان کے وطن کی سرزمین ان کی بڑائی اور برتری کا باعث تھی، کہیں زبان و رنگ وجہ افتخار بنے ہوئے تھے، اس فاسد نظریہ نے مختلف قوموں کو متحارب گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ہر قوم اپنی نسلی شرافت اور اپنے خطہ زمین کی عظمت کے باعث اپنا یہ حق سمجھتی تھی کہ وہ دوسرے ممالک کو تاخت و تاراج کر دے، انکی دولت کو لوٹے، ان کے باشندوں کو اپنا غلام بنائے اور انہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرے۔ اس شرانگیز نظریہ کے باعث جنگ و جدال کا لاانتہاہی سلسلہ جاری رہا اور شرف انسانی کی قبا تہذیب و تمدن کے علمبرداروں کے ہاتھ تار تار ہوتی رہی، یہ گمراہیاں صرف اس زمانہ میں ہی موجود نہ تھیں جنہیں ازمنہ مظلمہ کہا جاتا ہے بلکہ آج بھی ان کی ہلاکت آفرینیوں سے انسان کی جبین شرم کے مارے عرق آلود رہتی ہے، بھارت جسے دنیا بھر میں سب سے بڑا جمہوری ملک ہونے کا دعوی ہے، وہاں آج بھی طبقاتی امتیازات جوں کے توں قائم ہیں، بھارت کے طول و عرض میں اس بیسویں صدی میں بھی اچھوت نہ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے مندروں میں جا کر پوجا پاٹ کر سکتے ہیں اور نہ ہی ان کے کنوؤں سے پانی بھر سکتے ہیں۔ امریکہ میں بے شمار ہوٹل ایسے ہیں جن کے دروازوں پر جلی حروف میں لکھا ہوتا ہے "ریڈ انڈین (وہاں کے اصل باشندے) اور کتے داخل نہیں ہو سکتے" سفید باشندوں کے سکول اور کالج تک مخصوص ہیں جہاں سیاہ فام حبشی تعلیم حاصل نہیں کر سکتے، اپنی قومی برتری کا یہ غرور تھا جس نے جرمن قوم میں ہٹلر کا روپ اختیار کیا اور کروڑوں

انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

وطنیت، قوم، رنگ، نسل اور زبان کے بتوں کی پوجا آج بھی اسی زور و شور سے ہو رہی ہے، اس مختصر سی آیت میں ان تمام بنیادوں کو منہدم کر کے رکھ دیا جن پر مختلف قوموں نے اپنی اپنی برتری اور شرافت کے ایوان تعمیر کر رکھے تھے۔

فرمایا، اے لوگو تم ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں کی اولاد ہو، تمہاری نسل کا سلسلہ اس ایک اصل سے جا کر ملتا ہے۔ تمہارا خالق بھی ایک ہے، تمہارا مادہ تخلیق بھی یکساں ہے، تمہاری پیدائش کا طریقہ بھی ایک جیسا ہے، اتنی بڑی یکسانیتوں کے باوجود تمہارا ایک دوسرے پر برتری کا دعوی سراسر کم فہمی اور نادانی ہے۔ اولاد آدم کا مختلف شعوب و قبائل میں بٹنا اس لئے نہیں کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کو حقیر سمجھے اور اپنے آپ کو اشرف و اعلیٰ خیال کرے بلکہ اس لئے ہے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو اور باہمی معاملات میں گڑبڑ پیدا نہ ہو۔ الشعوب رؤس القبائل مثلاً ربیعہ، مضر، الاوس والخزرج۔

شعوب کا واحد شعب ہے۔ وہ ایسے اصل کو کہتے ہیں جس سے کئی قبیلے نکلتے ہوں، انکی ترتیب یہ ہے شعب، قبیلہ، فصیلہ، عمارہ، بطن اور فخذ۔ کسی خاندان میں پیدا ہونا، کسی زمین کا باشندہ ہونا اور چہرے کی کوئی خاص رنگت اس میں انسان کی اپنی کوشش اور سعی کو کوئی دخل نہ تھا اسی لئے قرآن کریم نے اس کو وجہ افتخار قرار نہ دیا، البتہ ایک چیز ہے جس سے انسان کا مرتبہ دوسرے لوگوں سے برتر اور اعلیٰ ہو جاتا ہے اور اس میں انسان کی ذاتی کوششوں کا بھی دخل ہے اور وہ ہے تقوی۔

تقوی کی بناء پر جو معزز و محترم ہوگا وہ فخر و غرور سے یکسر پاک ہوگا اور ایسے شخص کا وجود نہ صرف اپنے ملک اور قوم کے لئے باعث خیر و برکت ہوگا بلکہ تمام نوع انسانی اسکے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتی رہے گی۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر بڑے اثر انگیز انداز میں اس حقیقت کو بیـ رمایا ہے، چند ارشادات نبوی سماعت فرمائیے۔

فتح مکہ کے دن حضور نے اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار ہو کر طواف کیا، مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، اونٹنی کے بیٹھنے کے لئے بھی جگہ نہ تھی حضور لوگوں کے بازوؤں کا

سہارا لے کر اونٹنی سے اترے۔ حضور نے خطبہ ارشاد فرمایا، یا ایھا الناس ان اللہ تعالیٰ قد اذھب عنکم عیبۃ الجاھلیۃ و تعظمہا بآبائھا فالناس رجلان، رجل بر تقی کریم علی اللہ تعالیٰ و رجل فاجر شقی ھین علی اللہ تعالیٰ الناس کلھم بنو آدم و خلق اللہ آدم من تراب (بیہقی شعب الایمان، ترمذی)

سب تعریفیں اللہ کے لئے جس نے تم سے عہد جاھلیت کی خامیاں دور کردیں اور تمہیں تکبر سے پاک کردیا۔ اے لوگو انسانوں کے بس دو ہی گروہ ہیں، ایک نیک متقی جو اللہ کے نزدیک محترم ہے دوسرا بدکار، بدبخت جو اللہ کے نزدیک حقیر ہے ورنہ سارے انسان آدم کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے پیدا فرمایا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر حضور نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا، یا ایہا الناس الا ان ربکم واحد لا فضل لعربی علیٰ عجمی و لا لعجمی علیٰ عربی، و لا لاسود علیٰ احمر و لا لاحمر علیٰ اسود الا بالتقویٰ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم، الاھل بلغت قالو ابلیٰ یا رسول اللہ قال فلیبلغ الشاھد الغائب (بیہقی)

اے لوگو تمہارا رب ایک ہے، کسی عربی پر عجمی، کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں نہ کسی کالے کو سرخ پر اور نہ کسی سرخ کو کالے پر برتری حاصل ہے بجز تقویٰ کے۔ اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہوگا۔ لوگو کیا میں نے اللہ کا حکم پہنچا دیا؟ سب نے بیک زبان ہو کر کہا یارسول اللہ بے شک آپ نے پہنچا دیا۔ فرمایا جو یہاں موجود ہیں وہ یہ حکم ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔

کلکم بنو آدم و آدم خلق من تراب و لینتھین قوم یفرخون بآبائھم او لیکونن اھون علی اللہ من الجعلان (بزاز) تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا، لوگ اپنے باپ دادا پر فخر کرنے سے باز آجائیں ورنہ وہ اللہ کے نزدیک گوبر کے کالے کیڑے سے بھی حقیر و ذلیل ہوں گے۔

ان اللہ لا یسئلکم عن احسابکم و لا عن انسابکم یوم القیامۃ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم (تفسیر ابن جریر) اللہ تعالیٰ روز محشر تم سے تمہارے حسب و نسب کے بارے میں بازپرس نہیں کرے گا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ محترم وہ ہوگا جو زیادہ متقی ہوگا۔

ان اللہ لاینظر الیٰ صورکم و اموالکم ولکن ینظر الیٰ قلوبکم و اعمالکم (مسلم)
اللہ تعالیٰ تمہاری شکلوں اور مالوں کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔

قرآن کریم کی اس تعلیم اور نبی کریم کے ان ارشادات کا اعجاز تھا کہ ایک ایسی امت معرض وجود میں آگئی جن کے نزدیک عظمت و بزرگی کا معیار فقط تقویٰ اور پارسائی تھی باقی تمام جھوٹے امتیازات مٹ گئے فخر و مباحات کے جملہ اسباب کا قلع قمع ہو گیا۔ (ضیاء القرآن)

تنبیہ:
اگر عمل بھی نیک ہوں اور حسب و نسب بھی اعلیٰ ہو تو یقیناً اس شخص کو برتری حاصل ہے لیکن پھر بھی تکبر و فخر کے بجائے نعمت باری تعالیٰ کا شکر گزار رہے۔ سادات خاندان سے تعلق ہو اور تقویٰ بھی حاصل ہو ایسے ہی ہاشمی، عباسی، قریشی وغیرہ نیک اعمال کے ساتھ بنسبت دیگر اقوام کے بلند و بالا ہیں۔ لیکن معیاری اور بنیادی حیثیت صرف تقویٰ کو ہی حاصل ہے۔ صرف حسب و نسب پر بغیر تقوی کے ناز کرنا بلا سود (نفع مند نہیں) ہے، جسکی کوئی حیثیت نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انا ابن عبد المطلب میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔ آپ کا یہ ارشاد اللہ تعالیٰ کی نعمت کے شکریہ کے طور پر ہے فخر کے طور پر نہیں۔ اور آپ نے فرمایا "انا سید ولد آدم ولا فخر" میں اولاد آدم کا سردار ہوں مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔

ان المفاخرة نوعان مذمومة و محمودة فالمذموم منها ما کان علیها الجاھلیة من الفخر بالاباء و الانساب للسمعة و الریاء و المحمود منها ما ضم مع النسب الحسب فی الدین لا ریاء بل اظہار آلا نعمہ تعالیٰ (مرقاۃ ج ۹ باب العصبیۃ والمفاخرۃ)

حسب نسب کے فخر کی دو قسمیں ہیں ایک اچھی اور دوسری بری۔ برا فخر یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت کی طرح ریاء کاری اور اپنا چرچا کرنے کے لئے اپنے خاندانی نسب کو بیان کرے۔ اور اگر ریاکاری کی غرض نہ ہو بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی نعمت کے اظہار کے لئے نسب کے ساتھ دینی حسب یعنی تقوی کو ذکر کرے تو یہ ذکر اچھا ہے۔

نیک عورت کا بلند مقام

ان نساء الدنیا یکن فی الجنۃ افضل من الحور لصلوتھن و صیامھن (مرقاۃ ج ۴ باب المشی بالجنازۃ والصلوۃ علیہا)

بے شک دنیا کی عورتیں جنت میں حوروں سے افضل ہوں گی کیونکہ انہوں نے نمازیں ادا کیں اور روزے رکھے۔

حدیث پاک سے واضح ہوا کہ یہ مقام نیک عورتوں کا ہے۔ کیونکہ اس مقام کے لئے ان کا نمازی ہونا اور روزہ دار ہونا ذکر کیا گیا ہے۔ اور نیکیوں کی وجہ سے ہی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کا جنت میں جانا ہوگا۔

○ الدنیا کلھا متاع و خیر متاعہا المراۃ الصالحۃ - دنیا پوری کی پوری سرمایہ ہے اور اس سرمایہ کا سب سے بہتر حصہ صالح عورت ہے۔ (فیوض الباری شرح بخاری ج ا ص ۵۸)

اس حدیث پاک سے بھی پتہ چلا کہ نیک عورت دنیا میں عظیم سرمایہ ہے۔ نیک عورت کا ساتھ مل جائے تو وہ انسان خوش قسمت ہے۔ اسے اپنا گھر دنیا میں ہی جنت کی طرح آرام دہ، پرسکون نظر آتا ہے۔

فائدہ جلیلہ:

ولھم فیھا ازواج مطہرۃ وھم فیھا خالدون (پ ا) اور ان کے لئے اس میں (جنت میں) بیویاں پاک وصاف وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ازواج جمع ہے زوج کی جس کا معنیٰ ہے جوڑا، یہ لفظ شوہر اور بیوی دونوں پر بولا جاسکتا ہے مگر یہاں بیویاں ہی مراد ہیں، کیونکہ ھم کی ضمیر مذکر ہے اور آگے مطہرۃ جو کہ ازواج کی صفت ہے وہ مؤنث ہے۔ چونکہ شوہر بیوی کا گویا مالک ہوتا ہے اور بیوی شوہر کے لئے نعمت الہیٰ ہے، اس لئے جنت کی عورت کو خواہ وہ حوریں ہوں یا دنیاوی بیویاں وہاں کی نعمتوں میں شمار کیا گیا۔

خیال رہے کہ جو عورت جس مسلمان کے نکاح میں مرے گی وہ جنت میں اسی کے ساتھ رہے گی، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ جنت میں حضور کے لئے خاص ہیں۔ اور جس عورت کا شوہر کافر ہوکر مرا یا جو

عورت کنواری ہی مر گئی ان کا نکاح جنتیوں میں سے کسی سے کرا دیا جائے گا، جو جنت کے بھرنے کے لئے پیدا کئے جائیں گے اور جس کی بیوی کافر ہو کر مری یا کنوارا ہی مر گیا اسکے نکاح میں صرف حوریں ہوں گی اور جس کی بیوی بھی مسلمان مرے وہ جنت میں اپنی اس بیوی کو بھی پائے گا اور حوروں کو بھی لیکن وہاں یہ دنیاوی بیویاں حسن و جمال میں حوروں سے کسی طرح کم نہ ہوں گی۔ روایات میں آیا ہے کہ حضرت مریم عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور حضرت آسیہ فرعون کی بیوی جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں گی۔ جنت میں ایک مرد کو چند بیویاں دی جائیں گی مگر ایک عورت کو چند مرد نہیں کہ یہ بے حیائی ہے، ایک مخدوم کے چند خادم ٹھیک ہیں مگر ایک خادم کے چند مخدوم ٹھیک نہیں۔ ہاتھ میں انگوٹھا جو نر ہے ایک ہے انگلیاں جو مادہ ہیں وہ چند اسی لئے "لھم ازواج" ارشاد ہوا۔ نیز حور جو انسان نہیں ان کا نکاح انسانوں سے ہو سکے گا، دنیا میں نکاح کے لئے ہم جنس ہونا شرط ہے کہ انسان کا نکاح غیر انسان سے نہیں۔

خیال رہے کہ وہاں کی بیویاں قیامت کے بعد جنت میں پہنچ کر ہی ملیں گی۔ حضرت آدم و ادریس علیہما السلام اگرچہ جنت میں رہے وہاں سب کچھ کھایا پیا مگر حوروں سے بے تعلق رہے، حضرت مریم نے دنیا میں جنتی میوے کھائے اسلئے ازواج کے لئے فیھا فرمایا کہ ازواج جنت میں داخل ہونے کے بعد ملیں گی لیکن پھلوں کے لئے یہ نہیں کہا کہ جنتی پھل جنت میں داخل ہونے کے بعد ملیں گے۔

مطھرۃ: اس سے معلوم ہوا کہ عورتیں خواہ حور ہوں خواہ دنیا کی عورتیں ہوں جنت میں تمام ظاہری اور باطنی عیبوں اور گندگیوں سے بالکل پاک ہوں گی یعنی حیض و نفاس، پیشاب، پاخانہ، منی، تھوک، میل کچیل ہر قسم کی بیماری وغیرہ سے بھی پاک ہوں گی اور بد خلقی، سخت زبانی، نافرمانی وغیرہ سے بھی ایک دم دور، ان کے چہرے کا نور آفتاب کی روشنی کو شرما دے گا۔

ھم فیھا خالدون: وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے یعنی وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے اور کبھی نہ مریں گے کیونکہ انکے جسم پر روحانیت غالب ہو گی نہ کہ عنصریت اور فنا عنصریت کے لئے ہے نہ کہ روح کے لئے۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ جنتی مرد، عورتیں ہمیشہ

پینتیس سال کے جوان رہیں گے۔ قدرتی طور پر کسی کی داڑھی نہیں ہوگی سب کی آنکھیں قدرتی سرگیں ہوں گی، نہ کبھی بوڑھے ہوں گے نہ دبلے پتلے اور نہ کمزور اور نہ انکے کپڑے کبھی میلے ہوں گے۔ (روح البیان، تفسیر نعیمی)

اسلام نے عورت کو کتنا احترام دیا

قرآن پاک میں حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں ذکر فرمایا، وراودته التی هو فی بیتها عن نفسه (پ ۱۲) اور بہلانے پھسلانے لگی انہیں وہ عورت جس کے گھر میں آپ تھے کہ ان سے مطلب برآری کرے۔

اس آیۃ کی تفسیر میں جلالین میں ذکر کیا گیا ہے کہ عورت سے مراد زلیخا ہے۔ پھر اسکی تفسیر میں صاوی نے وجہ بیان کی کہ نام کیوں نہیں ذکر کیا۔

ولم یصرح باسمها استهجاناً له وستراً وتعلیماً للادب کان الله یقول من الاداب ان لا یذکر احد زوجته باسمها بل یکنی عنها ولم یذکر فی القرآن اسم امرأة الا مریم لان النصاریٰ زعموا انها زوجة الله فذکرها باسمها رداً علیهم (صاوی، حاشیہ جلالین)

اس عورت کا نام ظاہر طور پر ذکر نہیں کیا اسلئے کہ ذکر کرنا مناسب نہیں تھا۔ پردہ پوشی زیادہ مناسب تھی، اور ساتھ ساتھ ادب سکھانے کے لئے بھی ظاہر طور پر نام نہیں ذکر کیا۔ گویا رب قدوس آداب سکھاتے ہوئے یہ ارشاد فرما رہا ہے کہ کوئی آدمی اپنی زوجہ کو اس کا نام لے کر نہ ذکر کرے بلکہ کنایتاً (یعنی ظاہر نام کے بغیر کوئی اور الفاظ استعمال کئے جائیں جن سے پتہ چل جائے کہ یہ اپنی زوجہ کا ذکر کر رہا ہے) ذکر کرے۔

قرآن پاک میں سوائے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے کسی عورت کا نام ذکر نہیں کیا گیا، ان کے نام کو بھی ذکر اسلئے کیا گیا ہے کہ جب نصاریٰ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی زوجہ گمان کرنا شروع کر دیا تو رب تعالیٰ نے ان کے رد میں حضرت مریم کے نام کو ذکر کر کے اشارہ فرما دیا کہ اگر مریم میری زوجہ ہوتی تو میں اس کا نام قرآن میں ذکر نہ کرتا۔

خیال رہے کہ ادب کا تقاضا یہی ہے کہ اپنی زوجہ کے بغیر اور عورتوں کے نام بھی مردوں کی محفل میں استعمال نہ کئے جائیں۔ ہاں البتہ تعلیم کے لئے نام لینے کے بغیر مقصد کا حصول نہیں۔ امہات المومنین یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے فضائل بیان کرنے مقصود ہوں یا حضور کی بیٹیوں کا تذکرہ مقصود ہو،

اسی طرح اور صحابیات، تابعیات یا کسی ولی عورت کا ذکر کرنا ہو تو یقیناً نام لینا پڑے گا۔ اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ نیک لوگوں کا تذکرہ، ان کے فضائل سے لوگوں کو آگاہ کرنا کار ثواب ہے۔

ایسے ہی اگر کوئی شخص اپنی کسی رشتہ دار عورت سے نکاح کرتا ہے جس کو وہ شادی سے پہلے نام لے کر پکارتا رہا، اب شادی کے بعد عادتاً اس کا نام ہی لے رہا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں البتہ پھر بھی اجنبی لوگوں کی محفل میں نام لے لے کر تذکرہ ادب کے خلاف ہوگا۔

فیشن کے طور اپنی زوجہ کا نام عام محافل میں ذکر کرنا برا ہے، اس سے اجتناب ضروری ہے۔

فیشن کی تعریف:

آسان الفاظ میں فیشن کی تعریف یہ ہے کہ ہر وہ کام جو شریعت کے خلاف ہو، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے خلاف ہو وہ فیشن ہے۔

مرد، عورت کو ناخن کٹانے کا شریعت نے حکم دیا، ناخن بڑھانا فیشن، بازاروں اور گلیوں میں چلانا اور بلند آواز سے قہقہے لگانا شریعت نے منع کیا اور فیشن نے ایسا کرنے کا حکم دیا۔ فحش کلامی، بے ہودگی سے شریعت نے منع کیا، فیشن نے ان کے کرنے کا سبق سکھایا۔ عورتوں کو اجنبی لوگوں سے میل جول سے شریعت نے روکا، فیشن نے کہا اجنبی لوگوں سے ملنے کے بغیر زندگی کا مزہ ہی نہیں۔ شریعت نے مردوں کے ہجوم میں پھنسنے سے منع کیا، فیشن نے کہا زندگی کے مزے لوٹنے ہیں تو مردوں کے ہجوم میں اپنے آپ کو پھنسا کر، ان کے سامنے سینہ تان کر ان سے خطاب کرو۔ شریعت نے کہا اے عورت سر ڈھانپ کر رکھ، فیشن نے کہا سر ننگا رکھ، شریعت نے کہا اے عورت گریبان نہ کھول، فیشن نے کہا جتنا زیادہ گریبان کھولے گی اتنا ہی زیادہ تیرے حسن میں نکھار آئے گا۔ شریعت نے کہا اے عورت بازو ننگے نہ کر، فیشن نے کہا جب تک تو بازو ننگے کر کے بازاروں میں نہیں پھرے گی تیرے اندرونی جسم کی خوبصورتی سے لوگ کیسے واقف ہوں گے۔

یہ تو چند مثالیں بطور نمونہ تھیں ورنہ اکثر طور پر کئے جانے والے کام جو فیشن کے مطابق

ہیں وہ شریعت کے خلاف ہیں ہاں البتہ پانچ فیصد کام فیشن کے تقریباً شریعت کے مخالف نہیں جیسے سوٹ کا رنگ ملالیا، یا مرد نے شیروانی، واسکٹ، قراقلی ٹوپی پہن لی۔ فیشن کے مطابق کوئی کپڑا لے لیا جس سے شریعت میں ممانعت نہ ہو، اس قسم کے تھوڑے کام فیشن کے مطابق ہونے کے باوجود شریعت میں بھی جائز ہوں گے۔

شریعت نے مرد کو سونے کے استعمال سے منع کیا لیکن فیشن نے کہا سونے کی انگوٹھی پہنو اس میں تمہاری خوبصورتی ہے۔ باریک کپڑے جن سے جسم ننگا ہو شریعت نے عورت کو منع کیا لیکن فیشن نے انہیں زیادہ پسند کیا۔

اسلام میں عورت کی آواز کا احترام

عورت کو اذان دینا منع قرار دیا گیا ہے اور بلند آواز سے اجنبی لوگوں کے سامنے قرآن پاک پڑھنا شریعت میں منع ہے اسی لئے کہ عورت کی آواز سے کوئی فتنہ نمودار نہ ہو۔ خوبصورت آواز پہ مست ہونا، کسی پہ فریفتہ ہونا طبعی میلان ہے۔ اسلئے عورت کو بلند آواز اور ترنم سے منع کیا گیا ہے تاکہ عورت کا احترام قائم رہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی آواز اسکے احترام کے زوال کا سبب بن جائے۔

ویکرہ اذان المراۃ لانھا ان خفضت صوتھا خلت بالاعلام و ان رفعتہ ارتکبت معصیۃ لان فیہ فتنۃ (مراقی الفلاح، طحطاوی)

عورت کا اذان کہنا مکروہ ہے اسلئے کہ اگر وہ بہت پست آواز سے اذان کہے تو اذان کا مقصد فوت ہو جاتا ہے کیونکہ مقصد لوگوں کو نماز کے وقت کی اطلاع دینا ہے اور اگر وہ بلند آواز سے اذان کہے تو وہ گناہوں کی مرتکب ہوگی کیونکہ اسکی آواز میں فتنہ ہے۔

لان فی آذانھا احتمال وقوع الفتنۃ برفع صوتھا فلذالک کرہ آذانھا (البحر الرائق)

عورت کے اذان کہنے میں کراھیت اس وجہ سے ہے کہ اس کے بلند آواز سے اذان کہنے میں فتنہ کا احتمال ہے۔

جب یہ واضح ہوا کہ عورت کو بلند آواز سے اذان کہنا منع ہے کیونکہ اسکی بلند آواز میں فتنہ ہے تو یقیناً بلند آواز سے اجنبی لوگوں کے سامنے قرآن پاک پڑھنے کا حکم بھی یہی ہے، کیونکہ قرآن پاک کو خوش آوازی سے پڑھنے میں بھی دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنا لازم آتا ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے حسین آواز اور عمدگی سے قرآن پاک

پڑھنے کی وجوہ بیان فرمائیں "و اباحہا ابو حنیفۃ و جماعۃ من السلف للاحادیث ولان ذالک سبب للرقۃ و اثارۃ الخشیۃ و اقبال النفوس علی استماعہ" (نووی شرح مسلم ج ۱ باب استحباب تحسین الصوت بالقرآن)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور سلف صالحین نے قرآن پاک کو حسین آواز سے اور عمدگی سے پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ احادیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے اور یہ رقت قلب کا ذریعہ ہے اور اس سے خشیت باری تعالیٰ حاصل ہوتی ہے اور لوگوں کو سننے کی طرف متوجہ کرنے کا سبب ہے۔

جب بلند آواز سے پڑھنا لوگوں کو سننے کی طرف مائل کرنے کی دعوت دیتا ہے تو یقیناً عورت کے لئے یہ تو جائز ہوگا کہ وہ ایسی خوش آوازی اور خوبصورتی سے قرآن پاک پڑھے کہ عورتیں سنیں اور ان کے دل پر رقت اور خوف خدا پیدا ہو اور اسکے سننے کی طرف مائل ہوں۔ لیکن یہ جائز نہیں کہ وہ اجنبی مردوں کو سنا کر اپنی طرف مائل کرے۔ مرد دوسرے مردوں کو اور عورت دوسری عورتوں کو قرآن پاک خوبصورت آواز سے سنائیں۔ اس طرح قرآن پاک خوبصورت آواز سے پڑھنا باعث ثواب ہے۔

حضرت براء بن عازب کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا، حسنوا القرآن باصواتکم فان الصوت الحسن یزید القرآن حسنا (دارمی، مشکوۃ باب فضائل القرآن) قرآن پاک کو اچھی آواز سے پڑھو کیونکہ اچھی آواز سے پڑھنے میں زیادہ حسین انداز میں قرآن نظر آئے گا۔

و لا ترفع صوتہا بالتلبیۃ لما فیہ من الفتنۃ (کتاب الحج) حج میں عورت تلبیہ پڑھتے ہوئے آواز بلند نہ کرے کیونکہ اس میں فتنہ ہے۔ البتہ مرد تلبیہ میں آواز بلند کرے۔ تلبیہ یہ ہے،

لبیک اللھم لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد و النعمۃ لک و الملک لاشریک لک

ضرورت کے وقت عورت کلام کر سکتی ہے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے صحابہ کرام مسائل پوچھا کرتے تھے آپ گھر کے اندر پردہ کے پیچھے سے جواب دیا کرتی تھیں۔

سماع کلام الاجنبیۃ عند الافتاء و الحکم و کذا فی معناہ جائز (نووی شرح مسلم ج ۲

کتاب الاقضیتہ ص ۸۳)

اجنبی عورت کا کلام سننا مسئلہ کے پوچھنے، بتانے، کسی معاملہ کے فیصلہ کرنے میں یہ جائز ہے۔ اور بھی اس طرح جہاں کہیں ضرورت ہو وہاں عورت کی آواز کو سنا جا سکے گا لیکن شرط یہی ہے کہ بلند آواز نہ ہو اور ترنم نہ ہو۔

عورت کا ناقص العقل والدین ہونا

عن ابی سعید الخدری قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اضحیٰ او فطر الی المصلیٰ فمر علی النساء فقال یا معشر النساء تصدقن فانی اریتکن اکثر اھل النار فقلن وبم یا رسول اللہ قال تکثرن اللعن وتکفرن العشیر ما رایت من ناقصات عقل و دین اذھب للب الرجل الحازم من احدکن قلن وما نقصان دیننا وعقلنا یا رسول اللہ قال الیس شہادۃ المراۃ مثل نصف شہادۃ الرجل قلن بلیٰ قال فذالک من نقصان عقلہا قال الیس اذا حاضت لم تصل ولم تصم قلن بلیٰ قال فذالک من نقصان دینہا (بخاری، مسلم، مشکوۃ کتاب الایمان)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدالاضحیٰ یا عیدالفطر عید گاہ کی طرف تشریف لے گئے، آپ کا عورتوں سے گذر ہوا، آپ نے فرمایا اے عورتوں کی جماعت تم صدقہ کیا کرو، تم میں سے اکثر مجھے جہنمی دکھائی گئیں، عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا، تم لعنت زیادہ کرتی ہو، اپنے زوج کی نعمتوں کا کفران کرتی ہو، میں نے تم سے زیادہ کسی ایک کو نہیں دیکھا جو خود تو ناقص العقل اور ناقص الدین ہو لیکن بڑے بڑے ماہر عقلمندوں کی عقل کو ضائع کر دے۔

عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے دین اور ہماری عقلوں میں کیا نقصان ہے؟ آپ نے فرمایا کیا عورتوں کی شہادت مردوں کی شہادت کے نصف برابر نہیں؟ عورتوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ایسا ہی ہے، آپ نے فرمایا یہ ان کی عقل کی کمی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کیا ایسا نہیں کہ عورت کو جب حیض آئے تو وہ نماز ادا نہیں کرتی اور روزہ نہیں رکھتی؟ عورتوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ایسا ہی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ ان کے دین کی کمی ہے۔

وضاحت حدیث:

انی اریتکن: مجھے تم دکھائی گئی ہو یعنی "علیٰ طریق الکشف او علیٰ سبیل الوحی" بطریق کشف یا وحی کے ذریعہ سے تم میں سے اکثر مجھے اہل نار دکھائی گئی ہیں۔ مراد اس سے یہ ہے کہ عورتیں بنسبت مردوں کے زیادہ جہنم میں جائیں گی۔ اسکی وجہ بھی حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادی ہیں۔

تصدقن: عورتوں کو صدقہ کا حکم دیا کیونکہ صدقہ کو قیامت کے دن سایہ کی حیثیت حاصل ہوگی جس کے ماتحت صدقہ دینے والوں کو مقام حاصل ہوگا۔ صدقہ دینے کی وجہ سے آگ سے بچاؤ حاصل ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اتقوا النار ولو بشق تمرۃ" آگ سے بچو اگرچہ کھجور کے کچھ حصہ سے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کر کے اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ، وہ صدقہ خلوص دل سے ہو خواہ قلیل سے قلیل ہی کیوں نہ ہو۔ یعنی خلوص دل سے اور اپنی استطاعت کے کم ہونے کی وجہ سے اگرچہ ایک کھجور کا کچھ حصہ ہی صدقہ دے تو وہ بھی اسکے اعمال کی ترقی کا باعث ہوگا۔

عورت کو دنیا کے مال سے بنسبت مردوں کے زیادہ محبت ہے، دنیا سے زیادہ محبت کئی جرائم کو جنم دیتی ہے جو جہنم میں جانے کے ذرائع ہیں، جب عورت صدقہ دے گی تو دنیا سے محبت کم ہوگی، جو آگ سے بچاؤ کا سبب ہے۔ عورت زیادہ کنجوس ہوتی ہے جسکی وجہ سے وہ رذیل ہوتی ہے اور اسکی وجہ سے خسیس دنیا سے ہی مذموم محبت ہے، جب صدقہ دے گی تو اسکی کنجوسی زائل ہوگی۔ اور اسکو سخاوت حاصل ہوگی جو قابل تعریف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "الید العلیا خیر من الید السفلیٰ" اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے یعنی دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

تکثرن اللعن: عورتیں لعنت زیادہ بھیجتی ہیں۔ لعنت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے ناراض ہو کر اسے اپنی رحمت سے دور کر دے۔ انسان جب کسی پر لعنت کی بددعا کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اے اللہ تو اس شخص پر ناراض ہوجا اور اپنے غیظ و غضب کی وجہ سے اس شخص کو اپنی رحمت سے دور کر دے۔ علماء ربانیین کا اس پر اتفاق ہے کہ جب تک کسی کی موت کفر پر واقع ہونے کا یقین نہ ہو اس وقت تک لعنت بھیجنا حرام ہے۔ ایک شخص کافر ہے تو اس پر بھی لعنت نہ کرے ممکن ہے کہ

اسکی موت اسلام پر آجائے۔

جس شخص کی موت کفر پر واقع ہونے کو خود اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیا ہو اس پر لعنت کی جا سکتی ہے جیسے ابو جہل، ابو لہب، اور جس کی موت کا کفر پر واقع ہونے کا پہلے ہی علم رب تعالیٰ سے حاصل ہو چکا ہو اس پر بھی اسکی زندگی میں ہی لعنت کی جا سکتی ہے۔ جیسے ابلیس ابھی زندہ ہے اس کا کفر پر مرنا یقینی ہے۔ اگر کوئی وصف لعنت کے قابل ہو تو اس وصف کا ذکر کر کے لعنت کی جا سکتی ہے جیسے کہا جائے، لعنۃ اللہ علی الکاذبین - لعنۃ اللہ علی آکلی الربوا - اللہ کی لعنت ہو جھوٹوں پر، اللہ کی لعنت ہو سود کھانے والوں پر۔

عورتیں لعنت زیادہ کرتی ہے کیونکہ ان کی زبان پر عام طور پر لعنت کے الفاظ اس طرح جاری ہوتے ہیں جیسے اسمبلی کے ممبران کی زبان پر شیم شیم کے الفاظ جاری ہوتے ہیں۔ یہ بھی اسمبلی کے ممبران کی طرح محل یا غیر محل کا لحاظ کبھی نہیں کرتیں۔ عورت کی زیادہ لعنت کی وجہ سے مسئلہ لعان میں مرد کی قسم میں لفظ لعنت کا استعمال کیا گیا ہے اور عورت کی قسم میں لفظ غضب استعمال کیا ہے۔ لعان کا ذکر قرآن پاک میں تفصیلا بیان کر دیا گیا ہے۔

والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھداء - تا - ان کان من الصادقین (پ ۱۸)

اور وہ جو اپنی عورتوں کو عیب لگائیں (یعنی زانیہ کہیں یا بچے کی نفی کر دیں کہ یہ بچہ میرا نہیں) اور ان کے پاس اپنے بیان کے سوا گواہ نہ ہوں تو ایسے کسی کی گواہی یہ ہے کہ چار بار گواہی دے اللہ کے نام سے کہ وہ سچا ہے اور پانچویں یہ کہ اللہ کی لعنت ہو اس پر اگر جھوٹا ہو اور عورت سے سزا یوں ٹل جائے گی کہ وہ اللہ کا نام لے کر چار بار گواہی دے کہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں یوں کہ عورت پر غضب اللہ کا اگر مرد سچا ہو۔

یہ لعان ہے یعنی جب مرد اپنی زوجہ کو زنا کا عیب لگائے یا یہ کہے یہ بچہ جو تو نے جنا ہے یا جو تیرے پیٹ میں ہے میرا نہیں۔ تو اس وقت لعان ہو گا جب مرد اپنے قول پر چار گواہ نہ پیش کر سکے۔

مرد چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر قسم اٹھا کر کہے کہ میں اپنے دعوی میں سچا ہوں اور

پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو اللہ تعالیٰ کی لعنت مجھ پر ہو۔
عورت اگر مرد کے الزام کو تسلیم کرلے تو لعان کی ضرورت نہیں اور اگر تسلیم نہ کرے تو حد زنا سے بچنے کے لئے وہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چار مرتبہ گواہی دے کہ میرا خاوند جھوٹا ہے۔ پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر یہ سچا ہو تو اللہ تعالیٰ کا مجھ پر غضب ہو۔
لعان کے بعد قاضی مرد اور عورت کے درمیان تفریق کر دے، بچہ عورت کو دیا جائے، اس بچے کا نسب بھی ماں کی طرف ہی منسوب ہوگا۔ باپ کا وہ وارث نہیں اور باپ اس کا وارث نہیں کیونکہ اس نے باپ ہونے سے ہی انکار کر دیا ہے، اس لئے اسکی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔

وفی جانبها بالغضب لانهن یستعملن اللعن فی کلامهن کثیراً علیٰ ماورد به الحدیث "تکثرن اللعن" وسقطت حرمة اللعن عن اعینهن فعساهن یجرین علی الاقدام لکثرة جری اللعن علیٰ السنتهن وسقوط وقعة عن قلوبهن فقرن الرکن فی جانبها بالغضب ردعاً لهن عن الاقدام (عنایۃ)

عورت کی جانب گواہی میں لفظ غضب استعمال کیا گیا ہے کیونکہ وہ اپنے کلام میں لعنت کا لفظ استعمال بہت کرتی ہیں جس طرح حدیث شریف میں آیا ہے "تم لعنت بہت کرتی ہو" اسلئے انکی نظر میں لعنت کا کوئی ڈر، خوف نہیں ہوتا۔ اگر ان کی بھی اپنی قسم میں لعنت کا حکم دیا جائے تو وہ اپنی عادت کے مطابق بلا خوف و خطر اس لفظ کو استعمال کر لیں گی۔ کیونکہ انکے دلوں میں اس لفظ کی کوئی وقعت نہیں۔ اسلئے انکی قسم میں پانچویں مرتبہ غضب کے لفظ کو ملانا لازم قرار دیا گیا ہے تاکہ ان کے دلوں میں خوف پیدا ہو اور جھوٹی قسم اٹھانے سے رک جائیں۔

وتکفرن العشیر: العشیر کا معنی ہے ساتھ زندگی بسر کرنے والا، اس سے مراد خاوند ہے۔ اور کفران سے مراد نعمتوں کا انکار، نعمتوں کا چھپانا اور منعم کا شکریہ ادا نہ کرنا۔ اسلئے کہ اصل میں نعمتوں کا کامل شکریہ اسی وقت ادا ہوگا جب نعمت دینے والے کا شکریہ ادا کیا جائے۔ حدیث پاک اسی پر دلالت کر رہی ہے۔
"من لم یشکر الناس لم یشکر الله" جو شخص لوگوں کا شکر گذار نہیں وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر گذار نہیں۔

فائدہ:

کفران کا لفظ اکثر طور پر نعمتوں کے انکار، شکریہ نہ کرنے پر بولا جاتا ہے اور کفر کا لفظ دین کے انکار پر بولا جاتا ہے۔ یعنی کفران کا معنی ناشکرا ہونا اور کفر کا معنی کافر ہونا۔

○ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، رایت النار فلم ار کالیوم منظراً قط و رایت اکثر اھلھا النساء قالوا لم یا رسول اللہ قال بکفرھن قیل یکفرن باللہ قال یکفرن العشیر و یکفرن الاحسان لو احسنت الیٰ احداھن الدھر ثم رات منک شیئاً قالت ما رایت منک خیراً قط (بخاری ج ۲ باب کفران العشیرۃ)

میں نے آگ کو دیکھا، آج تک میں نے ایسا منظر کبھی نہیں دیکھا، میں نے جہنم والوں میں عورتوں کو زیادہ دیکھا صحابہ کرام نے عرض کیا کسی وجہ سے یارسول اللہ، آپ نے فرمایا ان کے کفران کی وجہ سے پھر آپ سے پوچھا گیا کیا اللہ تعالیٰ کا کفران مراد ہے؟ آپ نے فرمایا زوج کی نعمتوں کا کفران کرتی ہیں اور اس کے احسانات کا انکار کرتی ہیں اگر تم ان پر بہت طویل عرصہ بھی احسان کرتے رہو، پھر اسے معمولی سا تمہاری طرف سے کوئی فرق نظر آئے تو وہ کہتی ہے کہ میں نے تو تم سے آج تک کوئی بھلائی نہیں دیکھی۔

ما رایت من ناقصات عقل و دین اذھب للب الرجل الحازم من احداکن، تم سے زیاہ کوئی ایسی شخصیت نہیں دیکھی جو ناقص العقل والدین ہو اور بڑے بڑے عقلمندوں کی عقلوں کو گم کردے۔

عقل وہ قوت ہے جس سے انسان معانی کا ادراک کرے اور برائیوں سے بچنے کا شعور حاصل ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ نور ہے جو مومن کے قلب میں پایا جاتا ہے۔

اللب: عقل خالص کو کہتے ہیں جو خواہشات کے شائبہ سے خالی ہو۔

الحازم: مرد کی صفت ہے یعنی وہ شخص جو اپنے معاملات میں مضبوط ہو، متزلزل نہ ہو، مضطرب نہ ہو، ڈگمگائے نہیں، پختہ کار ہو۔

عقل کے ساتھ اس کے مضبوط رہنے کا ذکر کرکے یہ واضح کیا کہ عورت اتنا عظیم فتنہ ہے کہ بہت بڑا عقلمند اپنے معاملات میں پختہ رہنے والا بھی اس کے سامنے عاجز آجاتا

ہے۔ کہیں نہ ڈگمگانے والا اس کے سامنے ڈگمگا جاتا ہے " الا ماشاء اللہ " جو اپنے معاملات میں پختہ کار نہ ہو بلکہ پہلے ہی متزلزل ہو اس کا کیا حال ہوگا۔

○ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ماترکت بعدی فتنۃ اضرعلی الرجال من النساء (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ کتاب النکاح)

میں نے اپنے بعد عورتوں سے زیادہ کوئی فتنہ نہیں چھوڑا جو مردوں کے لئے زیادہ نقصان دہ ہو۔ آپ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ میرے بعد سب سے زیادہ نقصان مردوں کو عورتوں سے ہوگا۔ کیونکہ مرد طبعی طور پر عورتوں کی طرف میلان رکھنے کی وجہ سے گناہوں میں مبتلا ہوگا۔ عورتوں کی وجہ سے ہی عداوت ایک دوسرے سے نفرت، جھگڑا و فساد، قتل و غارت ہوگی۔ عورتوں کی ناجائز خواہشات، مال کی ہوس، بلند و بالا مال و دولت کے خوابوں کو پورا کرنے کے لئے مرد مختلف ہتھکنڈے استعمال کرکے حرام مال بٹورنے کی کوشش کرے گا۔ اگر عورت نیک ہو تو مرد رزق حلال پر قناعت کرے گا۔ عورتوں کا اپنے خاوندوں کی ان الفاظ میں تعریف کرنا " تنخواہ تو تھوڑی ہے لیکن میرے میاں کی اوپر سے بہت آمدنی ہے " لایعنی جملہ ہے، اسی قسم کے اطوار نے ملک و ملت کو تباہ کر دیا ہے۔ لیکن جب کسی مرد کو نیک زوجہ مل جائے تو وہ خوش قسمت ہے، کیونکہ نیک مرد سے نیک عورت اللہ تعالیٰ کا خوف زیادہ رکھتی ہے وہ حرام مال کے حاصل کرنے سے ہمہ وقت اپنے خاوند کو باز رہنے اور تھوڑے مال پر قناعت کرنے کا مشورہ دیتی رہتی ہے جس کی وجہ سے مرد کی عاقبت سنور جاتی ہے۔

خیال رہے کہ دنیا بھی انسان کے لئے نقصان کا سبب ہے لیکن عورت دنیا سے بھی پہلے نمبر پر باعث نقصان ہے۔

○ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، الدنیا حلوۃ حضرۃ و ان اللہ مستخلفکم فیھا فینظر کیف تعملون فاتقوا الدنیا و اتقوا النساء فان اول فتنۃ بنی اسرائیل کانت فی النساء (مسلم، مشکوٰۃ کتاب النکاح)

دنیا شیریں اور سرسبز و شاداب ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں خلیفہ بنا رہا ہے تاکہ وہ تمہارے عمل کو آشکارا کر دے کہ تم کیا عمل کرتے ہو دنیا سے بچ جاؤ،

عورتوں سے بچ جاؤ بیشک بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں کی وجہ سے ہی پیدا ہوا۔

یعنی دنیا کا مال و دولت تمہیں میٹھا اور اس کا حسن و جمال اور اسکی زیب و زینت تمہاری آنکھوں کو بھلی معلوم ہوتی ہے جس طرح باغات اور کھیل سرسبز و شاداب بھلے معلوم ہوتے ہیں۔

ان الله مستخلفكم فيها: یعنی اللہ تعالیٰ تم سے پہلے لوگوں کا تمہیں خلیفہ بنا رہا ہے۔ ان کا مال وہ تمہیں دے رہا ہے کہ دیکھے تم ان کے حال سے کیسے عبرت پکڑتے ہو اور ان کے انجام میں کیسے تدبر کرتے ہو۔

فاتقوا الدنيا: دنیا کی زیب و زینت اور اسکے مال و منال اور اسکے حسن و جمال سے بچ جاؤ، کیونکہ یہ زائل ہونے والی چیز ہے۔ جو چیز تمہارے انجام کے اچھا کرنے کا سبب بنے اسی پر قناعت کرو، دنیا کا حلال مال بھی اگر تمہیں ملا تو اس میں بھی حساب ہوگا کہ تم نے اس کا شکریہ ادا کیا تھا یا نہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کئے تھے یا نہیں۔ اور اگر دنیا کا حرام مال مل گیا تو وہ سراسر عذاب ہی عذاب ہے۔

واتقوا النساء: عورتوں سے بچو، یعنی انکی طرف اس طرح کا میلان نہ کرو جو تمہیں گناہوں میں مبتلا کردے ان کی طرف اس طرح مائل نہ ہو کہ تمہارا دین ہی برباد ہو جائے۔

فان اول فتنة بني اسرائيل كانت في النساء: بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں کی وجہ سے ہی ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جابر قوم سے جہاد کی غرض سے شام کے علاقہ کنعان میں پہنچے تو بلعام کی قوم بلعام کے پاس آئی، اس کے پاس اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم تھا۔ قوم نے اس سے کہا کہ موسیٰ بہت بڑے بہادر شخص ہیں اور ان کے ساتھ بہت بڑا لشکر بھی ہے، اگر وہ آگئے تو ہمیں ہمارے گھروں سے نکال دیں گے اور کچھ لوگوں کو قتل کردیں گے اور بنی اسرائیل ہمارے شہروں میں آباد ہو جائیں گے۔ تم مستجاب الدعوات شخص ہو اسلئے نکلو اور دعا کرو تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں ہم سے واپس لوٹا دے۔ اس نے اپنی قوم سے کہا تم پر افسوس تم برباد ہو جاؤ، وہ اللہ کے نبی ہیں ان کے ساتھ فرشتے اور مومن لوگ ہیں میں ان کے خلاف کیسے دعا کروں۔ میں اللہ

تعالیٰ کی طرف سے زیادہ بہتر جانتا ہوں۔ اگر میں نے ایسا کیا تو میری دنیا و آخرت برباد ہو جائے گی۔ قوم اسکے پاس پھر لوٹ کر آئی اور دعا کرنے کے لئے بہت منت و سماجت کی، اس نے کہا میں اس وقت تک دعا نہیں کروں گا یہاں تک کہ رب تعالیٰ سے اس معاملہ میں رابطہ کروں۔ وہ اس وقت تک دعا نہیں کرتا تھا یہاں تک کہ وہ رب تعالیٰ سے رابطہ قائم کرتا، اسے خواب میں بتایا جاتا وہ اسی کی مطابقت کرتا۔ اس نے جب موسیٰ علیہ السلام کے خلاف دعا کرنے کی اجازت طلب کی تو خواب میں اسے منع کر دیا گیا۔ اس نے قوم کو بتایا کہ مجھے منع کر دیا گیا ہے۔

قوم نے اسے ھدیہ دیا جو اس نے قبول کر لیا۔ قوم پھر اس کے پاس آئی اور دعا کی درخواست کی، اس نے کہا میں رب تعالیٰ سے رابطہ قائم کروں گا مجھے جو جواب ملا اسی کے مطابق عمل کروں گا۔

اب رابطہ قائم کرنے پر اسے خواب میں کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ اس نے قوم کو بتایا کہ اس دفعہ مجھے کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ قوم نے کہا کہ اگر رب تعالیٰ کو تمہارا ان کے خلاف دعا کرنا ناپسند ہوتا تو وہ تمہیں روک دیتا جیسے اس نے تمہیں پہلے منع کیا تھا۔ وہ بار بار اسکی منت و سماجت کرتے رہے، اسکے سامنے عاجزی و زاری کرتے رہے، آخرکار وہ فتنہ ڈالنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ اپنی گدھی پر سوار ہو کر ایک پہاڑ کی طرف چلا کہ اس پر چڑھ کر بنی اسرائیل کے لشکر کو دیکھ سکے۔ پہاڑ کا نام حسبان تھا۔ جب وہ سوار ہو کر کچھ دور چلا تو اسکی سواری بیٹھ گئی، وہ اترا اس نے سواری کو مارا یہاں تک کہ اسے اٹھا کر چلایا، تھوڑی دور چل کر وہ پھر بیٹھ گئی، پھر اس نے مار کر اٹھایا اور چلایا تھوڑی آگے جا کر سواری پھر بیٹھ گئی اس نے پھر اسے مار کر چلایا تو سواری کو اللہ تعالیٰ نے بولنے کی طاقت دی تاکہ یہ سواری کلام کر کے اس پر حجت قائم کر سکے، سواری نے اسے کہا اے بلعام تجھ پر افسوس تو کہاں جا رہا ہے۔ کیا تو دیکھتا نہیں میرے آگے فرشتے ہیں جو مجھے آگے جانے سے روکتے ہیں۔ کیا تو اللہ تعالیٰ کے نبی اور مومنوں کے خلاف دعا کرنے کے لئے جا رہا ہے؟ وہ جب اپنے ارادے سے باز نہ آیا تو اللہ تعالیٰ نے سواری کا راستہ آزاد کر دیا، وہ سواری چلی یہاں تک کہ وہ حسبان پہاڑ کے اوپر چڑھ گئی۔ اس نے جب ان کے خلاف دعا کرنی شروع کی، تو جب یہ اپنی دعا موسیٰ علیہ السلام اور انکی قوم

کے خلاف کرتا اللہ تعالیٰ اسکی زبان کو پھیر دیتا وہی دعا اسکی اپنی قوم کے خلاف ہوتی۔ اور جو دعا اپنی قوم کے حق میں کرنا چاہتا اللہ تعالیٰ اسکی زبان سے وہی دعا موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے حق میں کرا دیتا۔ قوم نے جب اسے کہا دیکھ تو کیا دعا کر رہا ہے ہمارے خلاف دعا کر رہا ہے اور ان کے حق میں دعا کر رہا ہے۔ تو اس نے کہا میں اس میں بے اختیار ہوں، اللہ کا حکم مجھ پر غالب آچکا ہے، دعا کرتے ہوئے اسکی زبان باہر نکل کر سینہ پر آگئی۔ اس نے اپنی قوم کو کہا اب میری دنیا اور آخرت برباد ہو چکی ہے۔ اب اور کوئی صورت باقی نہیں رہی البتہ حیلہ اور مکر کیا جاسکتا ہے۔ اسی کے متعلق میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ تم اپنی عورتوں کو آراستہ اور مزین کر کے سامان وغیرہ دے کر بنی اسرائیل کے لشکر کی طرف دیکر بھیجو۔ یہ اپنا سامان ان پر فروخت کریں اور ان کے ساتھ مروت سے درپیش آئیں۔ اگر کوئی شخص بنی اسرائیل کا ان سے کسی قسم کا تعلق رکھے اور خواہش کرے تو یہ اسے منع نہ کریں۔ اگر کوئی ایک شخص بھی ان کے جال میں پھنس گیا اور برائی کا مرتکب ہو گیا تو تمہارے لئے کافی ہے وہ تم پر غالب نہیں آسکیں گے۔ جب یہ عورتیں اس سازش کے تحت بنی اسرائیل کے لشکر میں پھیل گئیں تو بنی اسرائیل کے عظیم شخصوں میں سے ایک شخص ایک عورت کی طرف گیا اور اس کا ہاتھ پکڑا، اس عورت نے اسے فریفتہ کر دیا، یہاں تک کہ وہ محبت میں اندھا اور بہرا ہو کر اسکے ہاتھ کو پکڑ کر موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جا کھڑا کیا اور کہنے لگا میرا خیال ہے تم اسے میرے لئے حرام کہو گے۔ آپ نے فرمایا ہاں یہ تمہارے لئے حرام ہے۔ تم کبھی اس کے قریب نہ جانا۔ اس نے کہا قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں اس معاملہ میں تمہاری اطاعت نہیں کروں گا۔ وہ اسے ایک قبہ (حجرہ) میں لے گیا، اس سے مجامعت کی تو بنی اسرائیل طاعون کے مرض میں مبتلا ہو گئے۔ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب واضح ہو گیا کہ عورت کی وجہ سے ہی بنی اسرائیل میں پہلا فتنہ نمودار ہوا۔

آج مسلمان ممالک، جن میں یہود و نصاریٰ کی عورتوں کو بعض وڈیروں نے نکاح میں لیا ہوا ہے، وہ ممالک گوناگوں مسائل کا شکار ہیں۔ طرح طرح کی سازشوں کا شکار ہو رہے ہیں، ان عورتوں کی وجہ سے ہی اسلامی ممالک کے راز غیر مسلموں کی طرف

منتقل ہو رہے ہیں۔

نصاریٰ کی یونیورسٹیوں میں پڑھنے والی عورتیں طبعاً ان کی طرف مائل ہوتی ہیں، اسلام کا صرف نام لینا جانتی ہیں۔ اسلام کے احکام سے بے خبر ہوتی ہیں، کبھی دکھلاوے کے لئے سر پر دوپٹہ اوڑھ لیا، دوسرے ملک میں جاکر اتار لیا، اپنوں کے سامنے گریبان ڈھانپ لیا، غیروں کے سامنے کھول دیا۔ غیر مسلموں کے شانہ بشانہ کھڑے ہو کر تصاویر بنوالیں۔ مردوں کے ساتھ علیحدگی میں ون ٹو ون ملاقاتیں گھنٹوں جاری رکھیں۔ اپنے ممالک کے باشندوں کو نصاریٰ کی عدالتوں کے حوالے کر دیا۔ اپنے ملک کے چھوٹے چھوٹے مسائل کو نصاریٰ کے ممالک کے حکمرانوں کے سامنے پیش کر دیا، ان سے ہر طرح کے مشورے لے لئے۔ نصرانی کو وزیر بنا لیا۔ گستاخان رسول نصرانیوں کو جیالے قضاۃ سے فیصلے کرا کے دوسرے ممالک میں بھیج دیا۔ یہ سارے کرشمے نصرانیوں سے روابط کی وجہ سے ایک عورت سے ہی نمودار ہو رہے ہیں۔

خیال رہے کہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) عورت سے نکاح کی چند شرطیں ہیں ایک یہ کہ مسلمان مرد میں اتنی پختگی ہو کہ اسلام پر قائم رہ سکے، عورت کو تو اسلام کی طرف مائل کر سکے مگر خود اسکی طرف نہ ڈھلک جائے، دوسرے یہ کہ اس عورت پر اتنا فریفتہ نہ ہو جائے کہ اسکے اخلاق حاصل کر لے اور اسے اپنا رازدار بنا لے اس سے دلی محبت کرنے لگے۔ ایسا شخص ملک و ملت کی تباہی کا سبب ہوگا، تیسرے یہ کہ اپنی اولاد پر پورا کنٹرول رکھ سکے کہ انہیں پختہ مسلمان بنا سکے۔ بچے اس ماں کا دین اختیار نہ کر لیں اگر اتنی شرطیں موجود ہوں تو ان سے نکاح جائز ہے ورنہ حرام ہے۔ اور ان شرائط کے ہوتے ہوئے بھی ان سے نکاح بہتر نہیں، مکروہ ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین اور تقریباً تمام صحابہ کرام نے ان کے ساتھ نکاح کرنے سے پرہیز کیا، کسی نے ان کے ساتھ نکاح نہیں کیا۔ بہتر یہ ہے کہ اپنی اولاد کے لئے بہترین نیک، صالح، متقی، پرہیزگار اور اچھے حسب و نسب والی عورتیں تجویز کرو، صحبت بد سے بچو۔

تنبیہ:

اس زمانہ میں عام انگریز جو دہریے ہو کر خدا کی ذات، انجیل شریف اور عیسیٰ علیہ السلام کے منکر ہو چکے ان سے نکاح جائز نہیں، کیونکہ یہ عیسائی نہیں بلکہ دہریے (ملحد) ہیں۔

مسلمان سخت غلطی کرتے ہیں کہ بلاتحقیق عیسائی ممالک سے نیلی آنکھوں والی گوریاں بیاہ لاتے ہیں، مجھ سے ایک عیسائی پادری نے جس کا نام "ایم سکاٹ" تھا بیان کیا کہ عام انگریز قومی عیسائی رہ گئے ہیں، دینی عیسائی نہیں۔ یہ حضرت مسیح، انجیل بلکہ رب کے منکر ہو چکے ہیں۔ ایسی عیسائی عورتوں سے نکاح ہرگز جائز نہیں۔

مسئلہ: جس کی بیوی عیسائی یا یہودی عورت ہو وہ اپنے بچوں کی پرورش ماں سے نہ کرائے، بلکہ ان کے ہوش سنبھالتے ہی انہیں ماں سے الگ کردے ورنہ بچوں کے ایمان کا اندیشہ ہے کہ وہ ماں کا مذہب نہ اختیار کرلیں، بعد میں افسوس سے کف دست نہ ملنی پڑے۔

مسئلہ: اگرچہ اہل کتاب عورتوں سے مسلمان کا نکاح جائز ہے، مگر بہتر نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ عورت سے نکاح مال پر ہوتا ہے یا جمال پر "فاظفر بذات الدین" تم دیندار بیوی اختیار کرو۔ کافرہ دیندار کہاں سے آئی؟ تفسیر کبیر میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک عیسائی عورت سے نکاح کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ فوراً طلاق دے دو، آپ نے پوچھا کہ کیا یہ حرام ہے؟ فرمایا حرام تو نہیں مگر سخت خطرناک ہے، اور واقعی صحیح ہے، عیسائی اور یہودی عورتوں نے مسلمانوں کو قومی اور دینی سخت نقصان پہنچایا۔

ضروری ہدایت:

اپنی بچیوں کے لئے خوش اخلاق، تندرست، کمانے والے، دیندار خاوند تلاش کرو محض مال پر لڑکی نہ دے دو ورنہ بعد میں سخت پریشانی اٹھانا پڑے گی، بچہ کا پہلا اسکول ماں، باپ کی گود ہے۔ آوارہ، بداخلاق ماں باپ کی اولاد بھی آوارہ ہی ہوتی ہے۔ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا جیسی ماں ہو تو حسین رضی اللہ عنہ جیسے فرزند ہوتے ہیں۔

علامہ اقبال مرحوم نے بے حجاب پھرنے والی لڑکیوں کو خطاب کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا،

اگر پندے ز درویشے پذیری؛ جہاں میرد ولیکن تو نمیری
بتولے باش پنہاں شو ازیں عصر؛ کہ در آغوش شبیرے بگیری

(۱) اگر تو درویش کی نصیحت قبول کرلے، تو جہاں مرجائے گا لیکن تو نہیں مرے گی،

یعنی نیکیوں کی وجہ سے تیرا نام زندہ رہے گا، تجھے حیات جاودانی حاصل ہو گی۔
(۲) بتول بن کر رہ، اس زمانے سے پوشیدہ ہو جا تاکہ تو اپنی آغوش میں شبیر یعنی امام حسین رضی اللہ عنہ جیسا فرزند لائے۔ یعنی تو بے حجاب ہو کر گلی کوچوں میں گشت نہ کر، بازاروں کی رونق نہ بن، اجنبی مردوں کے لئے شمع محفل نہ بن بلکہ حضرت بتول یعنی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا جیسی شرم و حیا کا پیکر بن جا پھر تیرے فرزند بھی امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرح بہادر، حق و صداقت پر قائم رہنے والے، باطل سے ٹکر لینے والے، ظالموں کے پہاڑوں، چٹانوں جیسے لشکروں سے پنجہ آزمائی کر کے پاش پاش کر دیں گے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لخت جگر فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے لئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسے مسکین کو منتخب فرمایا۔ جن کے گھر میں بجائے دولت کے اللہ اور اسکے رسول کا نام ہی تھا۔ مگر ان کا سینہ دولت ایمانی سے مالامال تھا۔ نیز شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی صفورا کے لئے موسیٰ علیہ السلام کو منتخب کیا جن کے پاس اس وقت نہ گھر تھا نہ در، پردیسی مسافر تھے، صرف دین اور قوت ایمانی کو دیکھا تھا۔
گھر میں ایسی بہو لائیں جو قرآن، مصلی اور تسبیح لائیں تاکہ ان کے آنے سے گھر اللہ کے ذکر سے بھر جائے، صرف ٹیلی وژن لانے والی نہ ہوں جو گھر کو سینما بنا دے۔ (از تفسیر نعیمی بزیادہ)

بداخلاق عورت بے برکتی کی علامت ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"الشؤم فی المراۃ و الدار و الفرس" (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ کتاب النکاح)
نحوست، بے برکتی عورت اور گھر اور گھوڑے میں ہے۔ لفظ الشؤم ضد ہے لفظ یمن (برکت) کی۔
المراۃ بان لاتلد و قیل غلاء مہرہا و سوء خلقہا۔ عورت سے مراد وہ ہے جس کی اولاد نہ ہوتی ہو، جاننے کے باوجود اس سے پھر نکاح کر لیا جائے، اور وہ عورت جس کا مہر اتنا زیادہ مقرر کر لیا جائے جو خاوند ادا نہ کر سکے اور بداخلاق عورت ہو۔ یعنی سب سے بڑھ کر بداخلاق عورت ہی نحوست کا سبب ہے۔

والدار بضیقها وسوء جیرانھا۔ گھر سے مراد وہ گھر ہے جو اتنا زیادہ تنگ ہو جس میں مرد، عورت اور بچوں کا اختلاط ایک ہی کمرہ میں ہو، زوج اور زوجہ کو علیحدہ کمرہ میسر نہ آسکے۔ اور اسی طرح وہ گھر جس کے پڑوسی برے ہوں وہ بھی نحوست کا سبب ہے۔ بلکہ گھر خریدنے سے پہلے پڑوسی کو دیکھا جائے کہ پڑوسی کیسا ہے۔ بعد میں انسان کے لئے پریشانی کا سبب نہ بنے۔

والفرس بان لا یغزی علیھا وقیل صعوبتھا وسوء خلقھا۔ گھوڑے سے مراد وہ گھوڑا ہے جس پر سوار ہو کر جہاد نہ کیا جائے اور وہ گھوڑا سوار نہ ہونے دے۔ بری عادات کا مالک ہو یعنی اچھل کود کر، دوڑ بھاگ کر سوار کو گرا دے۔ ایسے گھوڑے میں بھی بے برکتی ہے۔ پاکستان کے دارالخلافہ میں بکری کا بچہ رکھنا بھی قانوناً منع ہے لیکن اسلام آباد کا عظیم مقام اسی قسم کے منحوس گھوڑوں کا اصطبل بنا ہوا ہے۔ لاقانونیت اور نحوست نے ملک کو اقتصادی لحاظ سے عظیم بحران کا شکار بنا دیا۔ قرضوں پہ قرضے لیکر شہ خرچیاں اور ہر دن بیرون ملک کے دورے کے حیلوں اور بہانوں سے سیر و تفریح کے مزے لوٹے جا رہے ہیں۔ قوم غربت، افلاس، تنگ حالی اور بھوک کا شکار ہو چکی ہے۔

عورت کا بن سنور کر نکلنا شیطان کو دعوت دینا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ان المراۃ تقبل فی صورۃ الشیطان و تدبر فی صورۃ الشیطان اذا احدکم اعجبته المراۃ فوقعت فی قلبه فلیعمد الیٰ امراته فلیواقعھا فان ذالک یرد ما فی نفسه (مسلم، مشکوۃ باب النظر الی المخلوبۃ)

بیشک عورت شیطان کی صورت میں متوجہ ہوتی ہے اور شیطان کی صورت میں پیٹھ پھیرتی ہے، جب بھی تم میں سے کسی ایک کو کوئی عورت تعجب میں ڈالے (فریفتہ کردے) اور اس کے دل میں کچھ خیالات واقع ہوں تو وہ اپنی زوجہ کی طرف متوجہ ہو اور اس سے مجامعت کرے، اس سے نفسانی خیالات مندفع ہوں گے۔

ولا تلبس ثیاباً فاخرۃ وینبغی للرجل ان لا ینظر الیھا ولا الیٰ ثیابھا (مرقاۃ) عورت کو چاہیئے کہ فاخرانہ لباس نہ پہنے اور مرد کو چاہیئے کہ اسے اور اس کے کپڑوں کو نہ دیکھے۔ کیونکہ مرد کے دل میں میلان پیدا ہوگا اور اس عورت کے لباس اور حسن و جمال پر

فریفتہ ہوگا، اس طرح غلط خیالات اور فتنہ کے جنم لینے کا سبب عورت کا بن سنور کر نکلنا اور دعوت نظارا دینا ہے اور شیطان کا مدعیٰ بھی یہی ہے۔ جب شیطان کو دعوت دینے کا سبب عورت واقع ہوئی تو اسے شیطان سے تشبیہ دے دی گئی۔

قلن و ما نقصان دیننا و عقلنا یارسول اللہ:

عورتوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہمارے دین اور ہماری عقلوں میں کمی کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا "الیس شہادۃ المراۃ مثل نصف شہادۃ الرجل" کیا عورت کی گواہی مرد کی گواہی کے نصف کے برابر نہیں؟ تو عورتوں نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ ایسے ہی ہے، تو آپ نے فرمایا "فذالک من نقصان عقلہا" یہی ان کے عقل کی کمی کی وجہ ہے۔
خیال رہے کہ ایک حدیث کی وضاحت کی جا رہی تھی جس کے ضمن میں کئی اور احادیث کو ذکر کرنا پڑا۔ عورتوں کی عقل کی کمی کی وجہ تفصیل سے عورت کی گواہی کی بحث میں دیکھی جائے۔ وہاں ذکر کر دیا گیا ہے کہ کون سے گواہی عورت کی مرد کی گواہی کے نصف کے برابر ہے۔
قال الیس اذا حاضت لم تصل و لم تصم - آپ نے فرمایا کیا ایسا نہیں کہ عورت کو جب حیض آتا ہے تو وہ نماز ادا نہیں کرتی اور روزے نہیں رکھتی؟ "قلن بلی قال فذالک من نقصان دینہا" عورتوں نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ ایسا ہی ہے۔ تو آپ نے فرمایا یہ ان کے دین کا نقصان ہے۔
خیال رہے کہ حیض کے دنوں میں عورت کی جو نمازیں رہ جاتی ہیں، انکی قضا اس پر لازم نہیں۔ لیکن روزے جو حیض کی وجہ سے نہ رکھے جائیں ان کی قضا لازم ہے۔

عورت خاوند کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے ایک عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگی، یارسول اللہ میرا خاوند صفوان بن معطل مجھے مارتا ہے جب میں نماز پڑھتی ہوں اور جب میں روزہ رکھتی ہوں مجھے افطار کرا دیتا ہے اور خود صبح کی نماز سورج چڑھے پڑھتا ہے۔ صفوان بھی آپ کے پاس موجود تھے حضور نے ان سے پوچھا کہ یہ عورت جو کہہ رہی ہے کیا یہ صحیح ہے؟

حضرت صفوان نے عرض کیا یارسول اللہ یہ جو کہتی ہے کہ میں اس کو نماز پڑھنے پر مارتا ہوں اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ اپنی نماز میں دو دو سورتیں پڑھتی ہے (یعنی رات دیر تک نماز میں مشغول رہتی ہے) میں اس سے منع کرتا ہوں۔ حضور نے فرمایا، اگر لوگ ایک ہی سورۃ پڑھ لیا کریں تو ان کو کفایت کر جائے۔ پھر حضرت صفوان نے کہا کہ اس کا یہ کہنا کہ میں اس کا روزہ افطار کرا دیتا ہوں اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ روزے ہی رکھتی چلی جاتی ہے (یعنی لگاتار یہ روزے ہی رکھتی رہتی ہے) میں جوان شخص ہوں، میں صبر نہیں کرسکتا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن یہ ارشاد فرمایا، لا تصوم امراۃ الا باذن زوجہا- کوئی عورت بغیر خاوند کی اجازت کے روزہ نہ رکھے (یہ حکم نفلی روزہ کے متعلق ہے۔ فرض روزہ رکھنا ہی رکھنا ہے، خاوند منع کرے تو پھر بھی رکھے، خاوند کے کہنے پر فرائض ترک نہیں ہوسکتے) پھر حضرت صفوان نے عرض کیا، اس کا یہ کہنا کہ میں نماز سورج چڑھتے پڑھتا ہوں اسکی وجہ یہ ہے کہ میں کاروباری شخص ہوں (یعنی رات کے اکثر حصہ میں کھیتوں کو پانی سے سیراب کرتا رہتا ہوں) اسلئے کبھی کبھی دیر سے سوتا ہوں صبح جاگ نہیں آتی، جاگتے جاگتے سورج نکل آتا ہے۔ آپ نے فرمایا جب جاگو نماز پڑھ لیا کرو۔ (یعنی عادت نہ بنائی جائے کبھی کوئی ایسا موقع درپیش آجائے تو سورج نکلنے کے بعد بھی نماز پڑھے جو قضا ہو جائے گی)

دوسری روایت میں ہے حضرت ھمام ابن منبہ کہتے ہیں میں نے حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لا تصوم امراۃ وبعلہا شاہد الا باذنہ غیر رمضان ولا تاذن فی بیتہ وھو شاھد الا باذنہ- کوئی عورت خاوند کے موجود ہوتے ہوئے اسکی اجازت کے بغیر روزہ نہ رکھے سوائے رمضان کے، اور کسی آدمی کو خاوند کی اجازت کے بغیر اس کے گھر میں آنے کی اجازت نہ دے۔ (ابو داؤد باب المراۃ تصوم بغیر اذن زوجہا)

عورت پر مرد کی فضیلت

مرد عورت سے چند وجوہات کی بنا پر بہت افضل ہے:

(۱) مرد ہمیشہ نماز روزہ ادا کرسکتا ہے، عورت زمانہ حیض ونفاس میں ان سے مجبور

(۲) مرد پر جہاد فرض ہے عورت پر سوائے سخت ضرورت کے فرض نہیں

(۳) مرد میراث میں دگنے حصہ کا حقدار ہے

(۴) مرد چار بیویاں رکھ سکتا ہے

(۵) دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے

(۶) بعض مقدمات میں عورت کی گواہی بالکل قبول نہیں جیسے شرعی سزاؤں رجم وغیرہ کا مقدمہ

(۷) مرد اکیلا سفر حج کر سکتا ہے، عورت بغیر محرم کے نہیں کر سکتی

(۸) نبوت، امامت، سلطنت، گھوڑے کی سواری مرد کے لئے ہی خاص ہے

(۹) مرد کے ذمہ عورت کا سارا خرچ ہے، عورت کے ذمہ مرد کا خرچ نہیں

(۱۰) مرد کی اجازت کے بغیر عورت گھر سے باہر نہیں جا سکتی، مرد پر یہ پابندی نہیں

(۱۱) مرد عقل میں کامل عورت ناقص، اسی لئے حدیث شریف میں اسے ناقص العقل کہا گیا ہے

(۱۲) مرد پر مہر لازم عورت پر نہیں۔ مرد کو طلاق دینے کا حق ہے نہ کہ عورت کو۔

یہ تو مرد کی شرعی فضیلت تھی۔ مرد کو تکوینی افضلیت بھی حاصل ہے، کیونکہ عورت کی پیدائش مرد سے ہوئی نہ کہ مرد کی عورت سے۔ چنانچہ حضرت حوا رضی اللہ عنہا کی پیدائش حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی نہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش حضرت حوا سے ہوئی۔ نیز قدرتی طور پر عورت کو ایسے عوارض درپیش رہتے ہیں جن سے وہ انتظامی کام بخوبی سرانجام نہیں دے سکتی، چنانچہ حیض ونفاس میں اسکی جسمانی حالت درست نہیں رہتی۔ عورت فطرتی طور پر کمزور پیدا کی گئی۔ نسوانی آواز مرد کی آواز کے مقابلہ میں کمزور، جسمانی طور پر عورت کو وہ طاقت حاصل نہیں جو مرد کو حاصل ہے۔

مرد گھر کا حاکم ہے

الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضہم علیٰ بعض و بما انفقوا من اموالھم (پ ۵) مرد محافظ و نگران ہیں عورتوں پر، اس وجہ سے کہ فضیلت دی ہے اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر، اور اس وجہ سے کہ مرد خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں سے (عورتوں کی ضرورت و آرام کے لئے)۔

کسی چیز کی ضروریات کو مہیا کرنے والے، اسکی نگہبانی اور حفاظت کرنے والے اور اسکی اصلاح و درستگی کے ذمہ دار کو عربی میں "قوام" کہا جاتا ہے۔ جیسے ہر فوج کا ایک کمانڈر اور ہر مملکت کا ایک فرماں روا ہونا ضروری ہے جو نظام قائم رکھے اور فوج اور رعایا اسکے حکم کی تعمیل کرے۔ اسی طرح گھر کی ریاست کا بھی ایک حاکم اعلیٰ ہونا چاہیئے جو گھر کی تمام ضروریات کا کفیل اور اسکی خوشحالی کا ذمہ دار ہو اور اسکے احکام کی اطاعت کی جائے ورنہ گھر کی یہ مختصر مگر اہم ریاست کا سکون و اطمینان برباد ہو کر رہ جائے گا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ذمہ داری کس کو سونپی جائے، اور اس بار گراں کو اٹھانے کی بہترین صلاحیت کس میں ہے۔ اس کے دو ہی امیدوار ہیں ماں اور باپ۔ قرآن حکیم نے باپ کو اس ذمہ داری کا اہل قرار دیا ہے اور ساتھ ہی وجہ بھی بتا دی ہے کہ اس میں دو خوبیاں ہیں ایک وہبی (رب تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ) اور دوسری کسبی (جس میں انسان کی اپنی محنت کا بھی دخل ہو) انہیں کے باعث وہ گھر کا رئیس مقرر کیا گیا ہے۔ پہلی خوبی تو یہ ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ مرد اپنی جسمانی قوت، ذہنی برتری، معاملہ فہمی اور دور اندیشی میں بلاشبہ عورت سے بڑھا ہوا ہے۔ اس چیز کو قرآن نے یوں اپنے مختصر الفاظ میں بیان فرمایا "**بما فضل اللہ بعضہم علیٰ بعض**" (اس وجہ سے کہ فضیلت دی اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر)۔ اور مرد کی دوسری خوبی یہ ہے کہ بیوی بچے کے جملہ اخراجات اور ان کے آرام و آسائش اور ان کی حفاظت و صیانت کی تمام تر ذمہ داری اس پر عائد ہے۔ اس کا قرآن کریم نے ان الفاظ میں ذکر فرمایا "**و بما انفقوا من اموالھم**" اور اس وجہ سے کہ مرد خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں سے (عورتوں کی ضرورت و آرام کے لئے)۔ اس لئے اپنی فطری اور کسبی برتری کے باعث مرد ہی اس امر کا مستحق ہے کہ وہ گھر کی ریاست کا امیر ہو، کوئی کج فہم یہ نہ

مرد کی غلامی کا طوق ڈالا جاتا ہے۔ نہیں ان اختلافی امور کے علاوہ عورت کے اپنے حقوق ہیں جو مرد پر ایسے ہی واجب ہیں جیسے

تجھے عورت کے گلے میں مرد کے حقوق عورت کے ذمہ واجب ہیں "لھن مثل الذی علیھن" (اور ان کے بھی حقوق ہیں (مردوں پر) جیسے مردوں کے حقوق ہیں ان پر) اور قرب الٰہی کے دروازے دونوں صنفوں کے لئے برابر کشادہ ہیں، اسلئے یہاں عورت کی غلامی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے عورت کو جو مقام اسلام نے معاشرہ میں بخشا ہے اسکی نظیر نہیں۔ ویسے کوئی آنکھیں بند رکھنے پر ہی ادھار کھائے بیٹھا ہو تو چشمہ آفتاب راچہ گناہ۔ (ضیاء القرآن)

اسی زیر بحث آیۂ کریمہ میں آگے یہ الفاظ مبارکہ آرہے ہیں "فالصالحات قانتات حافظات للغیب بما حفظ اللہ" تو نیک عورتیں اطاعت گذار ہوتی ہیں، حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں (مردوں کی) غیر حاضری میں اللہ کی حفاظت سے یہاں سے نیک عورتوں کی صفات کا بیان ہے، اس ارشاد ربانی کی مزید وضاحت حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ہوتی ہے "خیر النساء امراۃ اذا نظرت الیھا سرتک و اذا امرتھا اطاعتک و اذا غبت عنہا حفظتک فی نفسہا و مالک" یعنی بہترین بیوی وہ ہے جسے جب تو دیکھے تو مسرور ہو جائے، اسے حکم دے تو وہ تیری اطاعت کرے، اور اگر تو کہیں باہر جائے تو وہ تیری غیر حاضری میں اپنی عصمت کی اور تیرے مال کی حفاظت کرے (ابن جریر عن ابی ھریرۃ)

ایک مسلمان خاتون کو جن خوبیوں سے آراستہ ہونا چاہیئے اور جن پاکیزہ صفات سے متصف ہونا چاہیئے، ان کا ذکر کتنے دل نشین کلمات میں کیا گیا ہے بیوی کا اس سے بلند معیار کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ خود سوچیئے اسلام ایک بیوی سے کیا توقع رکھتا ہے اور اس طرح اس کے مقام کو کتنا بلند کر دیتا ہے، اور اس مرد سے بھی زیادہ کوئی خوش نصیب ہو سکتا ہے جس کی رفیقۂ حیات ان خوبیوں کی مالک ہو۔

صنف نازک تجربہ کر کے تو دیکھے

عام طور پر کالجوں، یونیورسٹیوں میں لڑکیاں تقریروں میں تو دعوی کر سکتی ہیں کہ ہم صنف نازک نہیں لیکن عملی طور پر اگر وہ اپنے دعوی کو ثابت کرنے کی کوشش کریں تو نتیجہ صفر ہی ہوگا۔

بلند و بالا، کئی منزلوں پر مشتمل بلڈنگوں کی تعمیر میں مرد کا کام ہی ہے کہ وہ

شٹرنگ پر لٹکتا ہوا نظر آتا ہے، یہ کام عورت سرانجام دے ناممکن ہے۔ اڑھائی اڑھائی من کی بوریاں پیٹھ پر اٹھا کر ٹرکوں پر لادنا مرد کا ہی کام ہے۔ عورت سے اس کام کا سرانجام دینا کبھی ممکن نہیں۔ بڑی بڑی لکڑیوں کی گیلیاں ٹرک یا بیل گاڑی پر لادنا عورت سے کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ رات کی تاریکی میں سوٹا اٹھائے گلی، کوچوں میں گشت کرنا، پہرہ دینا مرد کے گردے، جگر کا کام ہے، عورت بھلا یہ کیسے سرانجام دے سکتی ہے۔ ڈاکوؤں، چوروں کا پیچھا کرنا، گولی کا جواب گولی سے دینا مردانہ پولیس کا کام ہے زنانہ پولیس یہ کام کر کے تو دکھائے۔ میدان جنگ میں ہراول دستے کے طور پر آگے جانا، دشمن کے سامنے سینہ سپر ہونا، گولیوں کے سامنے سینہ رکھنا مرد کا کام ہی ہے، عورت کبھی ایسا نہیں کر سکتی، نشان حیدر کا اعلیٰ اعزاز حاصل کرنا مرد کی قسمت میں ہی ہے، عورت اسے کیسے حاصل کر سکتی ہے۔

مردوں کی برابری کا دعوی زبانی تو کیا جا سکتا ہے لیکن ہر محاذ پر اگر عورت کو مرد سے مقابلہ کرنا پڑے تو عورت کی بہادری اور جرات نکھر کر سامنے آجائے۔ عورت کی زبان ہمیشہ کے لئے گنگ ہو جائے، کبھی مرد کی برابری کا دعوی نہ کرے۔ آئے دن عورتوں کی بے بسی، اغوا ہونے، عزتوں کو لٹانے کے واقعات سے اخبار بھرے ہوتے ہیں پھر عورت خود کو صنف نازک تسلیم کیوں نہیں کرتی۔ خدارا مالک الملک کی تقسیم پر شاکر ہو جاؤ اور یہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، اس سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔

عورت کو مرد کی برتری کا علم ہونے کے باوجود نہ ماننا

جب کبھی تحریک چلانے کی ضرورت درپیش آئے، مرد حضرات تساہل سے کام لیں، میدان عمل میں نہ نکل رہے ہوں تو عورتیں مردوں کی طرف چوڑیاں بھیجتی ہیں۔ ان کے اس فعل سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی مرد کی بہادری کی قائل ہیں، انہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ تحریک چلانا، بہادری کا کام کرنا مرد ہی کا کام ہے۔ چوڑیاں پہن کر گھر بیٹھنا عورت کا کام ہے۔ مردوں کی طرف چوڑیاں بھیجنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ تم تو عورتوں کی طرح بزدل بن چکے ہو، جب بزدلی ہی کرنی ہے تو اپنے آپ کو مرد کہلانا چھوڑ دو بلکہ عورتوں کی طرح چوڑیاں پہن کر گھر بیٹھ جاؤ۔

کسی عورت کی اولاد صرف بیٹیاں ہی ہوں بیٹا کوئی نہ ہو تو وہ عورت بیٹے کی پیدائش کے لئے دعائیں کرتی ہے، التجائیں کرتی ہے، کبھی کسی بزرگ نیک حضرات سے دعائیں کراتی ہے، اپنے اقرباء کو کہتی ہے میرے لئے دعا کیا کریں مجھے اللہ تعالیٰ بچے کی خوشی عطا کرے۔ جب وہ عورت بے اولاد نہیں، بیٹیاں موجود ہیں تو پھر بیٹے کے لئے التجائیں کیوں؟ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عورت کو یہ معلوم ہے کہ مرد کو عورت پر برتری حاصل ہے۔

خیال رہے کہ مرد کی ذہنی صلاحیت بھی عورت سے زائد ہے۔ بعض اوقات کالجوں، یونیورسٹیوں کے نتائج سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عورتوں کی ذہنی صلاحیتیں زیادہ ہوتی ہیں کہ یہ کبھی کبھی پہلی پوزیشن لیتی ہیں۔ لیکن اگر تھوڑا غور و فکر کیا جائے تو یہ مسئلہ سمجھنا مشکل نہیں رہتا کہ لڑکے تعلیمی میدان میں پیچھے ذہنی صلاحیت کی کمی کی وجہ سے نہیں رہتے بلکہ اپنی آوارگی، اور کھیل کود سے دلچسپی، بے ہودہ قہقہے لگاتے پھرنا، بس سٹاپ پر بلاوجہ یا بری وجہ سے کھڑے رہنا ان کو تعلیمی میدان میں پسماندہ کر رہا ہے۔ ٹرانسسٹر ہاتھ میں لئے گھر سے تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے نکلتے ہیں لیکن سارا سارا دن کرکٹ میچ پر رواں تبصرہ سننے میں گذار دیتے ہیں۔ لڑکے اگر اپنی ان بیماریوں کا علاج کر لیں تو یقیناً انشاء اللہ برتری حاصل کر لیں۔

عورت کی کمزوری پر نبی کریم علیہ السلام کا شفقت کرنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، کان لرسول الله صلى الله عليه وسلم حاد حسن الصوت فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم رويد يا انجشة لا تكسر القوارير يعني ضعفة النساء (مسلم ج ۲ باب رحمتہ صلی اللہ علیہ وسلم النساء)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حدی خوان خوبصورت آواز والا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا اے انجشہ شیشیوں کو نہ توڑو، آپ کی مراد عورتوں کی کمزوری تھی۔

حاد: حدی خوان اسے کہتے ہیں جو اشعار وغیرہ پڑھ کے اونٹوں کو چلائے، ترنم سے اشعار پڑھنے اور گانا گانے سے اونٹ مست ہو کر چلتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوران سفر حدی خوان ایک حبشی جوان تھا جس کا نام انجشہ تھا۔

لا تکسر القواریر: آپ کا فرمانا کہ شیشیوں کو نہ توڑو اس سے مراد عورتیں تھیں، کیونکہ وہ کمزور ہوتی ہیں۔

و المراد به الرفق فی السیر لان الابل اذا سمعت الحداء اسرعت فی المشی و استلذته فازعجت الراکب و اتعبته فنہاہ عن ذالک لان النساء یضعفن عند شدة الحرکة و یخاف ضررهن و سقوطہن (نووی شرح مسلم)

آپ کا مقصد یہ تھا کہ اونٹوں کو آہستہ آہستہ چلنے دو کیونکہ اونٹ اشعار وغیرہ پر مست ہو جاتا ہے اور تیز چلتا ہے۔ اسکی تیز حرکت سے سوار گرنے کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور مشقت میں پڑجاتا ہے۔ اسلئے آپ نے انجشہ کو منع فرمایا کہ یہ عورتیں شیشیوں کی طرح کمزور ہیں، اونٹوں کی شدت حرکت کی وجہ سے ان کے گرنے اور انہیں نقصان پہنچنے کا خطرہ ہوتا ہے۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ یہ عورتیں جو شیشیوں کی طرح ہیں کہیں تمہاری آواز پر فریفتہ ہو کر فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ یعنی جس طرح شیشیاں معمولی ٹھوکر سے ٹوٹ جاتی ہیں ایسے ہی کہیں تمہاری حسن صوت سے متزلل ہو کر انکے پائے ثبات بھی ٹوٹ نہ جائیں۔

کسی عورت کو نبی نہیں بنایا گیا

عورت کو نبی کی ماں، بہن، زوجہ اور بیٹی ہونے کا شرف تو حاصل ہوا لیکن خود کوئی عورت بھی نبی نہیں بن سکی۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "ولو جعلناه ملكاً لجعلناه رجلا" اور اگر ہم نبی کو فرشتہ کرتے جب بھی اسے مرد ہی بناتے۔ یہ ان کافروں کو جواب دیا گیا جو کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ہمارے جیسے بشر ہیں یہ کیسے نبی بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اگر نبی بنانا ہوتا تو فرشتہ کو نبی بناتا۔ رب تعالیٰ نے انکو جواب دیا کہ فرشتہ اگر اپنی اصل شکل میں آتا تو تمہیں اس سے فیضان حاصل کرنا مشکل ہوتا۔ فرشتہ اگر آتا بھی تو مرد کی شکل میں ہی آتا۔

آیۃ کریمہ میں لفظ "رجلا" ذکر کیا ہے جو صرف مذکر کو شامل ہے مؤنث کو نہیں۔ اسی لئے انساناً اور آدمیاً نہیں ذکر کیا کیونکہ یہ لفظ مذکر اور مؤنث دونوں کو شامل تھے۔ اس سے واضح ہوا کہ عورت نبی نہیں بن سکی یہ منصب صرف مرد کو حاصل ہوا۔

قرآن پاک میں موسیٰ علیہ السلام کی والدہ مکرمہ کے متعلق بیان ہوا "و اوحینا الیٰ ام موسیٰ " ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف وحی کی۔ اس وحی سے مراد الہام و القاء ہے اس میں جبرائیل کا واسطہ نہیں۔

و التحقیق انه لا نبوة فی النساء (نبراس ص ۳۵) تحقیق یہی ہے کہ عورتوں کو نبوت حاصل نہیں ہوئی۔ اگر عورت جمیع معاملات میں مرد کے برابر ہوتی تو ایک لاکھ چوبیس ہزار یا اس سے کم و بیش انبیاء کرام میں سے کسی ایک عورت کو تو نبوت پر فائز کیا جاتا۔

انبیاء کرام کا کام یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ اس تبلیغ پر بعض کو جادوگر اور بعض کو مجنون کہا گیا، پتھروں کی بارشیں برسائی گئیں، راستے میں کانٹے بچھائے گئے، کوڑا پھینکا گیا۔ اور کتنے ہی انبیاء کرام کو شہید کر دیا گیا۔ یہ عظیم کام عورت کی طاقت سے ماوراء تھے۔ اجنبی مردوں کی محافل میں تبلیغ کرنا، خطاب کرنا عورت کے شایان شان نہ تھا اسی لئے عورت کو نبی نہیں بنایا گیا۔

عورت امام نہیں ہو سکتی

عورت مردوں کی امامت نہیں کر سکتی۔ اگر عورت عورتوں کی امامت کرے تو پھر بھی مکروہ ہے، البتہ وہ مکروہ پر عمل کرے تو صف کے درمیان کھڑی ہو گی، آگے نہیں کھڑی ہو سکے گی۔

و الذکورة، خرج به المراة فلا یصح اقتداء الرجل بها (طحاوی) مرد کی اقتداء کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے امام کا مذکر ہونا شرط قرار دیا گیا ہے، اس سے عورت نکل گئی کہ وہ مردوں کی امام بالکل نہیں ہو سکتی، مرد کی اقتداء عورت سے کبھی صحیح نہیں۔

و یکرہ للنساء وحدهن الجماعة لانها لا تخلو عن ارتکاب محرم و هو قیام الامام وسط الصف فیکرہ (هدایه) عورتوں کا اکیلے جماعت سے نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔ اسلئے کہ انکی جماعت حرمت سے خالی نہیں کیونکہ ان کی امام کو صف کے درمیان کھڑا ہونا پڑے گا جو مکروہ ہے۔

فائدہ: اس سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ مردوں کا امام اگر صف کے درمیان کھڑا ہو گیا تو یہ فعل مکروہ تحریمی ہو گا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ آگے کھڑے

ہو کر امامت فرمائی۔

ارتکاب محرم

وھو زیادۃ الکشف وحرمتھا ظاھرۃ لقولہ تعالیٰ ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منہا (کفایہ) عورتوں کی امامت اس وجہ سے بھی ناجائز ہے کہ ان کے آگے کھڑے ہونے میں انکی بے پردگی ہوگی، ان کے اعضاء لوگوں پر منکشف ہوں گے۔ حالانکہ عورت کا اپنے آپ کو اجنبی لوگوں کے سامنے منکشف کرنا حرام ہے۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ترجمہ) اور اپنا بناؤ نہ دکھائیں مگر جتنا خود ہی ظاہر ہے۔

عورت کا عورتوں کی جماعت نہ کرانا زیادہ بہتر ہے

والجماعۃ سنۃ وترک ما ھو سنۃ اولیٰ من ارتکاب ما ھو مکروہ ھذا عندنا (کفایہ) جماعت سنت ہے مکروہ پر عمل کرنے کے بجائے سنت کو چھوڑ دینا بہتر ہے۔ عورتوں کی جماعت جب مکروہ ہے تو انہیں جماعت نہ کرانا زیادہ بہتر ہے۔
عورت کا مردوں کی امامت نہ کرانا اس وجہ سے بھی منع ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اخروھن من حیث اخرھن اللہ" عورتوں کو مؤخر کرو جبکہ رب تعالیٰ نے انکو مؤخر کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو شہادات، وراثت، سلطنت اور تمام ولایت میں مؤخر کیا ہے تو تم ان کو نماز میں بھی مؤخر کرو، "فلا یجوز تقدیمہا" جن کو مؤخر کرنے کا حکم حضور علیہ السلام نے فرمایا ہو اور اللہ تعالیٰ نے مؤخر کیا ہو، انہیں نماز میں امامت کی غرض سے آگے کرنا کبھی جائز نہیں ہو سکتا۔ (ھدایہ، عنایہ)

فائدہ:

ویکرہ تحریماً جماعۃ النساء ولو فی التراویح یعنی ان الکراھۃ فی کل ما تشرع فیہ جماعۃ الرجال فرضاً او نفلا (در مختار، شامی) عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے اگرچہ تراویح کی ہی جماعت کیوں نہ ہو یعنی جہاں بھی مردوں کی نماز جماعت سے جائز ہو گی وہاں عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہو گی خواہ فرض ہوں یا نفل جیسے بارش کے لئے نماز، سورج گرہن میں نماز ہاں البتہ نماز جنازہ کو اس حکم سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ جب مرد نہ ہوں تو عورتیں نماز جنازہ ادا کرلیں۔

عورتیں مساجد میں جماعت سے نماز ادا نہ کریں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتوں کو مساجد میں جماعت سے نماز ادا کرنے کی اجازت تھی، لیکن جب فتنہ نمودار ہونے لگا تو منع کر دیا گیا۔ "ولقد نهی عمر النساء عن الخروج الی المساجد فشکون الیٰ عائشة رضي الله عنها فقالت لو علم النبی صلی الله علیه وسلم ما علم عمر رضی الله عنه ما اذن" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورتوں کو مساجد میں آنے سے منع کر دیا تھا، عورتوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آکر شکایت کی کہ ہمیں منع کر دیا گیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ جو حالات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے درپیش آچکے ہیں اگر یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ہوتے تو آپ کبھی بھی اجازت نہ دیتے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پاک کی تفسیر میں فرمایا کہ جوان عورتیں تو کسی نماز میں شریک نہ ہوں، البتہ بوڑھی عورتیں فجر، مغرب، عشاء میں حاضر ہو جایا کریں کیونکہ منافقین و کفار کے اوباش لوگ صبح کے وقت سوئے ہوتے ہیں اور مغرب میں کھانا کھانے میں مشغول ہوتے ہیں اور عشاء میں قصے، کہانیاں بیان کرنے میں مشغول ہوتے ہیں لیکن ظہر اور عصر میں وہ فارغ ہوتے ہیں اسلئے یہ دو وقت فتنہ کے ہیں ان میں حاضر نہ ہوں۔

خیال رہے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں آپکا زمانہ صحابہ کرام کے زمانہ سے متصل ہے وہ امن و امان کا دور تھا صرف منافقین و کفار سے خطرہ ہوتا تھا لیکن اب تو نام نہاد مسلمان کردار میں اس زمانہ کے منافقین سے بڑھ چکے ہیں اسلئے اب بوڑھی عورتوں کا بھی جماعت میں شریک نہ ہونا ہی بہتر ہے۔ اسی وجہ سے بعض متاخرین فقہاء کرام نے مطلقاً تمام عورتوں کو جماعت میں شرکت سے منع کیا ہے۔ (عنایۃ بزیادۃ)

عورتوں کی صف مردوں کی صف سے مؤخر ہو

اگر بالفرض عورتیں کہیں جماعت میں شریک ہوں ہی تو ان کی صف بچوں کی صف کے بھی بعد ہوگی۔ پہلے مردوں کی صف پھر بچوں کی پھر عورتوں کی۔ کیونکہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں جماعت میں شریک ہوتی تھیں اس وقت یہی

ترتیب ہوتی تھی۔ ویصف الرجال ثم الصبیان ثم النساء لقوله علیه السلام لیلنی منکم اولو الاحلام و النھیٰ ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم (ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ھدایہ)

پہلے مردوں کی صف ہو پھر نابالغ لڑکوں کی پھر عورتوں کی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے قریب عاقل و بالغ کھڑے ہوں پھر جو ان کے قریب ہیں (یعنی بچے) پھر جو ان کے قریب ہیں (یعنی عورتیں)۔

و للان المحاذاۃ مفسدۃ فیؤخرون (ھدایہ) اسلئے کہ عورتوں کا مردوں کے برابر کھڑا ہونا نماز کو فاسد کرتا ہے لھذا ان کو پیچھے کیا جائے۔

عورت کے ساتھ کھڑے ہونے سے مرد کی نماز کب ٹوٹتی ہے

یہ مسئلہ حدیث پاک سے ثابت ہے جو خلاف قیاس ہے اسلئے اپنے مورد پر بند رہے گا۔ تمام شرائط کے پائے جانے سے مرد کی نماز ٹوٹے گی۔ وہ شرطیں یہ ہیں (۱) مرد اور عورت دونوں ایک نماز پڑھ رہے ہوں (۲) عورت مشتہاۃ ہو یعنی بالغ یا بالغ ہونے کے قریب ہو (۳) نماز مطلق ہو نماز جنازہ نہ ہو (۴) دونوں کے درمیان کوئی ستون، بچہ وغیرہ حائل نہ ہو بلکہ ایک دوسرے سے متصل کھڑے ہوں (۵) مذکر بالغ ہو (۶) امام نے نیت کی ہو کہ میں عورتوں کا بھی امام ہوں۔ خیال رہے امام کو مردوں کے امام ہونے کی نیت کرنا ضروری نہیں۔

ان تمام شرائط کے پائے جانے سے مرد کی نماز ٹوٹ جائے گی۔ اگر امام نے عورت کی امامت کی نیت نہیں کی تو عورت کی نماز نہیں ہوگی کیونکہ اس نے قرات نہیں کی، البتہ مرد کی نماز ہو جائے گی۔

عورت کی نماز میں پردے کا خیال

عورت اگر ایسا دوپٹہ اوڑھے جس سے اس کے بال نظر آرہے ہوں تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ ایسا لباس پہنے جس سے اسکے جسم کے کچھ اعضاء ننگے ہو رہے ہوں تو نماز ادا نہیں ہوگی۔ ٹخنے کے نیچے پاؤں، ہاتھ کلائی کے جوڑ تک اور چہرہ کے بغیر عورت کے کسی عضو کا چوتھائی حصہ ننگا ہو جائے تو نماز فاسد ہوگی۔ چٹیا کا چوتھائی حصہ ننگا ہونے سے بھی

نماز درست نہیں۔
نیت کے بعد پہلی تکبیر یعنی تحریمہ کے لئے عورت کانوں تک ہاتھ نہیں اٹھائے گی بلکہ اس طرح ہاتھ اٹھائے کہ اسکی کلائیاں جسم کے ساتھ ہوں ہاتھ کندھے تک اٹھائے تاکہ کانوں تک ہاتھ اٹھانے سے نیچے سے اس کا جسم نظر نہ آئے۔ کپڑا پہننے کے باوجود جہاں تک ممکن ہو اپنے جسم کو اور زیادہ ڈھانپے۔ سجدہ کرتے ہوئے بازوؤں کو پہلوؤں سے ملا کر، پیٹ کو رانوں سے ملا کر، زمین کے قریب جتنا نیچے ہوسکے اتنا ہی نیچے ہو کر سجدہ ادا کرے۔ تشہد کے لئے بیٹھتے وقت یا دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کے لئے اپنے پاؤں باہر نکال کر زمین پر بیٹھے۔ مرد اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھائے، سجدہ بلند ہو کر، ہاتھ پہلوؤں سے ہٹا کر، پیٹ کو رانوں سے دور رکھ کر کرے، اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھے دائیں کو کھڑا کرے۔
نماز میں یہ فرق صرف عورت کے پردے کا لحاظ کرتے ہوئے کیا گیا ہے تاکہ وہ نماز اس طرح ادا کرے کہ اسکے پردے کا لحاظ ہوسکے۔ خیال رہے کہ عورت باہر صحن میں نماز ادا کرے تو تھوڑا ثواب ہے اور کمرے میں نماز ادا کرے تو زیادہ ثواب ہے اور کمرے کے اندر دوسرے کمرے میں نماز ادا کرے تو زیادہ ثواب ہے۔

عورت کے حج میں پردے کا لحاظ

احرام میں مرد دو چادریں استعمال کرتا ہے، لیکن عورت سلے ہوئے کپڑے یعنی شلوار قمیص۔ مرد اپنے سر کو ننگا رکھتا ہے لیکن عورت کو سر ڈھانپنا پڑتا ہے۔ مرد پہلے طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کرتا ہے یعنی کندھوں کو پہلوانوں کی طرح ہلا کر چلتا ہے، تیز تیز اکڑ کر چلتا ہے لیکن عورت آرام آرام سے پروقار طریقہ سے چلے۔ صفا اور مروہ کے درمیان سعی میں نشیبی جگہ (جس کو آج کل سبز ٹیوب سے نمایاں کیا گیا ہے) میں دوڑ کر چلے لیکن عورت آرام سے چلے۔ خیال رہے اگرچہ یہ سنت ایک عورت یعنی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی ہے لیکن جب حضرت ہاجرہ وہاں دوڑی تھیں اس وقت وہاں انسان تو کیا کوئی جانور اور پرندہ تک نہیں تھا کیونکہ وہاں پانی نہیں تھا، جانور وہاں ہوتے ہیں جہاں پانی ہو۔ اسلئے اس وقت آپ کا وہاں دوڑنا درست تھا لیکن اب عورت

کا دوڑنا درست نہیں۔

مرد کو تلبیہ بلند آواز سے پڑھنے کا حکم ہے، عورت کو آہستہ آواز سے (یہ مسئلہ تفصیل سے پہلے بیان کر دیا گیا ہے) مزدلفہ سے منیٰ کی طرف آنے کے لئے مرد طلوع سورج سے پہلے لیکن خوب روشنی میں چلیں، عورتوں کو ہجوم سے بچنے کے لئے پہلے ہی اندھیرے میں بھیجا جا سکتا ہے کہ وہ صبح کی نماز منیٰ میں ادا کر لیں۔

دس ذی الحج کو منیٰ میں جمرات کو کنکریاں زوال شمس سے پہلے مرد ماریں لیکن عورتیں ہجوم سے بچنے کے لئے سورج ڈھلنے کے بعد ماریں تو ان کے لئے اس طرح استحبابی ثواب ہو گا جو مردوں کو سورج کے ڈھلنے سے پہلے حاصل ہوتا ہے۔

تنبیہ:

اگر عورت کو ان دنوں میں حیض آجائے تو حج کے باقی افعال پر وہ عمل کرے گی، لیکن صرف طواف نہیں کر سکے گی کیونکہ حیض کی حالت میں طواف کرنا اسکے لئے منع ہے۔

آخری طواف جسے طواف وداع یا طواف صدر یا طواف آخر عہد کہا جاتا ہے وہ واجب ہے۔ اس طواف کے وقت اگر عورت کو حیض آجائے تو وہ طواف کو چھوڑ دے یعنی اسے یہ طواف ترک کر دینے کی رخصت دی گئی ہے۔

نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا "من حج البیت فلیکن آخر عہدہ بالبیت الا الحیض فرخص لھن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "جو شخص بیت اللہ کا حج کرے اس کا آخری کام بیت اللہ شریف کا طواف ہی ہونا چاہیئے سوائے حیض والی عورتوں کے، ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت عطا فرمائی ہے۔ (حدایۃ، فتح القدیر، ترمذی)

طواف جس کا کرنا حج کا رکن ہے اگر ان دنوں میں یعنی دس، گیارہ، بارہ ذی الحج کو عورت حیض میں مبتلا ہو جائے تو طواف کو مؤخر کر دے، اس پر کوئی دم (جانور ذبح کرنا) لازم نہیں آئے گا۔ ہاں اگر اس کو ان دنوں میں طواف کے چار چکر لگانے کا موقع بھی مل چکا تھا، حیض ختم ہو گیا تھا یا شروع کچھ دیر کے بعد ہوا تھا تو اب تاخیر کی وجہ سے دم لازم آئے گا۔ (در مختار)

عورت حج میں قصر کرائے حلق نہ کرائے

دس ذی الحج کو دم (قربانی / ھدی) کے بعد مرد کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ اپنے سر کے بال استرے سے منڈائے اور اگر قصر کرائے یعنی اپنے سر کے بال انگلی کے پورے کے برابر چھوٹے کرائے تو پھر بھی جائز ہے، اسلئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج میں حلق یعنی سر منڈانے کو پسند فرمایا اور دعا فرمائی،

اللھم ارحم المحلقین قالوا و المقصرین یا رسول اللہ قال اللھم ارحم المحلقین قالوا و المقصرین یا رسول اللہ قال اللھم ارحم المحلقین قالوا و المقصرین یا رسول اللہ قال و المقصرین (بخاری، مسلم، فتح القدیر)

اے اللہ حلق کرانے والوں پر رحم فرما، صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ قصر کرانے والوں پر۔ تو آپ نے چوتھی مرتبہ دعا میں قصر کرانے والوں کو بھی شامل کیا تو اس سے واضح ہوا کہ آپ کو حلق پسند تھا۔

لیکن عورت حج میں بال نہ منڈائے بلکہ صرف انگلیوں کے پورے کی مقدار چھوٹے کرائے۔

و لا تحلق و لکن تقصر لما روی ان النبی علیہ السلام نھی النساء عن الحلق و امرھن بالتقصیر و لان حلق الشعر فی حقھا مثلۃ کحلق اللحیۃ فی حق الرجل (ھدایہ)

عورت بال منڈائے نہیں بلکہ چھوٹے کرائے، اسلئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو بال منڈانے سے منع فرمایا اور چھوٹے کرنے کا حکم دیا۔ عورتوں کا بال منڈانا مثلہ بنتا ہے یعنی شکل کو بگاڑنا لازم آتا ہے جو جائز نہیں۔ جیسے مرد کا داڑھی منڈانا اپنی شکل بگاڑنا ہے، یہ ناجائز ہے کہ انسان اپنی وہ شکل بنائے جو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہو۔

حج کے مسائل پر عام حالات کو قیاس نہ کیا جائے

حج کے احرام کے دوران مرد سلے ہوئے کپڑے نہیں پہن سکتا لیکن حج کے بغیر سلے ہوئے کپڑے ہی استعمال ہوتے ہیں۔ حج کے احرام میں مرد اپنے سر کو ننگا رکھے گا لیکن حج کے بغیر نماز میں ننگے سر رہنا مکروہ ہے۔

الصلوۃ فی مکشوف الراس یکرہ للتکاسل و لا باس بہ للتذلل قال فی شرح المنیۃ فیہ

اشارة الى ان اللاولىٰ لا يفعله و ان يتذلل و يخشع بقلبه فانهما من افعال القلب و ان كشف الراس استخفافا كفر نعوذ بالله الحفيظ (من عراقی و در مختار و شامی)

مرد کو سستی کی وجہ سے ننگے سر نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔ اپنے آپ کو کمتر سمجھنے کے لئے ننگے سر نماز ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن شرح منیہ میں ہے کہ "لا باس" کہنے سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ بہتر یہی ہے کہ ننگے سر نماز ادا نہ کرے، اسلئے کہ عاجزی اور اپنی حقارت کو دل سے پیش کرے کیونکہ یہ دونوں دل کے فعل ہیں۔ اور اگر کسی شخص نے نعوذ باللہ ننگے سر نماز اسلئے ادا کی کہ وہ سر کو ڈھانپنا گھٹیا سمجھتا ہے تو کافر ہو جائے گا، شعار دین کو گھٹیا سمجھنا کفر ہے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

وہم کا ازالہ:

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ مسجد کی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا جائز نہیں کہ یہ ٹوپی پہن کر انسان بڑے لوگوں کی محفل میں نہیں جا سکتا، یہ عذر لنگ اور خیال باطل ہے۔ ایسا لباس جو میلا کچیلا ہو جس سے محنت و مشقت کی وجہ سے بدبو آ رہی ہو اور وہ لباس پہن کر اسے کسی محفل میں جانے سے شرم آئے تو ایسے لباس سے نماز اس وقت مکروہ ہوگی جب اسکے پاس دوسرا لباس موجود ہو، یہ بھی مکروہ تنزیہی۔

لیکن ایسا لباس جو صاف ستھرا ہو اس پر پیوند لگے ہوئے ہوں، ایسا لباس جو عاجزانہ ہو تکبرانہ نہ ہو وہی رب تعالیٰ کو پسند ہے۔ مسجد کی ٹوپی عاجزانہ لباس میں داخل ہے، ننگے سر سے مسجد کی ٹوپی ہزار درجہ بہتر ہے۔ متکبرین ننگے سر نماز ادا کرنے کے بجائے اپنے پاس فاخرانہ ٹوپی رکھ لیا کریں۔

حج میں دیکھیں احرام کے آگے پیچھے تمام اسلامی ممالک کے حضرات سر پر ٹوپی، رومال وغیرہ رکھ کر نماز ادا کرتے ہیں۔ صرف سعودیہ کے نوجوان یا پاکستان کے سر پھروں کا کام ننگے سر نماز ادا کرنا ہے۔

عورت اپنے بال لمبے رکھے

حج میں عورت کے بال کٹانے سے عام حالات کا حکم یہی نہ سمجھا جائے۔ حج میں بھی صرف پورے برابر کاٹنے کا حکم ہے۔

قطع الجمة الى الاذن فى حق الرجال جائز و اما فى النساء فانهن يرسلن شعورهن

لایتخذن جمۃ (مرقاۃ ج ۸ ص ۳۲ باب الترجل)
مرد کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے وافر لمبے بالوں کو کانوں تک کٹائے جس طرح منڈانا اور بال چھوٹے کرانا اس کے لئے جائز ہے) لیکن عورتوں کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ اپنے بالوں کو لمبا چھوڑ دیں، وہ اپنے وافر بالوں کو کٹائیں نہیں۔
فائدہ:
و انما حلق رؤسھم مع ان ابقاء الشعر افضل الا بعد فراغ احد النسکین (مرقاۃ ج ۸ ص ۳۲ باب الترجل)
مردوں کو سر منڈانا جائز ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ بال باقی رکھیں ہاں البتہ عمرہ یا حج کے بعد مردوں کو بال منڈانا افضل ہے۔

عورت کا بال کٹانا ناجائز ہے

عورت کے لئے سر منڈانا یا مردوں کی طرح بال کٹوانا حرام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردوں کی سی شکل بنائیں صرف احرام کھولتے وقت بالوں کا کچھ حصہ یعنی انگلی کے پورے کے برابر کاٹ دیں (از تفسیر نعیمی پ ۲)
خیال رہے اسی طرح مردوں کو عورتوں کی شکل اختیار کرنا، یعنی عورتوں جیسا لباس پہننا، بال عورتوں کی طرح رکھنا ناجائز ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لعن اللہ المتشبھات من النساء بالرجال و المتشبھین من الرجال بالنساء (مرقاۃ ج ۶ ص ۲۰۲ باب النظر الی المخطوبۃ) اللہ کی لعنت ہو ان عورتوں پر جو اپنے آپ کو مردوں کے مشابہ کرتی ہیں اور لعنت ہو ان مردوں پر جو اپنے آپ کو عورتوں کے مشابہ کرتے ہیں۔
وضع قطع، لباس، چال ڈھال، گفتار میں مرد اور عورت اگر ایک دوسرے کی مشابہت کریں گے تو وہ لعنت کے مستحق ہوں گے۔

عورت کا اپنی داڑھی اور مونچھوں کے بال نوچنا مستحب ہے

اذا نبتت للمراۃ لحیۃ فیستحب لھا حلقھا (نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۱۲۹ باب خصال الفطرۃ) عورت کی جب داڑھی نکل آئے تو اس کے لئے منڈانا مستحب ہے۔
اذا نبتت للمراۃ لحیۃ او شوارب فلا تحرم ازالتھا بل یستحب عندنا (نووی شرح مسلم

ج ۲ ص ۲۰۳ باب تحریم فعل المواصلہ) عورت کو جب داڑھی یا مونچھیں نکل آئیں تو ان کا زائل کرنا ناجائز نہیں، بلکہ ان کا زائل کرنا مستحب ہے۔

فائدہ: مرد کو داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹانے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو بیان فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا،

احفوا الشوارب و اعفوا اللحیۃ (مسلم، ج ا باب خصال الفطرۃ ص ۱۲۹)

مونچھوں کو کٹاؤ اور داڑھی کو بڑھاؤ۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، یکرہ حلقہا وقصہا وتحریقہا- داڑھی کا منڈانا، کٹانا اور جلانا مکروہ تحریمی ہیں۔ و اما الاخذ من طولہا و عرضہا فحسن و یکرہ الشہرۃ فی تعظیمہا کما تکرہ فی قصہا و جزھا- داڑھی کو لمبائی اور چوڑائی سے کانٹ چھانٹ بہتر ہے اسلئے کہ داڑھی کو بڑھانے میں شہرت حاصل کرنا ایسے ہی مکروہ ہے جیسے داڑھی کا کٹانا مکروہ تحریمی ہے۔

و منہم من حد و بما زاد علی القبضۃ فیزال- داڑھی کی حد ایک قبضہ (مٹھی برابر یعنی چار انگلیاں) ہے جو اس سے بڑھ جائے اسے کاٹ دیا جائے، کرہ مالک طولہا- امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے داڑھی کا زیادہ لمبا کرنا مکروہ قرار دیا ہے۔ (نووی شرح حدیث)

و اللحیۃ عندنا طولہا بقدر القبضۃ (بضم القاف) ہمارے نزدیک داڑھی کی لمبائی ایک قبضہ (مٹھی بھر) کی مقدار ہے۔ فان الطول المفرط یشوہ الخلقۃ و یطلق السنۃ المغتابین بالنسبۃ الیہ فلا باس للاحتراز عنہ علیٰ ھذہ النیۃ- داڑھی جب اتنی لمبی ہو جائے جو بدنما نظر آئے شکل کو بگاڑ دے اور طعنہ زن، غیبت کرنے والے لوگوں کی زبانیں اسکے خلاف بدگوئی کریں، باعث تضحیک یعنی مزاح کا سبب بنے تو اس وقت داڑھی کو قبضہ سے جو زائد ہے اس کو کٹا دے۔ بلکہ ایسی صورت میں داڑھی کا زائد مقدار کو کٹانا واجب ہو گا۔

و ماوراء ذالک یجب قطعہ روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یاخذ من اللحیۃ من طولہا و عرضہا اوردہ ابو عیسیٰ فی جامعہ و قال من سعادۃ الرجل خفۃ لحیتہ- قبضہ سے زائد داڑھی کا کٹانا واجب ہے اسلئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی کو لمبائی اور چوڑائی سے کانٹ چھانٹ فرماتے تھے۔ اس حدیث کو ابو عیسیٰ ترمذی نے اپنی جامع میں ذکر فرمایا اور ساتھ ہی کہا کہ مرد کو قبضہ کی مقدار ہی داڑھی پر اکتفاء

کرنا چاہیئے یہ اسکی نیک بختی کی علامت ہے۔ فیجعلھا بین اللحیتین ای طویل و قصیر فان التوسط من کل شیء احسن و منه قیل خیر الامور اوسطھا- داڑھی درمیانی ہونی چاہیئے قبضہ سے چھوٹی بھی نہ ہو اور بہت بڑی بھی نہ ہو اسلیئے کہ ہر چیز میں میانہ روی ہی بہتر ہے، اسلیئے کہ تمام امور میں میانہ روی بہتر ہے۔ و من ثم قیل کلما طالت اللحیة نقص العقل اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ جب داڑھی بہت لمبی ہو جائے تو وہ عقل کی کمی کی علامت ہے۔ (مرقاۃ ج ۸ ص ۲۹۸ باب الترجل)

داڑھی بھی ناف تک آرہی ہو پھر سکوٹر پر سوار بھی ہو تو عجیب منظر ہوتا ہے۔ لوگ دیکھ کر نہ ہنسیں تو کیا کریں۔ اسلام کو باعث تضحیک نہ بنایا جائے بلکہ باعث تعریف بنایا جائے، بلاوجہ تکلف میں پڑ کر اپنی شکلوں کو نہ بگاڑیں۔ مرد کے لئے مونچھوں کو کٹانا منڈانے سے افضل ہے، دونوں طرفوں میں مونچھیں لمبی کرنا جائز ہے لیکن درمیان میں لمبی کرنا منع ہے۔ ان السنة فی قص الشارب ان لا یبالغ فی احفائه بل یقتصر علیٰ ما تظھر به حمرة الشفة و طرفھا- مونچھوں کو بہت زیادہ نہ کٹائے بلکہ اتنا کٹائے جس سے ہونٹوں اور اسکی طرفوں میں جسم کی سرخی نظر آجائے۔ احادیث میں کٹانے سے مراد اتنا ہی ہے۔

و قیل الافضل حلقه لحدیث و الاکثرون علی القص بل رای مالک تادیب الحالق، بعضوں نے کہا ہے کہ افضل حلق ہے لیکن زیادہ حضرات اسی طرف ہیں کہ مونچھوں کو کٹایا جائے منڈایا نہ جائے بلکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تو مونچھوں کو منڈانے والے کو ادب سکھانے کے قائل ہیں۔ (مرقاۃ ج ۸ ص ۱۹۸ کتاب الاطعمۃ)

عورت بغیر محرم یا خاوند کے حج نہیں کر سکتی

و یعتبر فی المراۃ ان یکون لھا محرم تحج به او زوج و لا یجوز لھا ان تحج بغیرھما اذا کان بینھا و بین مکة مسیرة ثلثة ایام (ھدایہ) جہاں سے عورت نے چلنا ہے وہاں سے لیکر مکہ مکرمہ تک اگر مسافت سفر یعنی ساڑھے ستاون میل (ساڑھے بانوے کلو میٹر تقریباً، ۵۳۷۔۹۲) کا فاصلہ ہو تو وہ بغیر خاوند یا محرم کے حج نہیں کر سکتی۔ محرم سے یہاں وہ محرم مراد ہے جس سے نکاح ہمیشہ جائز نہ ہو سکے خواہ رشتہ قرابت کے لحاظ سے یا رضاعت کے لحاظ سے یا شادی کی وجہ سے محرمیت حاصل ہو۔ جیسے باپ، بھائی، چچا،

ماموں، دادا، نانا وغیرہ رشتہ قرابت کے لحاظ سے محرم ہیں جن سے ہمیشہ نکاح نہیں ہو سکتا۔ رضاعت (دودھ کی شراکت) کی وجہ سے بھائی، باپ وغیرہ جن سے ہمیشہ نکاح نہ ہو سکے ان کے ساتھ حج جائز ہوگا۔ شادی کی وجہ سے سسر اور خاوند کا بیٹا جو کسی اور زوجہ سے ہو اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوں گے، انکے ساتھ حج جائز ہوگا۔

عارضی محرم کے ساتھ حج جائز نہیں ہوگا۔ عارضی محرم سے مراد وہ شخص ہے جس سے نکاح ناجائز ہے لیکن ہمیشہ نہیں جیسے بہنوئی۔ جب تک بہن اسکے نکاح میں ہے اس سے نکاح جائز نہیں لیکن بہن کے فوت ہو جانے پر یا اس کو طلاق دینے پر اس شخص سے اس عورت کی دوسری بہن کا نکاح جائز ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پھوپھی اور خالہ کے خاوند کا حکم بھی ہے اور ایسے ہی بھانجی اور بھتیجی کے خاوند کا حکم بھی ہے۔

یہ حکم ہر عورت کے لئے ہے "شابة كانت او عجوزاً" جوان ہو یا بوڑھی ہو۔ محرم یا خاوند کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ عورت کو جب تک خاوند یا محرم کا ساتھ میسر نہ ہو سکے تو اس پر حج فرض نہیں خواہ کتنے ہی مال و دولت کی مالک کیوں نہ ہو۔

اگر کوئی بیوہ یا مطلقہ یا غیر شادی شدہ مالدار ہے تو صرف حج کی غرض سے اس پر نکاح کرنا زوج بنانا فرض نہیں جس طرح فقیر پر فرض نہیں کہ وہ ضرور محنت و مزدوری کر کے حج کے لئے مال جمع کرے۔

اصل میں مطلقاً ساڑھے ستاون میل یا اس سے زیادہ سفر کرنا ہی عورت کے لئے بغیر محرم یا زوج کے منع ہے۔ (از عنایہ و فتح القدیر)

بغیر محرم یا زوج کے عورت کے حج کرنے میں مفاسد

جب ساڑھے ستاون میل سے کم سفر ہو تو عورت بغیر محرم یا زوج کے سفر کر سکتی ہے اور حج کر سکتی ہے۔ محرم کے بغیر حج کرنے کے ارادے سے زوج کو حق ہے کہ وہ اپنی زوجہ کو منع کر دے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "لا تحجن امراة الا و معها ذو محرم" (دار قطنی، فتح القدیر) کوئی عورت ہرگز بغیر محرم کے حج نہ کرے۔

و لانها بدون المحرم يخاف عليها الفتنة و تزداد بانضمام غيرها اليها و لهذا تحرم الخلوة بالاجنبية و ان كان معها بغيرها (هدايه)

اسلئے کہ بغیر محرم کے عورت کے حج کرنے میں فتنہ ہے۔ اور اگرچہ اور عورتیں بھی ساتھ ہوں پھر بھی بغیر محرم کے حج پر جانا منع ہوگا کیونکہ اجنبی عورتوں کا بھی ساتھ ملنا بسا اوقات زیادہ فتنہ و فساد کا سبب بنتا ہے۔ اسی وجہ سے کسی مرد کے لئے جائز نہیں کہ کسی اجنبی عورت سے دوسری اجنبی عورت کے ہوتے ہوئے خلوت کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے، الا لا یبیتن رجل عند امراۃ ثیب الا ان یکون ناکحاً او ذا محرم (مسلم ج ۲ ص ۲۲۳ باب تحریم الخلوۃ بالاجنبیۃ) خبردار کوئی شخص کسی ثیبہ عورت کے پاس رات نہ گذارے سوائے اسکے زوج یا محرم کے، یعنی ان کے لئے جائز ہے۔ حدیث پاک میں ثیبہ کے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت عادت کے مطابق ثیبہ کے پاس اجنبی آدمی کے آنے کی پرواہ نہیں کی جاتی تھی لیکن باکرہ کی حفاظت کی جاتی، ان کے پاس کوئی اجنبی آدمی نہیں آتا تھا۔ انکی حفاظت پہلے ہی ہو رہی تھی اسلئے انہیں ذکر کرنے کی ضرورت محسوس نہ فرمائی، ورنہ حکم عام ہے۔ ثیبہ اور باکرہ سب کے ساتھ اجنبی کو خلوت کرنا منع ہوگا۔ اذا نھی عن الثیب التی یتساھل الناس فی الدخول علیھا فی العادۃ فالبکر اولیٰ (نووی) جب ثیبہ سے منع فرمایا جن کے پاس لوگ آنے جانے میں احتیاط کم ہی برتتے تھے تو باکرہ کا حکم تو یقیناً یہی ہوتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، لاتلجوا علی المغیبات فان الشیطن یجری من احدکم مجری الدم (ترمذی، مشکوۃ باب النظر الی المخطوبۃ)

جن عورتوں کے خاوند یا محرم لوگ موجود نہ ہوں ان اجنبی عورتوں کے پاس نہ جاؤ کیونکہ شیطان انسان میں اس طرح اثر انداز ہوتا ہے جیسے خون انسان کی رگوں میں سرایت کرتا ہے۔

مرد اور عورت اپنی نگاہوں کو پست رکھیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے، قل للمومنین یغضوا من ابصارھم و یحفظوا فروجھم – تا – حتی یغنیھم اللہ من فضلہ (پ ۱۸) آپ حکم دیجئے مومنوں کو کہ وہ نیچے رکھیں اپنی نگاہیں اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی، یہ (طریقہ) بہت پاکیزہ ہے ان کے لئے بیشک اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے ان کاموں پر جو وہ کیا کرتے ہیں۔ اور آپ حکم دیجئے

ایماندار عورتوں کو کہ وہ نیچی رکھیں اپنی نگاہیں اور حفاظت کیا کریں اپنی عصمتوں کی اور نہ ظاہر کیا کریں اپنی آرائش کو مگر جتنا خود بخود نمایاں ہو اس سے۔ اور ڈالے رہا کریں اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر اور نہ ظاہر ہونے دیں اپنی آرائش کو مگر اپنے شوہروں کے لئے یا اپنے باپوں کے لئے یا اپنے شوہروں کے باپوں کے لئے یا اپنے بیٹوں کے لئے یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں کے لئے یا اپنے بھائیوں کے لئے یا اپنے بھتیجوں کے لئے اور اپنے بھانجوں کے لئے یا اپنی ہم مذہب عورتوں پر یا اپنی باندیوں پر یا اپنے ایسے نوکروں پر جو (عورت کے) خواہشمند نہ ہوں یا ان بچوں پر جو (ابھی تک) آگاہ نہیں عورتوں کی شرم والی چیز پر اور نہ زور سے ماریں اپنے پاؤں (زمین پر) تاکہ معلوم ہو جائے وہ بناؤ سنگھار جو وہ چھپائے ہوئے ہیں اور رجوع کرو اللہ کی طرف سب کے سب اے ایمان والو تاکہ تم (دونوں جہانوں میں) بامراد ہو جاؤ اور نکاح کر دیا کرو جو بے نکاح ہیں تم میں سے اور جو نیک ہیں تمہارے غلاموں اور کنیزوں میں سے اگر وہ تنگدست ہوں (تو فکر نہ کرو) غنی کر دے گا انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہمہ دان ہے (سب کچھ جاننے والا ہے) اور چاہئے کہ پاکدامن بنے رہیں وہ لوگ جو نہیں پاتے شادی کرنے کی قدرت یہاں تک کہ غنی کر دے انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے۔

حضرت پیر کرم شاہ صاحب الازہری ان آیات کی تفسیر میں رقمطراز ہیں، شریعت اسلامیہ فقط گناہوں سے نہیں روکتی اور ان کے ارتکاب پر سزا نہیں دیتی بلکہ ان تمام وسائل اور ذرائع پر پابندی عائد کرتی ہے اور انہیں ممنوع قرار دیتی ہے جو انسان کو گناہوں کی طرف لے جاتے ہیں تاکہ جب گناہوں کی طرف لے جانے والا راستہ ہی بند ہوگا تو گناہوں کا ارتکاب آسان نہیں ہوگا، طبیعت میں ہیجان پیدا کرنے والے اور جذبات شہوت کو مشتعل کرنے والے اسباب سے نہ روکنا اور ان کو کھلی چھٹی دے دینا اور پھر یہ توقع رکھنا کہ ہم اپنے قانون کی قوت سے لوگوں کو برائی سے بچا لیں گے، بڑی نادانی اور ابلہی ہے۔ اگر کوئی نظام ان عوامل اور محرکات کا قلع قمع نہیں کرتا جو انسان کو بدکاری کی طرف دھکیل کر لے جاتے ہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اس برائی کو برائی نہیں سمجھتا اور نہ اس سے لوگوں کو بچانے کی مخلصانہ کوشش کرتا

ہے۔اس کی زبان پر جو کچھ ہے وہ اس کے دل کی صدا نہیں بلکہ محض ریاکاری اور ملمع سازی ہے۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ
بازمی گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

کسی کو بہتے ہوئے دریا میں دھکا دے کر گرا دینا اور پھر اسے کہنا کہ خبردار، اپنے دامن کو پانی کی موجوں سے گیلا نہ ہونے دینا بہت بڑی زیادتی ہے۔

اس سورت کا آغاز زناکاروں کی سزا کے ذکر سے ہوا۔یہاں ان راستوں کو ہی بند کیا جارہا ہے جو انسان کو اس جرم شنیع کی طرف لے جاتے ہیں۔ بدکاری کا سب سے خطرناک راستہ نظربازی ہے اسلئے سب سے پہلے اس کو بند کیا جارہا ہے۔مردوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھو اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔جب نگاہ کسی نامحرم کی طرف نہیں اٹھے گی تو دل میں اس کی طرف کشش پیدا نہیں ہوگی۔جب کشش ہی ناپید ہوگی تو بدفعلی کا ارتکاب ہی بعید از قیاس ہوگا۔آیت میں مطلقاً آنکھوں کو بند رکھنے کا حکم نہیں دیا جارہا بلکہ اس کی طرف آنکھ بھر کر دیکھنے سے روکا جارہا ہے جس کی طرف دیکھنا حرام ہے۔حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی سختی سے نامحرم کی طرف دیکھنے سے منع فرمایا ہے۔چند ارشادات نبوی ملاحظہ فرمائیے۔

عن ابی امامة یقول سمعت رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم اکفلوا لی بست اکفل لکم بالجنة اذا حدث احدکم فلا یکذب و اذا اؤتمن فلا یخن و اذا وعد فلا یخلف و غضوا ابصارکم و کفوا ایدیکم و احفظوا فروجکم (ابن کثیر)

اگر تم میرے ساتھ ان چھ باتوں کا وعدہ کرو تو میں تمہارے لئے جنت کا ضامن ہوں۔
(۱) جب تم میں سے کوئی بات کرے تو جھوٹ نہ بولے (۲) جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت نہ کرے (۳) جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی نہ کرے (۴) اپنی نگاہوں کو نیچا رکھے (۵) اپنے ہاتھوں کو روکے رکھے (۶) اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضور کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔من یکفل لی ما بین لحییه و بین رجلیه اکفل له الجنة جو شخص مجھے دو باتوں کی ضمانت دے کہ جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان یعنی زبان اور جو اسکی دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے تو میں اسے

جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان النظر سھم من سہام ابلیس مسموم من ترکه مخافتی ابدلته ایماناً یجد حلاوتھا فی قلبه- نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے، جو اس کو میرے خوف سے ترک کرتا ہے میں اسے ایمان کی نعمت بخشوں گا جس کی مٹھاس وہ اپنے دل میں پائے گا۔ حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر اجنبیہ پر نظر پڑ جائے تو اس کا کیا حکم ہے "فامرنی ان اصرف بصری "حضور نے مجھے حکم فرمایا کہ میں اپنی نظر کو پھیر لوں۔ اچانک کسی نامحرم پر اگر نظر پڑ جائے تو وہ معاف ہے۔ لیکن اگر دوبارہ دانستہ اسکی طرف دیکھے گا تو گنہگار ہو گا "فان لک الاولیٰ و لیس لک الاخرة"

یہ احادیث طیبہ تفسیر ابن کثیر سے منقول ہیں۔

اور حکم دیا کہ اپنی ستر کی جگہوں کو ڈھانپے رکھیں اور انہیں برہنہ نہ ہونے دیں۔ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں جہاں بھی حفظ فروج کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد زنا سے بچنا ہے، لیکن یہاں اس سے مراد ستر پوشی ہے تا کہ ان پر نظر نہ پڑے۔ مرد کا ستر ناف سے گھٹنوں تک ہے۔ اتنی جگہ کو اسے ننگا نہ ہونے دینا چاہیئے اور اگر کوئی برہنہ ہو تو اسکی طرف دیکھنا نہ چاہیئے۔ تنہائی میں بھی بے پردہ ہونے کی اجازت نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی کو فرمایا "احفظ عورتک الا من زوجتک او ما ملکت یمینک" اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ "افرایت اذا کان الرجل خالیاً" اگر انسان تنہا ہو تو پھر اسکے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا "فاللہ احق ان یستحیٰ منه" اس وقت بھی ستر نہ کھولے اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس سے شرم کی جائے۔

اس کے بعد نگاہیں نیچے رکھنے کی حکمت بیان کی جارہی ہے کہ اس طرح ہی تمہارا دامن عفت پاک رہ سکتا ہے۔ اور اگر نگاہیں ہوسناک ہوں، مرد و زن کا آزادانہ اختلاط ہو، خلوت میں نامحرموں کے ساتھ سلسلہ گفتگو بھی جاری رہے اور پھر انسان یہ خیال کرے کہ وہ اپنے دامن کو داغدار نہیں ہونے دے گا تو یہ اسکی حماقت کی انتہا ہے۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے اور بچیاں عفیف اور عصمت شعار رہیں تو ہمارا فرض

ہے کہ ہم انہیں قرآن کریم کی ان آیات کی تعلیم دیں۔ حضور کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے یہ حکیمانہ ارشادات ازبر (یاد) کرائیں تاکہ وہ ہلاکت کے گرداب کے نزدیک ہی نہ آنے پائیں۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں،

"البصر هو الباب الاكبر الى القلب و بحسب ذالک كثر السقوط من جهته و وجب التحذير منه و غضه واجب عن جميع المحرمات و قل ما يخشى الفتنة من اجله" نظر دل کی طرف کھلنے والا سب سے بڑا دروازہ ہے، نگاہ کی بے راہ روی کے باعث ہی اکثر لغزشیں ہوتی ہیں، اس لئے اس سے بچنا چاہئے اور تمام محرکات سے انہیں روکنا چاہئے۔

مردوں کے بعد عورتوں کا ذکر:

پہلے مردوں کو نگاہیں نیچی رکھنے اور شرمگاہوں کی حفاظت کرنے کا حکم دیا گیا اسکے بعد مومن عورتوں کو ان آداب و احکام کی پابندی کا حکم فرمایا گیا، جن سے وہ اپنی ناموس اور آبرو کو محفوظ رکھ سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمارہا ہے کہ آپ مومن عورتوں کو حکم دیجئے کہ (۱) وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں (۲) اپنے ستر کی جگہوں کی حفاظت کیا کریں (۳) اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں بجز اسکے جس کے ظاہر کئے بغیر چارہ نہیں (۴) اپنی اوڑھنیوں سے اپنے سینوں کو ڈھانپ لیا کریں (۵) زمین پر پاؤں اس طرح نہ ماریں جن سے انکی مخفی زینت و آرائش ظاہر ہو (۶) درمیان میں ان لوگوں کا اظہار کر دیا جن کے سامنے زینت کا اظہار ممنوع نہیں۔

یہ چھ ارشادات ربانی ہیں جو اس آیۂ کریمہ میں ذکر کئے گئے ہیں۔ اب ذرا ان کا تفصیلی تذکرہ سماعت فرمائیے تاکہ وہ قواعد و ضوابط آپ کے سامنے واضح ہو جائیں جن پر کاربند ہونا اسلامی معاشرہ کو پاکیزہ رکھنے کے لئے ہر مرد اور عورت پر لازمی ہے۔ عورتوں کو بھی نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا جارہا ہے کہ وہ ان چیزوں کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں جن کی طرف دیکھنا ممنوع ہے۔

اس مسئلہ کو امام فخر الدین رازی نے خاص ترتیب سے لکھا ہے جس سے مسئلہ کے سارے گوشے واضح ہو جاتے ہیں اس لئے میں انہیں کی اتباع کرتے ہوئے اس مسئلہ کو پیش خدمت کرتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ جسم کا وہ حصہ جس کو ظاہر کرنا یا جس کو دیکھنا ممنوع ہے چار طرح سے ہے:

(۱) مرد کے جسم کا وہ حصہ جو دوسرے مرد کو دیکھنا ممنوع ہے۔
(۲) عورت کے جسم کا وہ حصہ جو دوسری عورت کو دیکھنا ممنوع ہے۔
(۳) عورت کے جسم کا وہ حصہ جو مرد کو دیکھنا ممنوع ہے۔
(۴) مرد کے جسم کا وہ حصہ جس کی طرف عورت کو دیکھنا جائز نہیں۔

(۱) مرد کا مرد کو دیکھنا:

مرد کے جسم کا وہ حصہ جس کی طرف دوسرا مرد نہیں دیکھ سکتا، ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے۔ امام اعظم کے نزدیک گھٹنوں کو دیکھنا جائز نہیں اور ران کو دیکھنا بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک دن مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کی ران کا کپڑا سرک گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "غط فخذک فانھا من العورۃ" اپنی ران کو ڈھانپ لو کیونکہ یہ بھی ستر ہے۔ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی ارشاد فرمایا "لا تبرز فخذک ولا تنظر الی فخذ حی ولا میت" اپنی رانوں کو ظاہر نہ کرو اور کسی مردہ یا زندہ کی ران کی طرف مت دیکھو۔

(۲) عورت کا عورت کو دیکھنا:

عورت کے جسم کا وہ حصہ جو کسی عورت کو دیکھنا بھی جائز نہیں وہ بھی یہی ہے یعنی ناف سے لے کر گھٹنوں تک نہیں دیکھ سکتی باقی جسم کا دیکھنا جائز ہے اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو یہ بھی ممنوع ہے۔

غیر مسلم عورت مسلمان عورت کے صرف ان حصوں کو دیکھ سکتی ہے جو مرد دیکھ سکتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سالار لشکر کی طرف لکھا، انہ بلغنی ان نساء اھل الذمۃ یدخلن الحمامات مع نساء المسلمین فامنع من ذالک وحل دونہ فانہ لا یجوز ان تری الذمیۃ عریۃ المسلمۃ۔ یعنی مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ ذمی عورتیں مسلمان عورتوں کے ساتھ حمام میں جاتی ہیں اس سے روک دو کیونکہ کسی ذمیہ عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ مومن عورت کے ستر کو دیکھے۔

(۳) مرد کا اجنبی عورت کو دیکھنا:

عورت کے بدن کا وہ حصہ جو مرد کو دیکھنا ممنوع ہے اسکی وضاحت کرتے ہوئے امام

موصوف لکھتے ہیں، وہ عورت اجنبی ہوگی، محرم ہوگی یا بیوی ہوگی۔ اگر وہ آزاد نامحرم عورت ہے تو اس کا سارا بدن ہاتھ اور چہرے کے سوا ستر ہے۔ کیونکہ وہ بیع شراء اور لین دین کے وقت چہرہ اور ہاتھوں کو کھولنے پر مجبور ہوتی ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چہرہ اور ہاتھوں کو دیکھنے کی تین صورتیں ہیں:

(ا) چہرہ دیکھنے کی کوئی غرض نہ ہو، فتنہ کا اندیشہ بھی نہ ہو (ب) دوسری صورت یہ ہے دیکھنے کی غرض کوئی نہیں اور فتنہ کا اندیشہ بھی ہے (ج) تیسری صورت یہ ہے کہ غرض بھی ہے اور فتنہ کا اندیشہ بھی ہے۔

(ا) پہلی صورت میں اجنبیہ کی طرف بلا مقصد، قصد و ارادہ سے دیکھنا جائز نہیں۔ اگر ایک دفعہ نگاہ پڑ جائے تو دوسری مرتبہ آنکھیں پھیر لے، نگاہیں نیچی کر لے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو ایک مرتبہ جائز ہے اور بار بار دیکھنا منع ہے۔ "وقیل یجوز مرۃ واحدۃ اذا لم یکن محل فتنۃ وبہ قال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ ولا یجوز ان یکرر النظر الیھا" بعض حضرات کے نزدیک ایک نظر دیکھنا جائز ہے جب محل فتنہ نہ ہو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے البتہ ایک سے زائد مرتبہ دیکھنا جائز نہیں ہوگا۔

(ب) دوسری صورت جبکہ اجنبیہ کے دیکھنے کا مقصد ہو مثلاً اگر کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہو تو اس کے لئے اس عورت کا چہرہ اور ہتھیلیوں کو دیکھنا جائز ہے۔

شادی کی غرض سے عورت کو دیکھنا:

ارشاد نبوی ہے، اذا خطب احدکم المراۃ فلا جناح علیہ ان ینظر الیھا یعنی اگر کوئی شخص کسی عورت سے منگنی کرنا چاہے تو اسے دیکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے منگنی کی حضور نے پوچھا کیا تو نے اسے دیکھا ہے انہوں نے عرض کی نہیں۔ قال فانظر فانہ احری ان یدوم بینکما فرمایا پہلے دیکھ لو اس طرح تمہارے رشتہ کی بقا کا زیادہ امکان ہے۔

اجنبی عورت کو دیکھنا کب جائز ہے:

(ج) تیسری صورت میں جبکہ اجنبیہ کی طرف محض شہوت کے خیال سے دیکھے تو اس وقت اسکے جسم کے کسی حصہ کو بھی دیکھنا ممنوع ہے۔ البتہ ڈاکٹر اور طبیب مریضہ کے

جسم کے کسی حصہ کو بھی دیکھ سکتا ہے جبکہ اس کا دیکھنا علاج کے لئے ضروری ہو لیکن مستورات کے لئے ایسے طبیب اور ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیئے جو امین ہو۔ اسی لئے امام رازی فرماتے ہیں "یجوز للطبیب الامین ان ینظر الیھا للمعالجۃ"۔

عورت کو ہاتھ لگانا:

اگر عورت ڈوب رہی ہو یا اسے آگ لگ گئی ہو تو اسے بچانے کے لئے اس کے جسم کے کسی حصہ کو ہاتھ لگانا یا اسکی طرف دیکھنا ممنوع نہیں کیونکہ اس وقت اسکی جان بچانا فرض ہے۔ یہ احکام اس عورت کے تھے جو اجنبیہ اور نامحرم ہو۔

محرم عورت کو دیکھنا:

محرم عورت کے متعلق امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد یہ ہے کہ جسم کے وہ حصے جو کام کاج کرتے وقت عام طور پر کھل جاتے ہوں فقط انکی طرف دیکھنا جائز ہے۔ "وعورتھا ما یبدو عند المھنۃ وھو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ" یعنی ستر کا وہ حصہ جو عام طور پر کام کے وقت کھل جاتا ہے۔

زوجہ کو دیکھنا:

اپنی بیوی کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں جس کی طرف دیکھنا خاوند کے لئے ممنوع ہو۔

(۴) عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنا:

عورت نامحرم مرد کے ناف اور گھٹنوں کے درمیان نہیں دیکھ سکتی۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ عورت مرد کا صرف چہرہ اور ہاتھ دیکھ سکتی ہے اسکے جسم کے باقی حصوں کی طرف نہیں دیکھ سکتی "لکن الاول اصح" لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے۔ یہ اس وقت کا حکم ہے جب فتنہ کا اندیشہ نہ ہو اور اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو مرد کے کسی حصہ کی طرف نہ دیکھے، حتیٰ کہ عورت کو مرد کے چہرہ کی طرف بار بار دیکھنا بھی جائز نہیں۔

ولا یجوز لھا قصد النظر عند خوف الفتنۃ ولا تکریر النظر الی وجھہ (تفسیر کبیر)

ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا: ابو العالیہ کا قول پہلے گذر چکا ہے کہ یہاں ان الفاظ سے مراد ستر کی جگہ کو ڈھانپنا ہے، لیکن امام رازی اور دیگر علماء فرماتے ہیں کہ یہ تخصیص ضعیف ہے۔ "لانہ تخصیص من غیر دلالۃ" اس تخصیص پر کوئی دلیل نہیں۔ ظاہر آیت کا مقتضا یہ ہے کہ ہر اس چیز کی حفاظت کی جائے جو اللہ

تعالیٰ نے حرام کی ہے اس میں بدکاری، مس کرنا اور دیکھنا سب داخل ہیں۔

ولا یبدین زینتھن الخ: وہ زینت جو ظاہر ہے جس کے اظہار کی ممانعت نہیں اسکے متعلق حضرت ابن عباس، مجاھد، عطاء، ابن عمر اور انس رضی اللہ عنہم کا قول ہے "ما کان فی الوجہ و الکف الخضاب و الکحل" یعنی وہ زینت جو چہرہ اور ہتھیلیوں میں ہوتی ہے جیسے خضاب اور سرمہ۔

حسن بصری کہتے ہیں "وجھھا و ما ظھر من ثیابھا" چہرہ اور وہ کپڑے جو ظاہر ہوں، "وجھھا مما ظھر منھا" چہرہ کا وہ حصہ جو ظاہر ہو۔ "قال ابراھیم الزینۃ الظاھرۃ الثیاب" ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد لباس ہے۔

یہ مختلف اقوال لکھنے کے بعد امام ابو بکر الجصاص لکھتے ہیں، قال اصحابنا المراد الوجہ و الکفان لان الکحل زینۃ الوجہ و الخضاب و الخاتم زینۃ الکف یعنی علماء احناف کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں کیونکہ سرمہ چہرے کی اور خضاب (مہندی) اور انگوٹھی ہتھیلیوں کی زینت ہے۔(احکام القرآن)

لیکن خیال رہے کہ یہ اباحت اس وقت ہے جبکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو ورنہ چہرہ اور ہتھیلی کو دیکھنا بھی حرام ہے۔

علامہ ابن حبان اندلسی لکھتے ہیں "قال ابن خویز منداد اذا کانت جمیلۃ و خیف من وجھھا و کفھا الفتنۃ فعلیھا ستر ذالک" اور اگر عورت خوبرو ہو اور اسکے چہرہ اور ہاتھوں کی طرف دیکھنا فتنہ کا باعث ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے چہرے اور ہاتھوں کو ظاہر نہ کرے۔(بحر)

آج جب لوگوں کی آنکھوں میں حیا نہیں رہی ہر طرف آوارگی اور بے ہودگی کا دور دورہ ہے ہر اس شخص پر جس کی نگاہوں میں عفت و عصمت کی کوئی قدر و قیمت ہے اسے چاہیئے کہ وہ اپنی جوان بہو بیٹیوں کو بے پردہ باہر نکلنے سے روکے اور انہیں نامحرموں کے سامنے بے تکلفی سے آنے کی اجازت نہ دے۔

ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن: اور ڈالے رہیں اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر۔ پہلے عورتیں سر پر جو کپڑا ڈالتی تھیں ان کے پلو پشت پر لٹکا دیا کرتی تھیں۔ اس طرح ان کی گردن، کان، سینہ وغیرہ ظاہر رہتے تھے۔ اس آیت نے یہ حکم دیا کہ سر پر جو اوڑھو اس

کے پلوں کو پشت پر پیچھے نہ پھینک دو بلکہ انہیں اپنے گریبانوں پر ڈال دو تاکہ تمہارے سینے، گردن وغیرہ لوگوں کی نظر سے چھپ جائیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی اور مردوں نے جاکر اپنی بیویوں، بیٹیوں اور بہنوں کو سنائی تو اسی وقت انہوں نے اسکی تعمیل کی اور اپنی ایک پرانی عادت کو چشم زدن میں چھوڑ کر اطاعت وانقیاد کی ایک نادر مثال پیش کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آپ کی بھتیجی حضرت حفصہ بنت عبدالرحمن آئیں انہوں نے اس وقت ایک باریک اوڑھنی سر پر ڈالی ہوئی تھی، آپ کو یہ چیز سخت ناگوار گذری اور فرمایا "انما یضرب بالکثیف الذی یستر" اے بیٹی ایسی اوڑھنی اوڑھنے کا حکم ہے جو موٹی ہو اور جس سے پردہ کا مقصد پورا ہو۔

دختران اسلام ذرا خود ہی انصاف کریں کہ جو باریک دوپٹے وہ اوڑھتی ہیں اور جس طرح انہیں سر کے بجائے اپنے کندھوں پر ڈال لیتی ہیں اور سینہ تان کر سر بازار چلتی ہیں۔ ان کا یہ طریقہ کار اسلام کی تعلیمات کے کتنا منافی ہے۔ علامہ اقبال نے کتنے درد بھرے انداز میں دختران ملت کو عریانی اور بے پردگی سے باز آنے کی تلقین کی۔

بہل اے دخترک ایں دلبری ہا مسلمان رانہ زیبد کافری ہا

(اے میری پیاری اسلامی بیٹی یہ دل لگیاں چھوڑ دے، مسلمانوں کو کافروں کی رسوم پر عمل کرنا زیب نہیں دیتا)

پھر فرماتے ہیں،

اگر پندے ز درویشے پذیری ہزار امت بمیرد تو نہ میری

بتولے باش و پنہاں شو زیں عصر کہ در آغوش شبیرے بگیری

یعنی اگر تو ایک درویش کی نصیحت کو قبول کرلے تو ہزاروں امتیں فنا ہو سکتی ہیں لیکن تو ہمیشہ زندہ رہے گی۔ حضرت فاطمہ زہرا بتول جنت کا شیوہ اختیار کر اور زمانہ کی نگاہوں سے چھپ جا تاکہ تیری آغوش میں شبیر جیسا فرزند پرورش پاسکے۔

اس آیت سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ سر، گردن اور سینہ کا چھپانا فرض ہے۔

ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن الخ : اور نہ ظاہر ہونے دیں اپنی آرائش کو مگر اپنے شوہروں کے لئے الخ۔

پہلے مومن عورتوں کو زینت کی نمائش سے منع فرما دیا، اب ان لوگوں کی فہرست

بیان کر دی، جن کے ساتھ نہایت قریبی تعلق ہوتا ہے اور جن کے ہاں آمدورفت عام ہوتی ہے۔ اگر ایسے قریبی رشتہ داروں پر بھی اس قسم کی پابندی لگا دی جاتی تو لوگ طرح طرح کی الجھنوں میں مبتلا ہو جاتے اور زندگی کی بہت سی سہولتوں سے محروم ہو جاتے، اس لئے بتا دیا کہ مسلم خواتین کو عام مردوں سے آرائش چھپانی چاہئے، لیکن ان رشتہ داروں سے جن کا ذکر اس آیت کریمہ میں کیا گیا ہے اپنی آرائش کو چھپانے کی ضرورت نہیں۔ اس فہرست میں جن اقربا کا ذکر ہے (خاوند کے سوا) وہ محرم ابدی ہونے میں سب یکساں ہیں، لیکن قرابت میں واضح فرق ہے۔ اس لئے علماء کرام نے انہیں تین درجوں میں تقسیم کیا۔ سب سے پہلا درجہ خاوند کا ہے، گھر میں جو مقام اس کا ہے وہ کسی کا نہیں۔ "له حرمة ليست لغيره يحل له كل شئى منها" یعنی اس سے کسی قسم کا پردہ اور حجاب نہیں۔ اسکے بعد باپ، بیٹا اور بھائی ہیں، اسکے بعد خاوند کا بیٹا ہے۔ جو چیز اول الذکر (خاوند) کے سامنے ظاہر کی جا سکتی ہے وہ آخر الذکر افراد کے سامنے ظاہر کرنے کی اجازت نہیں۔

و بدا تعالیٰ بالازواج لان اطلاعهم يقع علىٰ اعظم من الزينة ثم ثنى بالمحارم و سوى بينهم فى ابداء الزينة و لكن تختلف مراتبهم فى الحرمة بحسب ما فى النفوس البشر فالاب و الاخ ليس كابن الزوج قد يبدى للاب ما لا يبدى لابن الزوج (بحر)

یعنی جن لوگوں کے سامنے اظہار زینت ممنوع نہیں ان میں سرفہرست خاوند ہے، کیونکہ اس سے کسی طرح کا بھی حجاب نہیں۔ اسکے بعد محرم لوگ ہیں لیکن ان کے مراتب مختلف ہیں، جو مرتبہ باپ اور بھائی کا ہے وہ خاوند کے بیٹے کا نہیں اس لئے اظہار زینت میں بھی فرق ہوگا۔

او نسائهن: یا اپنی ہم مذہب عورتوں پر (اپنی زینت ظاہر کرے)

جس طرح پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ عورتوں سے مراد مسلمان عورتیں ہیں غیر مسلم عورتوں کے سامنے اپنی پوشیدہ زینت کی جگہوں کو کھولنا ممنع ہے۔

او ما ملكت ايمانهن: یا اپنی باندیوں پر (اپنی زینت ظاہر کرے)

اس سے مراد کنیزیں ہیں۔ اگرچہ وہ مسلمان نہ ہوں تب بھی ان کے سامنے اظہار زینت کی اجازت ہے۔ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا "لا تغرنكم

هذه الایات او ما ملکت ایمانهن انما عنی بها الاماء" کہ تمہیں یہ آیت دھوکہ نہ دے یہاں "ماملکت" سے مراد لونڈیاں ہیں۔

عورت کے لئے تمام اشتعال انگیز کام ناجائز ہیں

ولا یضربن بارجلھن لیعلم مایخفین من زینتھن (پ ۱۸ ع ۱۰) اور نہ زور سے ماریں اپنے پاؤں (زمین پر) تاکہ معلوم ہو جائے وہ بناؤ سنگار جو وہ چھپائے ہوئے ہیں۔

کئی عورتیں پازیب وغیرہ پہن کر نکلتیں اور مردوں کے مجمع سے جب ان کا گذر ہوتا تو وہ دانستہ اپنے پاؤں زمین پر مارتیں تاکہ مرد پازیب کی جھنکار سن کر ان کی طرف متوجہ ہوں۔اس آیت میں اس حرکت سے باز آنے کا حکم صادر فرما دیا، ان تمام احکام کا مقصد تو یہ ہے کہ ایسے تمام اشتعال انگیز اطوار اور عوامل پر قدغن لگادی جائے جن کی وجہ سے اسلامی معاشرہ میں بدکاری اور بے حیائی کی راہیں کھل سکتی ہیں اور جن کی موجودگی میں وعظ و نصیحت بلکہ قانون کی شدت بھی گناہوں کا انسداد کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ اس آیت میں صرف پاؤں مار کر مردوں کی مجلس سے گذرنا ممنوع قرار نہیں دیا جارہا بلکہ ہر ایسی چیز جو ان کو نامحرموں کی توجہ کا مرکز بنادے اس سے بھی منع کیا گیا ہے۔ بھڑکیلے لباس پہن کر، یا تیز خوشبو لگا کر مجمع عام میں جانا بھی عورت کے لئے جائز نہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو آتے ہوئے دیکھا اس سے خوشبو کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں، آپ نے اسے فرمایا "یا امة الجبار" اے خداوند جبار کی بندی کیا تو مسجد سے آرہی ہے ؟ اس نے کہا جی ہاں۔آپ نے پوچھا تو نے خوشبو لگا رکھی ہے ؟ اس نے کہا جی ہاں، آپ نے فرمایا، سمعت حبی ابا القاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول لا یقبل اللہ صلوۃ امراۃ طیبت لھذا المسجد حتیٰ ترجع فتغسل غسلھا من الجنابة۔ میں نے اپنے محبوب ابوالقاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ اس عورت کی نماز قبول نہیں فرماتا جو مسجد میں تیز خوشبو لگا کر جائے جب تک وہ گھر لوٹ کر غسل جنابت نہ کرے۔(یعنی جس طرح غسل جنابت بڑی کوشش سے کیا جاتا ہے کہ کوئی حصہ خشک نہ رہنے پائے اسی طرح مسجد میں آنے کے لئے خوشبو کے استعمال کے لئے بھی ایسا غسل کیا جائے کہ اس میں خوشبو کا مکمل طور پر زوال ہو جائے)

وہ عورتیں جو زرق برق بھڑکیلے اور چمکدار لباس پہن کر خراماں خراماں مٹکتی ہوئی اجنبی مردوں کے پاس آتی جاتی ہیں، دختران اسلام ان کے متعلق اپنے پیارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی سن لیں۔ میمونہ بنت سعد کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الرافلة فی الزینة فی غیر اهلها کمثل ظلمة یوم القیامة لا نور لها" وہ عورت جو آراستہ پیراستہ ہو کر نامحرموں میں اترا اترا کر چلتی ہے قیامت کے دن وہ مجسم تاریکی ہوگی جہاں نور کی کرن تک نہ ہو۔(ترمذی)

بے نکاح عورتوں کے نکاح کردئے جائیں

وانکحوا الایامیٰ منکم اور نکاح کر دیا کرو جو بے نکاح ہیں تم میں سے۔

ایامیٰ جمع ہے اس کا واحد ایم ہے۔ اہل لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ اصل میں اس کا اطلاق اس عورت پر ہوتا ہے جس کا خاوند نہ ہو، خواہ وہ کنواری ہو یا بیوہ یا مطلقہ۔ بطور استعارۃً اب اس کا اطلاق ایسے مرد پر ہونے لگا ہے جس کی بیوی نہ ہو "قال ابو عبیدة رجل ایم و امراة ایم و هو کالمستعار فی الرجال" (قرطبی)

اسلام جو دین فطرت ہے وہ معاشرہ کو پاکیزہ رکھنے اور بے حیائی سے بچانے کے متعلق صرف وعظ ہی نہیں کرتا بلکہ وہ عملی تجاویز اور مشکلات کا صحیح حل بھی پیش کرتا ہے۔ آپ ذرا غور فرمائیں جس معاشرہ میں بن بیاہی عورتیں بکثرت ہوں گی وہاں جذبات کو کب تک قابو میں رکھا جا سکتا ہے۔ بڑے تحفظ اور احتیاط کے باوجود شدت جذبات سے مجبور ہو کر وہ غلط قدم اٹھا سکتی ہیں۔ شیطان انہیں بڑی آسانی سے ورغلا کر گمراہ کر سکتا ہے۔ بدکاری کا یہ بھی ایک دروازہ تھا جس کی طرف سے اسلام اگر اغماض کرتا تو اسے حقیقت پسندی نہ سمجھا جاتا، چنانچہ اس آیت میں حکم دیا جا رہا ہے کہ مسلمان ایسے مردوں اور ایسی عورتوں کی طرف سے غفلت اور بے پرواہی نہ کریں بلکہ ان کا نکاح کر کے ان کو گھروں میں بسانا اپنا اخلاقی فرض سمجھیں۔ اس طرح ایک تو ان کی حالت زار بدل جائے گی اور انکی حرماں نصیبیاں ختم ہو جائیں گی وہ مایوسی کے گوشہ سے نکل کر عملی دنیا میں اپنی خداداد صلاحیتوں کا نفع بخش مظاہرہ کر سکیں گی دوسرا معاشرہ ان کی لغزش کے نتائج سے محفوظ ہو جائے گا۔ اس حقیقت کو حضور نبی کریم نے اس طرح واضح فرمایا ہے،

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءة فلیتزوج فانه اغض للبصر و احصن للفرج و من لم یستطع فعلیه بالصوم فانه له وجاء (بخاری، مسلم)
اے جوانو کے گروہ جو تم میں سے طاقت رکھتا ہو وہ ضرور شادی کرے، کیونکہ شادی کرنا اسکی نظر کو پاک کردے گا اور اس کو گناہ سے بچائے گا اور جو شادی کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو اسے چاہیئے کہ وہ روزہ رکھے۔

غلاموں اور کنیزوں کا بھی نکاح کیا جائے

و الصلحین من عبادکم و اماءکم۔ (اور نکاح کرو) تم میں سے جو نیک ہیں تمہارے غلاموں اور کنیزوں میں سے۔
یعنی یہ حکم نکاح کرنے کا صرف آزاد مردوں اور عورتوں کے لئے نہیں بلکہ غلام مرد اور کنیزیں بھی اس میں شامل ہیں (آج کے دور میں غلام اور کنیزیں نہیں، گھریلو ملازمین آزاد ہیں) آخر وہ بھی انسان ہیں، ان کے بھی فطری جذبات ہیں، اگر تم ان کی اس معاملہ میں اعانت نہیں کروگے تو اور کون کرے گا لیکن غلام اور کنیز کے ساتھ صالح کی قید لگا دی۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا غلام اور ایسی لونڈی جن میں خانہ داری کا بوجھ اٹھانے کی صلاحیت ہو۔ اگر کسی نا اہل غلام کے ساتھ کسی کنیز کو تم جکڑ دوگے تو وہ ساری عمر تمہیں کوستی رہے گی۔ اس طرح کسی غلام کو کسی ایسی لونڈی کے ساتھ باندھ دیا گیا تو وہ اپنی قسمت کو روتا رہے گا، اس لئے ان کا نکاح کرنے سے پہلے تسلی کرلو کہ یہ زندگی کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔
"انکحوا" امر کا صیغہ ہے جس سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ یہ وجوب شرعی اور قانونی ہے لیکن اکثر علماء کی رائے میں یہ وجوب اخلاقی ہے یعنی اخلاقی طور پر تمہارا اس طرح کرنا لازمی ہے۔

نکاح میں مال و دولت کے بجائے دینداری کا لحاظ کیا جائے

ان یکونوا فقراء یغنهم الله من فضله و الله واسع علیم۔ اگر وہ تنگدست ہوں (تو فکر نہ کرو) غنی کردیگا انہیں اللہ اپنے فضل سے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا علم والا ہے۔
اکثر لوگ افلاس اور غربت کو شادی نہ کرنے کا سبب بنائے رہتے ہیں لڑکی والے

چاہتے ہیں کہ لڑکا بڑا متمول ہو، لڑکے والوں کی خواہش ہوتی ہے کہ لڑکی کے والدین بڑے امیر ہوں تاکہ خوب جہیز ملے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ فقر و تونگر عارضی چیزیں ہیں، اگر شریف، قابل اور نیک رشتہ مل رہا ہے تو قبول کر لو۔ باقی رہا افلاس تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو وہ اس افلاس کو چاہے تو آن واحد (ایک ہی گھڑی) میں دور بھی کر سکتا ہے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے،

"اطیعوا اللہ فیما امرکم بہ من النکاح ینجزلکم ما وعدکم من الغنا" اللہ تعالیٰ نے نکاح کرنے کا جو حکم دیا ہے تم اسکی اطاعت کرو، اس نے تمہیں غنی کرنے کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ اسے پورا کرے گا۔ حدیث پاک میں ہے کہ تین آدمی ایسے ہیں جن کی مدد اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لے لی ہے۔

(۱) وہ نکاح کرنے والا جس کی غرض پاکدامن ہونا ہو (۲) وہ مکاتب جو زر مکاتبت ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو (۳) اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا (ابن کثیر)

شادی نہ کر سکنے پر بھی حیا کا دامن نہ چھوڑے

و لیستعفف الذین لایجدون نکاحاً حتیٰ یغنیھم اللہ من فضلہ- اور چاہیئے کہ پاکدامن بنے رہیں وہ لوگ جو نہیں پاتے شادی کرنے کی قدرت یہاں تک کہ غنی کر دے انہیں اللہ اپنے فضل سے۔

یعنی ضروری نہیں کہ ہر شخص کو اسکی پسند کا رشتہ مل جائے یا وہ اتنا خوشحال ہو کہ شادی کے اخراجات برداشت کر سکے۔ اسکے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ اسکی یہ معذوری اسے اسکی اجازت نہیں دیتی کہ وہ شادی نہ کر سکنے کے باعث بدکاری کرتا رہے بلکہ ان پر لازم ہے کہ سختی سے عفت کا دامن پکڑے رہیں اور انتظار کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس مشکل کو آسان کر دے۔

حاصل کلام:

عورت کی عفت و حیا کا پاس کرتے ہوئے حکم دیا گیا ہے کہ اسکی شادی کر دی جائے، عورت کوئی ایسی صورت اختیار نہ کرے جس سے مرد اس پر فریفتہ ہو کر اسے تنگ کریں۔ اپنے بازو، پنڈلیاں، سینہ اور سر وغیرہ غیر محرموں کے سامنے ننگا نہ کرے۔ اپنے

خاوند پر جسم کا تمام حصہ ننگا کیا جا سکتا ہے۔ اپنے محرموں کے سامنے سر، پنڈلیاں وغیرہ ننگے کر سکتی ہے۔ محرموں میں پھر باپ، بھائی کا مقام اسکے خاوند کے بیٹے سے زیادہ ہو گا۔ غرضیکہ جہاں بھی عفت کا خطرہ ہو وہاں احتیاط کی ضرورت ہے۔

ایسے لوگ جو عورتوں کی خواہش نہیں رکھتے وہ بھی محرموں کے حکم میں ہیں جیسے اسی زیر بحث آیۃ کریمہ میں فرمایا گیا ہے "او التابعین غیر اولی الاربۃ من الرجال" اپنے زینت کے مقام یعنی سر اور بازو وغیرہ ظاہر کر سکتی ہے اپنے ایسے نوکروں پر جو (عورت کے) خواہشمند نہ ہوں۔ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جن میں عورتوں کی خواہش نہیں ہوتی، عنین (نامرد) خصی وغیرہ۔

لا حاجۃ لہ فی النساء (جصاص) اس شخص کو عورتوں کی کوئی حاجت نہ ہو۔ ویجتمع فیمن لہ ولا ھمۃ یتنبہ بھا الیٰ امر النساء یعنی ایسے لوگ جو عورتوں کے معاملات پر متنبہ نہ ہو سکیں۔ اسی طرح معصوم بچے بھی محرم مردوں کے حکم میں ہیں۔ اسی آیۃ کریمہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "او الطفل الذین لم یظھروا علیٰ عورات النساء" اپنے زینت کے وہ مقام جو محرم مردوں پر ظاہر کئے جا سکتے ہیں ان بچوں پر بھی جو (ابھی تک) آگاہ نہیں عورتوں کی شرم والی چیزوں پر۔ یعنی وہ بچے مراد ہیں جو عورتوں کے خفیہ معاملات سے ابھی تک بے خبر ہوں جب بھی کوئی لڑکا اگرچہ وہ نابالغ بھی ہو ان معاملات سے آگاہ ہو جائے تو اس سے اجنبیوں والا سلوک کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے احکام ماننے میں ہی کامیابی ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے، وتوبوا الی اللہ جمیعاً ایہ المؤمنون لعلکم تفلحون۔ اور رجوع کرو اللہ تعالیٰ کی طرف سب کے سب اے ایمان والو، تاکہ تم (دونوں جہانوں میں) بامراد ہو جاؤ۔

یعنی بلاچون وچرا احکام الٰہیٰ اور ارشادات نبوی کی تعمیل کے لئے جھک جاؤ، اسی میں تمہارے دونوں جہانوں کی کامیابی ہے، آفتاب اسلام کے طلوع ہونے کے بعد اب اہل جاہلیت کے رسم و رواج کو اخلاق و عادات کو نہ چھوڑنا بڑی بے انصافی ہے۔

فان الفلاح کل الفلاح فی فعل ما امر اللہ بہ و رسولہ و ترک ما نھیا عنہ و اللہ تعالیٰ ھو المستعان (ابن کثیر) بیشک کامل کامیابی اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کے حکم پر عمل کرنے اور جس کام سے انہوں نے منع کیا ہے اسکے چھوڑنے میں ہے، اللہ تعالیٰ ہی ہے جس سے امداد طلب کی جائے۔ (تفسیر آیۃ ماخوذ از ضیاء القرآن بتقدیم و تاخیر)

عورتیں باپردہ ہو کر باہر نکلیں

یایہا النبی قل لازواجک و بنتک و نساء المؤمنین یدنین علیھن من جلابیبھن ذالک ادنیٰ ان یعرفن فلا یؤذین و کان اللہ غفوراً رحیماً (پ ۲۲ ع ۵)

اے نبی مکرم آپ فرمایئے اپنی ازواج مطہرات کو اور اپنی صاحبزادیوں کو اور تمام اہل ایمان کی عورتوں کو کہ (جب وہ باہر نکلیں) ڈال لیا کریں اپنے اوپر چادروں کے پلو، اس طرح وہ باآسانی پہچان لی جائیں گی پھر انہیں ستایا نہیں جائے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، ہردم رحم فرمانے والا ہے۔

تمام جاہل تہذیبوں میں خواہ شرقی ہوں یا غربی، قدیم ہوں یا جدید، عورت کو ایک کھلونا ہی سمجھا جاتا رہا اور سمجھا جاتا ہے۔ ہوسناک نگاہیں اس کا تعاقب کرنے میں ذرا شرم محسوس نہیں کرتیں۔ جب تک اپنے حقوق سے بے خبر اور محروم تھی اس وقت تک حکماً اسے محفل رقص و سرود کی زینت بننے پر مجبور کیا جاتا رہا، اور جب اسے اپنے حقوق سے آگاہی ہوئی تو پرانے شکاریوں نے اس کو پھانسنے کے لئے نیا جال بچھا دیا۔ انہوں نے اپنا سارا فلسفہ اور زور قلم اس کو یہ باور کرانے میں صرف کر دیا کہ اب تو آزاد ہے، تجھے یہ حق پہنچتا ہے کہ تو بن سنور کر سات سنگھار کر کے گھر سے نکلے، اسکے بعد تیرا جی چاہے تو بازاروں اور شاہراہوں پر محو خرام (ٹہلنے میں مشغول) رہے چاہے کسی قہوہ خانے کی آرائش میں اضافہ کرے، چاہے کسی شبینہ کلب میں یا بزم عیش و طرب میں اپنے حسن کی نمائش کرے، کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ تیری آزادی کی راہ میں روڑے اٹکائے۔

اللہ تعالیٰ جس طرح مردوں کا خالق ہے اسی طرح عورتیں بھی اس کی مخلوق ہیں، وہ دونوں سے پیار کرتا ہے اور اسے دونوں کی خیرخواہی مطلوب ہے وہ جس طرح مردوں کو آبرومندانہ اور باوقار زندگی گذارنے کا حکم دیتا ہے اسی طرح وہ عورت کو بھی عفت و عصمت اور شرم و حیا کا پیکر بن کر رہنے کی تلقین کرتا ہے۔

مدینہ طیبہ میں یہود و مشرکین کی کافی تعداد تھی جن کے اوباش نوجوان شرم و حیا کی قدروں سے ناواقف اور فسق و فجور کے دلدادہ تھے، انکی دوسری کمینی حرکات کے علاوہ ایک رذیل عادت یہ بھی تھی کہ جب عورتیں اپنے گھروں سے ضروری کام کے لئے نکلتیں تو وہ ان کا دور تک تعاقب کرتے، خصوصاً شام کے دھندلکے میں جب مستورات قضائے حاجت کے لئے باہر جاتیں تو راستے پر نشیبی جگہوں پر درختوں کی اوٹ میں کھڑے ہو جاتے اور جب کوئی عورت ادھر آنکلتی تو اس کو پھانسنے کی کوشش کرتے، یہ ان کے ہاں عام دستور تھا، اس کو زیادہ معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ان کے بڑے بوڑھے بھی ایسی حرکتوں کو جوانی کی خرمستیاں کہہ کر ٹال مٹول کر دیا کرتے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یثرب کی زمین کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف کیا اور مسلمان خواتین کو بھی ضروری کاموں کے لئے گھر سے نکلنا پڑتا تو وہ اوباش یہی رذیل حرکتیں کرتے، اگر انہیں ٹوکا جاتا تو وہ کہتے ہم پہچان نہیں سکے کہ یہ مسلم خاتون ہے ورنہ ہماری کیا مجال تھی کہ ہم ایسا کرتے۔ چنانچہ مسلمانوں نے اپنی اس تکلیف کا تذکرہ بارگاہ رسالت میں کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اے نبی مکرم آپ اپنی ازواج مطہرات، اپنی دختران پاک نہاد اور ساری مسلمان عورتوں کو یہ حکم دے دیں کہ جب وہ اپنے گھروں سے باہر نکلیں تو ایک بڑی چادر سے اپنے آپ کو اچھی طرح لپیٹ لیا کریں۔ پھر اسی کا ایک پلو اپنے چہرے پر ڈال لیا کریں تاکہ دیکھنے والوں کو پتہ چل جائے کہ یہ مسلمان خاتون ہے، اس طرح کسی بدباطن کو تمہیں ستانے کی جرات نہیں ہو گی۔

جلابیب جمع ہے اس کا واحد جلباب ہے اور جلباب اس بڑی چادر کو کہتے ہیں جو سارے جسم کو ڈھانپ لے۔ "انه الثوب الذی یستر جمیع البدن" (بیشک یہ وہ کپڑا ہے جو تمام بدن کو ڈھانپ لے)

علامہ زمخشری "یدنین" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "یرخینها علیهن و یغطین بها وجوههن و اعطافهن" یعنی اپنی چادروں کو اپنے اوپر ڈال لو، اپنے چہروں اور کندھوں کو چادر سے چھپالو۔ علامہ زمخشری کے اس قول سے معلوم ہو گیا کہ لغوی طور پر بھی "یدنین علیهن" کا یہ مفہوم ہے کہ چادر کو اپنے اوپر اس طرح ڈالا جائے کہ سارا

جسم ڈھک جائے، کندھے اور چہرہ بھی برہنہ نہ رہے۔

علامہ ابو حیان لکھتے ہیں کہ ہمارے ہاں اندلس میں مسلمان خواتین اس طرح پردہ کرتی ہیں کہ سارا چہرہ چھپا ہوا ہوتا ہے صرف ایک آنکھ کھلی ہوتی ہے۔ وکذا عادۃ بلاد الاندلس لایظہر من المراۃ الاعینہا الواحدۃ (بحر)

یہاں واضح طور پر امہات المؤمنین اور دختران رسالتمآب کو خصوصاً اور تمام مسلمانوں عورتوں کو عموماً حکم دے دیا گیا کہ وہ باہر نکلیں تو بڑے وقار اور آبرومندانہ طریقہ سے نکلیں، ایک بڑی چادر سے اپنے سارے جسم اور اکثر چہرہ کو ڈھانکا ہوا ہو۔ آج ہمارے معاشرے کا جو حال ہے اور نوجوان عورتوں نے جس طرح شرم و حیا کی چادر کو اتار کر پھینک دیا ہے۔ ننگے سر، نیم عریاں لباس میں جس طرح وہ بن سنور کر بازاروں میں پھرتی اور عام محفلوں میں شرکت کرتی ہیں انہیں دیکھ کر کون یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ دختران اسلام ہیں۔

ایک دفعہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بنو تمیم قبیلہ کی چند عورتیں حاضر ہوئیں۔ انہوں نے باریک لباس پہنا ہوا تھا، انہیں دیکھ کر ام المؤمنین نے فرمایا، ان کنتن مؤمنات فلیس ھذا بلباس المؤمنات وان کنتن غیر المؤمنات فتمتعن (قرطبی)

یعنی اگر تم مومن عورتیں ہو تو سن لو یہ لباس مومن خواتین کا نہیں ہوتا اور اگر تم مومن نہیں، ہو تو پھر جو چاہے کرو۔

عورتوں کا آج کا لباس اور نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "صنفان من اهل النار لم ارهما قوم معهم سياط كاذناب البقر يضربون بها الناس و نساء كاسيات عاريات مميلات مائلات رؤسهن كاسنمة البخت المائلة لا يدخلن الجنة ولا يجدن ريحها وان ريحها لتوجد من مسيرة كذا وكذا (مسلم ج ۲ باب النساء الكاسيات العاريات)

دو قسم کے لوگ جہنمی ہوں گے جن کو میں نے دیکھا نہیں (یعنی وہ بعد میں آئیں گے ابھی موجود نہیں) ایک وہ قوم جن کے پاس گائے کی دم کی طرح کوڑے ہوں گے جن سے لوگوں کو ماریں گے۔ اور دوسری قسم وہ عورتیں ہوں گی جو لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی اور ناز و ادا سے جھکتی اور جھکاتی ہوں گی ان کے سر بختی اونٹوں کے کوہانوں کی طرح ہوں گے۔ یہ عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی اور نہ ہی جنت کی انہیں ہوا لگے گی حالانکہ جنت کی ہوا اتنے اتنے دور دراز فاصلے سے آئے گی۔

هذا الحديث من معجزات النبوة فقد وقع هذان الصنفان وهما موجودان۔ یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے ہے کیونکہ آپ نے جو خبر دی ہے وہ واقع ہو چکی ہے کیونکہ یہ دونوں قسمیں موجود ہیں۔

راقم کے خیال میں پہلی قسم سے مراد آج کی پولیس ہے جو ظالم اور درندہ لوگ ان میں زیادہ پائے جاتے ہیں شرفاء اور نیک کم۔ پیسے لے کر قاتل کو چھوڑ دیتے ہیں اور دوسرے لوگوں پر مظالم ڈھاتے رہتے ہیں۔ چوروں کو چھوڑ دیتے ہیں شرفاء کو پکڑ لیتے ہیں، ہر وقت ان کے پاس گائے کی دم کی طرح ڈنڈا موجود رہتا ہے۔

اسی طرح ان سے مراد چور، ڈاکو بھی ہو سکتے ہیں جو اپنے ہاتھوں میں رائفلیں، کلاشنکوف لئے پھرتے ہیں اور لوگوں کو مار مار کر لوٹ رہے ہیں۔

بدقماش لوگ، جو اباز گلی کوچوں میں لوگوں پر ظلم کرنے والے بھی ایسے ہی لوگ ہیں، ان پر بھی حدیث پاک کا صادق آنا واضح ہے، وہ بھی شرفاء پر مظالم ڈھانے میں کم نہیں۔ سرداری نظام میں نام نہاد سردار، وڈیرے جو غرباء کو ناجائز طریقہ سے تنگ کرتے ہیں وہ بھی اسی ضمن میں آتے ہیں۔

دوسری قسم کی تفصیل علامہ نووی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نے عورتوں کو ڈھانپا ہوگا لیکن وہ شکر کرنے سے عاری ہوں گی کیونکہ انہوں نے اپنے بعض بدن ڈھانپ رکھے ہوں گے اور بعض بدن کو اپنا جمال ظاہر کرنے کے لئے ننگا رکھا ہوگا، اگر کل لباس پہنا ہوا بھی ہوگا تو اتنا باریک ہوگا کہ ان کے جسم کا رنگ نظر آرہا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور فرائض کی بجاآوری سے ہٹ کر ایک طرف میلان کرنے والی ہوں گی یعنی فرائض پر عمل کرنے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روگردانی کر رہی ہوں گی اور دوسری عورتوں کو بھی اپنی بری حرکات کی طرف راغب کر رہی ہوں گی۔ اسی طرح کندھوں کو ناز نخرہ سے ہلا ہلا کر، فاحشہ بن کر چل رہی ہوں گی اور دوسری عورتوں کو بھی یہی سبق سکھا رہی ہوں گی، تکبرانہ انداز پر سروں کو بختی اونٹوں کی کوہانوں کی طرح ایک طرف جھکاتے ہوئے چلیں گی اور سروں پر پگڑی نما اشیاء رکھ کر سروں کو اونٹوں کی کوہانوں کی طرح بلند کئے ہوں گی۔

اب آپ دیکھیں کہ ہماری فیشن پرست لڑکیاں جو لباس پہنتی ہیں کیا وہ اس لباس کے باوجود ننگی نہیں ہوتیں، وہ کس طرح مٹک مٹک کر چلتی ہیں اور سروں پر جو انہوں نے مصنوعی جوڑے (وگ) رکھے ہوتے ہیں کیا وہ اونٹ کی کوہان کی طرح نظر نہیں آتے۔ وہ اپنا انجام دیکھ لیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نور نبوت سے چودہ سو سال پہلے ہی آج کی مغربی تہذیب کی دلدادہ عورت کی کس طرح نشاندہی فرمادی، اللہ تعالیٰ ہمیں شرم و حیا عطا فرمائے۔

فائدہ:

یہاں حضور کی صاحبزادیوں کا جب ذکر آیا تو قرآن نے بنت (ایک صاحبزادی) نہیں کہا بلکہ جمع کا لفظ بنات استعمال کیا جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضور کی ایک صاحبزادی نہ تھی بلکہ متعدد صاحبزادیاں تھیں اور شیعہ کی معتبر کتابوں میں بھی اس بات کی تصریح ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ ایک حوالہ اصول کافی اور اسکی شرح صافی سے پہلے ہی ذکر کیا جاچکا ہے۔ دوسرا حوالہ ان کی دوسری کتاب حیوۃ القلوب سے پیش کیا جا رہا ہے۔ علامہ مجلسی رقمطراز ہیں،

در قرب الاسناد بسند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ است کہ از برائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم از خدیجہ متولد شدند طاہر و قاسم و فاطمہ و ام کلثوم و رقیہ و زینب (حیوۃ القلوب ۸۲۳)

ترجمہ: قرب الاسناد میں معتبر سند سے حضرت جعفر صادق سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے بطن سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی یہ اولاد پیدا ہوئی، طاہر، قاسم، فاطمہ، ام کلثوم، رقیہ اور زینب رضی اللہ عنہم۔

ان روشن تصریحات کے باوجود لوگ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تین صاحبزادیوں کا انکار کرتے ہیں، خاندان نبوت سے انکی بے مہری اور بے مروتی محتاج بیان نہیں۔

چادر اوڑھ کر نکلنے کا فائدہ

اگر عورتیں اس طرح چادریں اوڑھ کر نکلیں گی جن سے ان کا تمام جسم ڈھانک دیا جائے تو انہیں دور سے ہی پہچان لیا جائے گا کہ یہ عفت مآب اور عصمت شعار مومنہ ہے کسی کو جرات نہیں ہوگی کہ اسکی طرف بری نظر اٹھا کر دیکھ سکے۔ نیز اگر عورت شرم و حیا کا دامن مضبوطی سے پکڑ لے اور بن سنور کر باہر نہ نکلے، اپنے لباس اور اپنی چال سے کسی کو دعوت نظارہ نہ دے تو کسی کی مجال نہیں ہوگی کہ وہ اس کی طرف ہوسناک نظروں سے دیکھے۔

چادر اوڑھنے کا حکم دے کر واضح طور پر بتا دیا کہ اگر تم اس طرح چادر اوڑھ کر نکلو گی تو تمہارے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کرے گا اور تم ہر قسم کی اذیت سے بچ جاؤ گی۔ اسلام نے پردہ اور شرم و حیا کے جو اصول تمہیں بتائے ہیں ان پر عمل کرنے سے تمہارا ہی بھلا ہوگا۔ (از نووی وضیاء القرآن)

عورتیں زیادہ جہنم میں جائیں گی

عن ابی رجاء العطاردی قال سمعت ابن عباس یقول قال محمد صلی اللہ علیہ وسلم اطلعت فی الجنۃ فرایت اکثر اھلہا الفقراء و اطلعت فی النار فرایت اکثر اھل النساء (مسلم ج ۲ باب اکثر اھل الجنۃ الفقراء الخ)

ابو رجاء عطاردی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس کو کہتے ہوئے سنا

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نے جنت میں زیادہ فقراء وغرباء کو دیکھا اور جہنم میں زیادہ عورتوں کو دیکھا۔

عورتوں کا ننگا پھرنا، رب تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرنا، خاوند کی ناشکری کرنا ان کے جہنم میں جانے کے ذرائع ہیں۔

تقویٰ یہ ہے کہ عورت جہاں تک ممکن ہو مردوں کو نہ دیکھے

حضرت ام سلمہ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ) سے مروی ہے کہ میں اور میمونہ (رضی اللہ عنہا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں۔ حضرت ابن مکتوم رضی اللہ عنہ آئے تو آپ نے فرمایا، احتجبا منه فقلت یارسول الله الیس هو اعمیٰ لا یبصرنا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم افعمیا وان انتما الستما تبصرانه (مسند احمد، ترمذی، مشکوۃ باب النظر الی المخطوبۃ)

تم دونوں ان سے پردہ کرلو، تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا وہ نابینا نہیں ؟ وہ تو ہمیں دیکھ ہی نہیں سکتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم دونوں بھی نابینا ہو ؟ تم تو انہیں دیکھ رہی ہو۔

اس حدیث پاک سے بظاہر تو یہ پتہ چلتا ہے کہ عورت کا اجنبی مرد کو مطلقاً دیکھنا منع ہے، لیکن اس حدیث پاک کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں، والاصح انه یجوز نظر المراة الى الرجل فیما فوق السرة وتحت الركبة بلا شهوة وهذا الحديث محمول على الورع والتقوىٰ (مرقاۃ)

صحیح یہ ہے کہ بیشک عورت کے لئے مرد کو ناف سے اوپر اور گھٹنے سے نیچے بغیر شہوت کے (تنگے بھی) دیکھنا جائز ہے۔ یہ حدیث تقویٰ اور نیکی کے اعلیٰ معیار پر قائم ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا تقوی میں بہت بلند مقام تھا اسلئے ان کو حکم دیا گیا کہ بلاوجہ تمہارا ایک اجنبی مرد کو دیکھنا کیا مقصد ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ اجنبی مردوں کو دیکھنے کی عادت بنالینا، بغیر ضرورت کے اجنبی مردوں کو دیکھتے رہنا منع ہے۔ ضرورت کے پیش نظر جائز ہوگا جیسے گھر سے باہر کہیں جانا ہو نقاب اوڑھنے کے باوجود راستہ دیکھنے کے لئے آنکھوں کو ننگا رکھنا مجبوری ہے۔ اس طرح مرد بھی نظر آئیں گے لیکن یہ جائز ہے۔ خدارا انصاف کیجئے عورتوں کا کھیلوں کے میدان میں جانا،

سیاسی ہلڑ بازی والے جلسوں اور جلوسوں میں شریک ہونا بے غیرتی ہے یا نہیں؟ آزادی نسواں کے دعویداروں کی غیرت کا جنازہ نکل چکا ہے۔ وہ کیسے بے غیرت باپ ہیں جن کی لڑکیاں کھلاڑیوں کی خدمت گذاری پر متقرر ہوتی ہیں۔ وہ کتنے بے حیا باپ ہیں جن کی بیٹیاں کھیلوں کے میدانوں میں کھلاڑیوں سے آٹو گراف لے رہی ہوتی ہیں اور اجنبی نوجوانوں کے سامنے زرق برق لباس پہنے، میک اپ کئے، سر اور سینے ننگے کئے ہوئے، سینے تان کر بیٹھے دعوت نظارہ دینے کے ساتھ ہلڑ بازی کا مظاہرہ بھی کر رہی ہوتی ہیں، ان کے ماں باپ اور بھائی غیرت اور شرم وحیا کرنے کے بجائے انکی ان حرکات کو دیکھ کر خوش ہو رہے ہوتے ہیں۔ جب غیرت پر ہی شیطان نے ڈاکہ ڈال دیا ہو تو ان بدقسمتوں کو کوئی انسان سمجھائے تو کیسے سمجھائے۔

وہ خاوند کتنے دیوث ہیں جنکی عورتیں اجنبی مردوں کے ساتھ علیحدگی میں گھنٹوں ملاقات کرتی رہیں، خوش گپیوں میں مشغول رہیں لیکن انکی رگ حمیت نہ پھڑکے، بلکہ وہ خوش ہوں کہ میری زوجہ کتنی لائق و فہیم ہے جس نے ایک ہی ملاقات میں اپنے مخالفین کو بھی ایسا اپنا بنالیا ہے کہ اب وہ اس کے دام فریب سے کہیں نکلنے والے نہیں، ایک ہی ملاقات سے رحمن کے فضل کے دعویدار شیطان کی گرفت میں ایسے آئے کہ فضل شیطان بن گئے، عمر بھر سر اٹھانے کے قابل نہ رہے۔ الامان والحفیظ۔

○ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، لا تلجوا علی المغیبات فان الشیطان یجری من احدکم مجری الدم قلنا و منک یارسول اللہ قال و منی و لکن اللہ اعاننی علیہ فاسلم (ترمذی، مشکوۃ باب النظر الی المخطوبۃ)

جن عورتوں کے خاوند گھر موجود نہ ہوں ان کے گھروں میں داخل نہ ہو، بیشک شیطان تمہارے اندر اسی طرح اثرانداز ہوتا ہے جس طرح خون تمام رگوں میں جاری ہوتا ہے۔ صحابہ کرام کہتے ہیں ہم نے عرض کیا یارسول اللہ شیطان آپ کے ساتھ بھی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے میری معاونت فرمائی اسلئے شیطان میرا مطیع ہو گیا ہے یعنی وہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

اسی وجہ سے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اجنبیہ

عورت سے خلوت کرنا جائز تھا، اگرچہ آپ نے محرمات کے بغیر کسی کے پاس خلوت کو اختیار نہیں فرمایا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وقال الشیخ ابن حجر والذی وضح لنا بالادلۃ القویۃ ان من خصائصہ صلی اللہ علیہ وسلم جواز الخلوۃ بالاجنبیۃ والنظر الیھا" حضرت ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم پر قوی دلائل سے واضح ہوا کہ اجنبی عورت سے خلوت اور اسے دیکھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جائز تھا اور یہ آپ کی خصوصیت تھی جو دوسرے کسی شخص کے لئے جائز نہیں۔

○ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایاکم والدخول علی النساء فقال رجل یارسول اللہ ارایت الحمو قال الحمو الموت" (بخاری، مسلم، مشکوۃ باب النظرالی المخطوبۃ)

اپنے آپ کو عورتوں کے پاس جانے سے بچالو۔ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ زوج کے اقارب کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ نے فرمایا زوج کے اقارب موت ہیں۔

وضاحت حدیث:

عورتوں سے مراد اجنبی عورتیں جن کے پاس انسان خلوت کی غرض سے جائے، اس سے اجتناب ضروری ہے۔ اسی طرح جب اسکا جسم ننگا ہو ایسی صورت میں عورت سے اجتناب ضروری ہے۔ "الحمو" سے مراد زوج کے تمام اقارب ہیں لیکن اس حدیث پاک میں زوج کے بیٹے اور باپ مراد نہیں وہ محرم ہیں۔ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی بیان کیا کہ اس مقام میں زوج کے آباء (اور ابناء) کے بغیر دوسرے اقارب ہیں کیونکہ اقارب سے زیادہ خطرہ ہو سکتا ہے ان کو بلاخوف آنے کی اجازت اور خلوت کی اجازت دی جاتی ہے جبکہ دوسرے لوگوں میں یہ صورت پیدا نہیں ہوتی۔ لوگوں میں عام طور پر اس معاملہ میں سستی برتی جاتی ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کو اپنی ازواج کے ساتھ خلوت کی اجازت دے دیتے ہیں جو باعث شر و فساد ہے۔ اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موت سے تعبیر کیا ہے۔ (مرقاۃ)

لیکن مطلقاً نقاب اجنبیوں سے ضروری ہے، اقرباء سے نہیں۔ وضع النقاب عند

الاجانب دون الاقارب (مرقاۃ)

○ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے بیشک اسماء بنت ابی بکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئیں، انہوں نے باریک کپڑے پہن رکھے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اعراض فرمایا (منہ پھیر لیا) اور ارشاد فرمایا، یا اسماء ان المراۃ اذا بلغت المحیض لم یصلح لھا ان یری منہا الا ھذا وھذا واشار الیٰ وجھہ وکفیہ (ابوداؤد باب فیما تبدی المراۃ من زینتہا)

اے اسماء جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے جسم کا کوئی حصہ سوائے چہرہ اور ہتھیلیوں کے نظر نہ آئے۔

وضاحت حدیث:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء سے جو کلام فرمایا وہ منہ پھیر کر دوسری جانب منہ کر کے فرمایا تاکہ ان کے جسم کے اعضاء جو باریک لباس سے ظاہر ہو رہے ہیں ان پر نظر نہ پڑے۔

عورت کو چہرہ چھپانا واجب ہے

سدل الشیء علیٰ وجھہا واجب علیہا (نہایۃ) عورت کو چہرے پر حجاب رکھنا واجب ہے۔ دلت المسئلۃ علی ان المراۃ منھیۃ عن اظہار وجھہا للاجانب بلا ضرورۃ (شرح لباب) عورت کو بغیر ضرورت کے اجنبی لوگوں کے سامنے چہرہ ظاہر کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ تمنع من کشف الوجہ بین رجال لخوف الفتنۃ (تنویر الابصار) عورت کو اجنبی لوگوں کے سامنے چہرہ ظاہر کرنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اس میں فتنہ کا خوف ہے۔ (ماخوذ از انفس الفکر فی قربان البقر من تصنیف اعلیٰ حضرت)

عورت دوپٹہ پگڑی کی طرح نہ لپیٹے

عن ام سلمۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل علیہا وھی تختمر فقال لیۃ لالیتین (ابوداؤد باب کیفیۃ الاختمار) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے تو وہ دوپٹہ اوڑھ رہی تھیں، آپ نے فرمایا ایک دفعہ لپیٹو دو دفعہ نہ لپیٹو۔

اس حدیث پاک کو بیان کر کے ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ پگڑی کی طرح عورت دوپٹہ نہ اوڑھے۔ یعنی جس طرح مرد اپنی پگڑی کو ایک بل کے بعد پھر بل دیتے ہیں، عورت اس طرح اپنا دوپٹہ استعمال نہ کرے۔ اس لئے کہ عورت کو مرد کی مشابہت کرنا، مرد کے لباس کی طرح لباس پہننا حرام ہے۔

باریک لباس کے نیچے اور لباس ہو تو جائز ہے

دحیہ بن خلیفہ کلبی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قباطی کپڑا (مصری باریک کپڑا) آیا، اس میں سے ایک کپڑا آپ نے مجھے عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اس کے دو ٹکڑے کر لو ایک کی تم قمیص بنالو اور دوسرے حصہ کی تمہاری زوجہ دوپٹہ بنالے۔ جب یہ کپڑا لے کر چلے تو آپ نے فرمایا، وامر امراتک ان تجعل تحتہ ثوباً لا یصفہا (ابو داؤد باب فی لبس القباطی للنساء)

اپنی عورت کو حکم دینا کہ وہ اس کے نیچے اور کپڑا بھی اوڑھ لے تاکہ اس کے جسم کا وصف واضح نہ ہو۔

لا یصفہا ای ولا ینعتہا ولا یبین لون بشرتھا لکون ذالک القبطلی رقیقاً (عون المعبود)

یعنی آپ کے ارشاد گرامی لا یصفہا کا مطلب یہ ہے کہ اس کے چمڑے کا رنگ ظاہر نہ ہو کیونکہ وہ قبطی کپڑا باریک تھا۔

عورت کی شلوار لمبی ہو، قدم کو ڈھانپ لے

عن ام سلمۃ انہا ذکرت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذیول النساء فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرخین شبراً قالت ام سلمۃ اذا ینکشف عنہا قال ترخی ذراعاً لا تزید علیہ (نسائی باب ذیول النساء)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عورت کی چادر کا ذکر کیا کہ وہ کہاں تک اپنی چادر (یا شلوار) کو ڈھلکائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ایک بالشت ڈھلکائیں حضرت ام سلمہ نے عرض کیا اگر پھر بھی ان کے قدم ننگے رہیں تو؟ آپ نے فرمایا پھر ایک ذراع (تقریباً ڈیڑھ فٹ) ڈھلکالیں اس سے زیادہ نہیں۔

یعنی پنڈلیوں سے نیچے ایک بالشت نیچے کرنے سے قدم ڈھانپ دئے جائیں تو بہتر ہے اتنی مقدار میں ہی نیچے ڈھلکائے۔ اگر اتنی مقدار ڈھلکانے سے بھی قدم نظر آرہے ہوں تو ایک ذراع تک نیچے کرنا اور قدم کو چھپانا درست ہوگا۔

عورت کی نماز بغیر دوپٹہ کے قبول نہیں

عن عائشة عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال لا یقبل الله صلوة حائض الا بخمار (باب المراة تصلی بغیر خمار)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ بیشک آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ عورت کی نماز بغیر دوپٹہ کے قبول نہیں فرماتا۔

حائض کا معنی اگرچہ بالغ عورت بھی لیا جاتا ہے لیکن اس مقام پر مطلقاً عورت معنی لینا زیادہ بہتر ہے۔

وقال فی المرقاة قیل الاصوب ان یراد بالحائض من شانها الحیض لیتناول الصغیرة ایضاً (عون المعبود) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں بیان کیا ہے کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ حائض کا معنی یہ کیا جائے کہ اسکی شان یہ ہے کہ اسے حیض آنا ہے تاکہ نابالغہ کو بھی یہ حکم شامل ہو جائے۔ اسلئے کہ عادت ڈالنے کے لئے نابالغہ کو بھی جب یہ حکم نہیں دیا جائے گا تو وہ بالغ ہو کر بھی سر سے ننگے ہی گھومنے پھرنے کی عادی ہو جائے گی اور نماز میں بھی احتیاط نہیں کرے گی۔

عورتوں کے لئے ریشمی لباس اور سونے کا زیور جائز ہے

قوله علیه السلام احل الحریر والذهب لاناث امتی وحرم علیٰ ذکورها (الجوہرۃ النیرۃ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی یہ ہے کہ ریشم اور سونا میری امت کی مؤنثوں کے لئے جائز ہے اور مذکروں کے لئے حرام ہے۔

مؤنث اور مذکر کے لفظ سے واضح ہے کہ یہ حکم چھوٹی اور بڑی مؤنث کا ایک ہی ہے اسی طرح چھوٹے اور بڑے مذکر کا حکم ایک ہی ہے۔ یعنی بچوں کو سونا استعمال کرانے والے والدین گنہگار ہوں گے۔

○ حضرت عمر اور حضرت انس اور حضرت ابن زبیر اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہم

سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، من لبس الحریر فی الدنیا لم یلبسه فی الاخرة (بخاری، مسلم، مشکوۃ باب اللباس) جس مرد نے دنیا میں ریشمی لباس پہن لیا وہ آخرت میں ریشمی لباس نہیں پہن سکے گا۔

یعنی قیامت میں حساب و کتاب کے بعد نیک لوگوں کو عزت و تکریم کے لئے ریشمی لباس پہنایا جائے گا لیکن دنیا میں ریشمی لباس پہننے والا جنت میں اس تعظیم و تکریم سے محروم ہو جائے گا۔

○ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انما یلبس الحریر فی الدنیا من لا خلاق له فی الاخرة (بخاری، مسلم، مشکوۃ باب اللباس) دنیا میں وہی مرد ریشمی لباس استعمال کرے گا جو آخرت میں اس سے محروم ہو گا۔

تنبیہ:

ریشم سے مراد وہ ریشم ہے جو کیڑے سے نکلے۔آج کے سائنسی دور میں مختلف قسم کے کپڑے ایسے ہیں جن کو ہم ریشمی کپڑے سمجھتے ہیں لیکن وہ کیڑے سے نکلا ہوا ریشم نہیں ہوتا۔اسی طرح طلاء جس کو ہم اپنی زبان میں تلہ کہتے ہیں یہ بھی مرد کے لئے استعمال کرنا ناجائز ہے لیکن طلاء بھی حقیقی وہ ہے جو سونے کی تاروں سے بنا ہوتا ہے سنہری رنگ کا ہوتا ہے آگ سے جلتا نہیں۔آج کے دور میں پلاسٹک کو طلاء بنا لیا گیا ہے، یہ جائز ہے۔

عورت کی حکمرانی ناجائز ہے

عن ابی بکرۃ قال لما بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ان اھل فارس قد ملکوا علیھم بنت کسریٰ قال لن یفلح قوم ولوا امرھم امراۃ (بخاری، مشکوۃ کتاب الامارۃ والقضاء)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ بیشک فارس والوں نے کسریٰ (شاہ فارس) کی بیٹی کو اپنا حاکم بنالیا تو آپ نے فرمایا، وہ قوم ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتی جس نے اپنا حاکم عورت کو بنالیا۔

حقیقت یہ ہے کہ عورت کی فطری کمزوریاں ایسی ہیں جن کی وجہ سے وہ حکمرانی کی اھل نہیں کیونکہ حکمرانوں کو جلسوں میں خطاب کرنا اور جلوسوں کی قیادت کرنا ہوتا ہے جو عورت کی شرم و حیا کے خلاف ہے کہ وہ مردوں کو چلا چلا کر خطاب کرے، ہجوم میں پھنس جائے کوئی ادھر سے دھکے دے رہا ہو کوئی ادھر سے۔ ایسے حالات میں سوائے بے حیا عورت کے ان امور کو کوئی سرانجام نہیں دے سکتی۔

○ حضرت ابو اسید انصاری فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا جب آپ مسجد سے باہر تھے، آپ نے مردوں اور عورتوں کے اختلاط کو راستہ میں دیکھتے ہوئے عورتوں کو فرمایا،

استاخرن فانہ لیس لکن ان تحققن الطریق علیکن بحافات الطریق۔

تم پیچھے ہو جاؤ تمہیں راستہ کے درمیان نہیں چلنا چاہیئے بلکہ راستے کے کنارے کنارے پر چلو۔

آپ کے اس ارشاد گرامی کے بعد عورتیں دیوار کے ساتھ ساتھ چلتیں یہاں تک کہ عورتوں کے کپڑے دیواروں کے ساتھ لگ رہے ہوتے تھے۔ (ابو داوٗد باب فی مشی النساء مع الرجال فی الطریق)

○ عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ و سلم نھی ان یمشی (یعنی الرجل) بین المراتین

(ابو داوٗد باب فی مشی النساء مع الرجال)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو دو عورتوں کے درمیان چلنے سے منع فرمایا۔

نبی کریم نے عورتوں کے لئے دروازہ علیحدہ مختص کر رکھا تھا

○ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لو ترکنا ھذا الباب للنساء" کاش کہ ہم (مسجد میں آنے جانے کے لئے) عورتوں کے لئے یہ دروازہ مختص کر دیں۔

حضرت ابن عمر سے راوی حضرت نافع فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کے بعد حضرت ابن عمر زندگی بھر اس دروازہ سے داخل نہیں ہوئے۔

(ابو داؤد باب اعتزال النساء فی المساجد من الرجال)

فائدہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیسے حکیمانہ ارشاد گرامی ہے کہ آپ نے صحابہ کرام کو حکم نہیں فرمایا بلکہ تمنا کا اظہار فرمایا "کاش ایسا ہو جائے" اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی کامل اتباع کو تو دیکھو کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فقط تمنا پر ہی سر جھکا دیتے تھے، خصوصی حکم کے منتظر نہیں رہتے تھے۔

○ عن نافع قال ان عمر بن الخطاب کان ینھیٰ ان یدخل من باب النساء (ابو داؤد باب اعتزال النساء فی المساجد عن الرجال) حضرت نافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں بیشک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ عورتوں کے دروازے سے مسجد میں داخل ہونے سے منع فرماتے تھے۔

احادیث سے تو یہ فوائد حاصل ہوئے کہ عورتیں مساجد میں مردوں کے ساتھ مل جل کر نماز ادا نہ کریں بلکہ مسجد کی ایک جانب علیحدہ پردہ میں نماز ادا کریں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کرتے تھے، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار تمنا پر زندگی بھر ابن عمر اس دروازہ سے داخل نہیں ہوئے۔

مردوں اور عورتوں کا اختلاط منع ہے۔ جب عورت حکمران ہو، مردوں کو خطاب کرے اور ہجوم میں پھنسی ہوئی ہو، صرف مردوں سے معمولی جسم نہ ٹکرا رہا ہو بلکہ وہ مردوں میں پھنس کر اور پس کر نکلے تو اس کے متعلق آپ کیا کہیں گے، خدارا انصاف کریں

اس سے بڑھ کر عورت کی غیرت و حیا کا جنازہ کیسے نکلے گا۔
عورت اگر حکمران ہو تو اسے بین الاقوامی قوانین وضوابط کے مطابق دوسرے ممالک کے سربراہان سے علیحدگی میں ملاقات کرنا بھی ضروری ہوتا ہے جہاں کوئی تیسرا شخص موجود نہیں ہوتا۔
اس ملاقات کو بھی دیکھیں کہ ایک عورت اور ایک مرد کی ملاقات گھنٹوں جاری ہے، جس میں کوئی تیسرا شخص حائل نہیں، اس ون ٹو ون ملاقات کو میرے پیارے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں دیکھیں اور فیصلہ خود کریں کہ اس ملاقات کے اثرات کیا مرتب ہوں گے۔ آپ کا ارشاد گرامی

○ ما ترکت بعدی فتنۃ اضر علی الرجال من النساء (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مشکوۃ کتاب النکاح)

میں نے اپنے بعد عورتوں سے زیادہ کوئی فتنہ نہیں چھوڑا جو مردوں کے لئے نقصان دہ ہو۔
آپ کے ارشاد گرامی کا مطلب واضح ہے کہ مرد اپنے طبعی میلان کی وجہ سے عورت کے ہاتھوں شکار ہو جائے گا۔

○ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لا یخلون رجل بامراۃ الا کان ثالثھما الشیطان (ترمذی، مشکوۃ باب النظر الی المخطوبۃ)

کوئی شخص ہرگز کسی عورت سے خلوت (ون ٹو ون ملاقات) نہیں کرے گا مگر یہ کہ وہاں ان دونوں کے ساتھ تیسرا شیطان ہوگا۔
اس حدیث پاک کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، و المعنیٰ یکون الشیطن معھما و یھیج شھوۃ کل منھما حتی یلقیھما فی الزناء (مرقاۃ) شیطان کا ان دونوں کے ساتھ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کی خواہشات انسانیہ ابھریں گی یہاں تک کہ ان دونوں کو بدکاری میں مبتلا کر دیں گی۔
یہ بھی خیال رہے کہ "لا یخلون" قسم محذوف کا جواب ہے، گویا کہ کلام میں بہت زیادہ تاکید پائی گئی ہے اور عظیم خطرات سے ڈرایا گیا ہے۔ یعنی آپ کے ارشاد کا مطلب یہ

ہے کہ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی، اجنبی مرد کی عورت سے علیحدگی کی ملاقات میں شیطان ضرور اثرانداز ہوتا ہے۔

○ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، الحیاء من الایمان و الایمان فی الجنۃ (مسند احمد، ترمذی، مشکوۃ باب الرفق والحیاء) حیاء ایمان کا حصہ ہے اور ایمان والے ہی جنتی ہیں۔ یعنی حیاء حاصل ہو تو ایمان حاصل ہوتا ہے اور ایمان حاصل ہو تو جنت حاصل ہوتی ہے۔

○ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ان الحیاء و الایمان قرناء جمیعاً فاذا رفع احدھما رفع الاخر (بیہقی فی شعب الایمان، مشکوۃ باب الرفق والحیاء)

بیشک حیاء اور ایمان ایک ساتھ ہی پائے جاتے ہیں، جب ایک اٹھ جائے تو دوسرے کا اٹھنا بھی لازم ہو جاتا ہے یعنی جب حیاء ہی نہ رہے تو ایمان بھی نہیں رہتا۔ حیاء کے بغیر ایمان کامل کا حصول ممکن نہیں۔

○ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ میں ارشاد فرماتے سنا "الخمر جماع الاثم و النساء حبائل الشیطان و حب الدنیا راس کل خطیئۃ قال و سمعتہ یقول اخروا النساء حیث اخرھن اللہ" (رزین، بیہقی، مشکوۃ کتاب الرقاق)

شراب کئی گناہوں کی جامع ہے، عورتیں شیطان کے جال ہیں اور دنیا کی محبت ہر گناہ کی اصل ہے۔ راوی کہتے ہیں میں نے آپ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے بھی سنا، عورتوں کو پیچھے رکھو جبکہ اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں پیچھے رکھا ہے۔ یعنی شیطان مردوں کو اپنا شکار عورتوں کے ذریعے بناتا ہے، ان کو اپنا ہتھیار بناتا ہے جیسا مچھلیوں بٹیروں وغیرہ کے شکاری اپنا جال استعمال کرتے ہیں ایسے ہی یہ شیطان کے جال ہیں۔

○ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ما رایت من ناقصات عقل و دین اذھب للب الرجل الحازم فی احدکن (بخاری، مسلم، مشکوۃ کتاب الایمان)

(عورتوں کو خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا) میں نے تم سے زیادہ کسی عقل اور

دین کے کم رکھنے والے کو نہیں دیکھا جو بڑے بڑے عقلمند مردوں کی عقلوں کو لے جائے۔

یعنی عورت باوجود اس کے کہ خود عقل اور دین کم رکھتی ہے لیکن عاقل و فہیم مردوں کی عقلوں کو ضائع کر دیتی ہے۔

بڑے بڑے علم کے دعویدار اور یہ کہنے والے کہ ہم پر رحمٰن کا فضل ہے، ہمیں مولوی کا بیٹا ہونے کا شرف حاصل ہے ان کو بھی ایک ہی ملاقات میں عورت کے قدموں پر گرتے ہوئے دیکھا، لٹ گئے، بک گئے، جھک گئے، خسرالدنیا والاخرۃ ہوگئے، اگرچہ بظاہر کروڑوں روپے قومی خزانہ کے سمیٹ لئے لیکن لوگ بھی ایسے نامراد انسانوں کی چال بازیوں سے اچھی طرح باخبر ہیں۔ یہ منافقانہ کردار کیوں کہ یہ بھی کہنا کہ عورت کی حکمرانی ناجائز ہے لیکن ہم نے برداشت کیا ہوا ہے، کیا پیشاب کا پینا ناجائز ہونے کے باوجود ہڑپ کر کے برداشت کرنا جائز ہوگا۔ ایسا کہنا حماقت ہی حماقت ہے، ایسے لوگوں کو آج بکاؤ ملا، بے ضمیر ملا، شیطانی ملا، بے حیاء ملا، بے غیرت ملا، لوٹا ملا، عورت کے ہاتھوں پہ کھلونا بننے والا ملا جیسے القاب سے یاد کیا جا رہا ہے۔

ہاں ہاں ارشاد مصطفوی کے مطابق مولوی ابن مولوی علم دین رکھنے کے باوجود، عاقل و فہیم ہوتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے کہ ہم تو حق کی باتیں سننے کی وجہ سے حق کے سمیع ہیں لیکن وہ بھی ایسے لٹے پٹے کہ کہیں کے نہ رہے، کبھی انہیں عورت کی حکمرانی پہ نیند نہیں آتی تھی لیکن حبالہ شیطان میں ایسے پھنسے کہ اب خراٹے لے لے کر نیند کے مزے اڑا رہے ہیں۔

لوگ سمجھتے تھے کہ یہ کتنے بزرگ ہیں حق کے متوالے ہیں، صداقت کی نشانی ہیں یہ تو نہ بکنے والے اور نہ جھکنے والے ہیں لیکن وہ جبہ، قبے اور خوبصورت دستار والے حضور جن کے نورانی چہرے اور نورانی داڑھی پر عاشقان مصطفیٰ دل لٹا بیٹھے، وہ جو کبھی باکردار تھے، حق و باطل کا امتیاز تھے، نظام مصطفیٰ کا نعرہ لگا کر ہزاروں جانیں قربان کرا کے اپنے دل کا گوشہ ایک عورت کے سامنے نرم کر بیٹھے اور نعرہ لگانے لگے جمہوریت مل گئی مقصد حیات مل گیا، مرد کی حکمرانی پر دھاندلی نظر آنے لگی لیکن عورت کی حکمرانی کے انتخاب صاف و شفاف نظر آنے لگے۔

میرے پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ذیشان سورج کی طرح ضوء فشاں، چاند کی طرح نور بکھیر رہا ہے اور ستاروں کی طرح جگمگا رہا ہے۔ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کی حقانیت کا ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔

عورت کا مکر شیطان کے مکر سے بھی بڑا ہے

حضرت یوسف علیہ السلام سے جب عزیز مصر کی زوجہ نے اپنی خواہش پوری کرنے کا مطالبہ کیا تو آپ نے معاذاللہ کہہ کر اسکی خواہش کو رد کر دیا۔ آپ اس سے جان چھڑانے کے لئے بھاگے تو اس نے پیچھے سے بھاگتے ہوئے آپ کے کرتے کو پکڑ لیا جس سے آپ کا کرتہ پھٹ گیا۔ اسی بھاگ دوڑ میں دروازہ کے پاس عزیز مصر انہیں مل گیا۔ اس نے اپنے خاوند کو دیکھ کر الزام حضرت یوسف علیہ السلام پر لگا دیا، اور کہنے لگی جو تمہاری گھر والی سے بدکاری کا ارادہ کرے اسے قید خانہ بھیجا جائے یا دردناک مار ماری جائے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کے جواب میں کہا کہ اس نے خود مجھے اپنی طرف مائل کرنا چاہا، میں تو اس سے جان چھڑانے کے لئے بھاگ رہا تھا۔ عزیز مصر نے کہا اب یہ کیسے معلوم ہو کہ تم دونوں میں سے سچا کون ہے۔ تو حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا کہ اس عورت نے اپنے ماموں کا چار ماہ کا بچہ جو رکھا ہوا ہے، اس سے دریافت کر لیا جائے کہ کون سچا ہے۔ عزیز مصر نے تعجب سے کہا کہ چار ماہ کا بچہ کیا گواہی دے گا۔ آپ نے فرمایا میرا اللہ اس پر قادر ہے کہ میرا بری ہونا اس بچہ سے ثابت کرا دے۔ عزیز مصر نے جب اس بچے سے پوچھا تو اس نے گواہی دیتے ہوئے کہا کہ اگر یوسف علیہ السلام کا کرتہ آگے سے پھٹا ہوا ہے تو وہ عورت سچی ہے آپ جھوٹے ہیں یعنی اس نے اپنا دفاع کرتے ہوئے کرتہ کو آگے سے پکڑ کر پیچھے دھکیلا ہوگا تو کرتہ آگے سے پھٹ گیا ہوگا اور اگر ان کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو وہ سچے ہیں اور عورت جھوٹی ہے۔ کیونکہ عورت نے زبردستی اپنی طرف مائل کرنا چاہا ہوگا اور وہ اس سے جان چھڑانے کے لئے بھاگے ہوں گے، اس نے پیچھے سے پکڑنے کی کوشش کی ہوگی تو آپ کا کرتہ پیچھے سے پھٹ گیا ہوگا۔

اس گواہی کے بعد جب عزیز مصر نے آپ کے کرتے کو دیکھا تو وہ پیچھے سے پھٹا ہوا تھا تو

عزیز مصر نے کہا انہ من کید کن ان کید کن عظیم (پ ۱۲ ع ۱۳) بیشک یہ تم عورتوں کا مکر ہے، بیشک تمہارا مکر بڑا ہے۔

و انما وصف کید النساء بالعظم و کید الشیطان بالضعف (قال اللہ تعالیٰ ان کید الشیطان کان ضعیفاً) لان کید النساء اقوی بسبب انھن حبائل الشیطان فکیدھن مقرون بکید الشیطان فھما کیدان بخلاف کید الشیطان دونھن فکید واحد (صاوی)

عورتوں کے مکر کو اللہ تعالیٰ نے عظیم کہا ہے اور شیطان کے مکر کو ضعیف کیونکہ عورتوں کا مکر شیطان کے مکر سے زیادہ قوی ہے کیونکہ عورتیں شیطان کا جال ہیں، جب عورت مکر کرے گی تو اس میں شیطان کا مکر بھی شامل ہوگا، اس طرح دو مکر پائے جائیں گے۔ لیکن شیطان کے مکر کے ساتھ عورت کے مکر کا پایا جانا ضروری نہیں تو شیطان کا مکر ایک ہی رہے گا۔

اپنے معاملات عورت کے سپرد کرنے سے موت بہتر ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اذا کان امراؤکم خیارکم و اغنیاءکم سمحاءکم و امورکم شوریٰ بینکم فظہر الارض خیر لکم من بطنہا و اذا کان امراؤکم شرارکم و اغنیاءکم بخلاءکم و امورکم الیٰ نساءکم فبطن الارض خیرلکم من ظہرھا (ترمذی، مشکوۃ باب تغیرالناس)

جب تمہارے حکام تم سے بہتر ہوں (نیک، صالح، متقی، پرہیزگار ہوں) اور تمہارے غنی لوگ سخی ہوں اور تمہارے معاملات مشاورت سے طے ہوں تو تمہارے لئے زمین کے اوپر کا حصہ اندر کے حصہ سے بہتر ہے۔ اور جب تمہارے حکام برے ہوں (ظالم، راشی، فاسق و فاجر، قومی خزانے کے لٹیرے، یہود و ہنود کو راضی رکھنے والے) اور تمہارے غنی لوگ کنجوس ہوں اور تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کے سپرد ہوں تو تمہارے لئے زمین کے اندر کا حصہ اوپر کے حصہ سے بہتر ہے۔

یعنی جو معاملات مشاورت سے طے ہوں گے ان میں الفت و محبت، اتفاق و اتحاد پیدا ہوگا۔ اور اگر مشاورت نہ پائی جائے بلکہ ظالمانہ انداز پایا جائے تو اس میں اختلاف و

افتراق ہوگا۔

حکام کون سے بہتر ہوں گے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "خیار ائمتکم الذین تحبونھم ویحبونکم وتصلون علیھم ویصلون علیکم" تمہارے بہتر حکام وہ ہوں گے جو تمہارے ساتھ محبت کرتے ہوں گے اور تم ان سے محبت کرتے ہوگے اور وہ تمہارے لئے دعا کرتے ہوں گے اور تم ان کے لئے دعا کرتے ہوگے۔

برے حکام کون سے ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "شرار ائمتکم الذین تبغضونھم ویبغضونکم وتلعنوھم ویلعنونکم" (مسلم، مشکوۃ باب الامارۃ والقضاء)
تمہارے برے حکام وہ ہوں گے جن کو تم ناپسند کرتے ہوگے اور وہ تمہیں ناپسند کریں گے اور تم ان پر لعنت بھیج رہے ہوگے اور وہ تم پر لعنت بھیج رہے ہوں گے۔

حکام کی اطاعت کب لازم ہے

قال العلماء تجب طاعۃ ولاۃ الامور فیما تشق وتکرھہ النفوس وغیرہ مما لیس بمعصیۃ فان کانت معصیۃ فلا سمع ولا طاعۃ (نووی باب وجوب طاعۃ الامراء)
علماء حق نے بیان فرمایا ہے کہ امراء، حکام کی ان معاملات میں اطاعت لازم ہوگی جو شریعت کے مطابق ہوں خواہ انسان ان میں اپنے لئے مشقت سمجھے اور نفوس ان کو ناپسند کریں، لیکن اگر ان میں گناہ پایا جاتا ہو شریعت کے مخالف ہوں تو ان میں حکام کی اطاعت لازمی نہیں ہوگی۔

جن احادیث میں مطلقاً امراء، حکام کی اطاعت لازم ہونے کا ذکر ہے ان کا یہی مطلب ہے کہ ان میں معصیت نہ پائی جائے کیونکہ دوسری حدیث میں صراحۃ ذکر کیا گیا ہے "لا سمع ولا طاعۃ فی المعصیۃ" معصیت کے کاموں میں ان کی بات کو سن کر قبول نہ کیا جائے، ان کے احکام کی فرمانبرداری نہ کی جائے۔

اغنیاء کے سخی ہونے میں کیا فائدہ

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"السخی قریب من اللہ قریب من الجنۃ قریب من الناس بعید من النار" سخی کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے وہ جنت کے قریب ہوتا ہے اور لوگوں کے قریب ہوتا ہے اور وہ آگ سے دور ہوتا ہے۔

یعنی سخی اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے اور غرباء، محتاج لوگوں کی امداد کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کا قرب جنت میں جانے کا ذریعہ ہے اور سخی کی مہربانیوں اور اچھائیوں اور حسن اخلاق کی وجہ سے لوگ بھی اس سے محبت کریں گے۔

اغنیاء کے کنجوس ہونے میں نقصانات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "و البخیل بعید من اللہ بعید من الجنۃ بعید من الناس قریب من النار" کنجوس اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے جنت سے دور ہوتا ہے لوگوں سے دور ہوتا ہے آگ کے قریب ہوتا ہے۔

چونکہ کنجوس اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ادا نہیں کرتا اسلئے رب تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اسکو جنت سے دور اور جہنم کے قریب کر دیتی ہے اور اس کی بے رخی اور فقراء و غرباء کی ڈانٹ ڈپٹ دیکھ کر لوگ بھی اس سے دور ہو جاتے ہیں۔

و لجاھل سخی احب الی اللہ من عابد بخیل (ترمذی، مشکوٰۃ باب الانفاق)

جاہل سخی اللہ تعالیٰ کو عبادت گذار کنجوس سے زیادہ محبوب ہے۔ حدیث پاک میں جس جاہل کا ذکر ہے اس سے مراد وہ شخص ہے جو عبادت گذار نہ ہو۔

اپنے معاملات عورتوں کے سپرد نہ کئے جائیں

عورت عقل کی کمی، بے صبری اور انتقامی کاروائی کرنے کی حریص ہونے کی وجہ سے صحیح فیصلہ نہیں کر سکتی بلکہ اس کے اکثر و بیشتر فیصلے غلط ہی ہوتے ہیں۔

مقام افسوس اور مقام تعجب

جب عورت کو صرف گھریلو معاملات سپرد کرنے سے خسارہ ہے تو ملکی معاملات سپرد کرنے سے عظیم خسارہ نہ ہو تو اور کیا ہوگا۔ جب عورت شریر حاکمہ، ناچ گانے کی دلدادہ ہو، بچیوں کے سکول اور کالج بھی اس دور حکومت میں گانوں کے مرکز بن جائیں

تو اس پر افسوس ہی افسوس کرنا پڑے گا، اس سے خیر اور کامیابی کی توقع رکھنا حماقت اور فرمان مصطفوی سے بغاوت ہے۔ یعنی جب ملکی معاملات ایک عورت کے سپرد کر دئے جائیں اور وہ شریر بھی ہو تو یہ در حقیقت ملک کو تباہی کے گڑھے میں دھکیلنے کے مترادف ہے۔

حدیث پاک میں استعمال کئے گئے الفاظ "ظہر الارض" کا مطلب زندگی اور "بطن الارض" کا مطلب موت ہے۔ یعنی جب معاملات عورتوں کے سپرد کر دئے جائیں تو ایسے حالات میں زندگی سے موت بہتر ہے۔

حاکم کا بہادر ہونا ضروری ہے جبکہ عورت ڈرپوک ہے

عورت چونکہ فطری طور پر کمزور اور ڈرپوک پیدا کی گئی ہے اسلئے عورت کو حاکم بنانا ملک کو تباہی کی طرف دھکیلنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حاکم کے لئے علم اور بہادری کو معیار بنایا ہے۔ عورت چلا چلا کر تقریر تو کر سکتی ہے لیکن یہود و ہنود کی دھمکیوں پر خروج باد دبور پر قبضہ نہیں رکھ سکتی۔

جب بنی اسرائیل نے حضرت شمویل علیہ السلام سے کہا کہ ہمارے لئے کوئی بادشاہ منتخب کر دو جس کی زیر قیادت ہم عمالقہ قوم سے جنگ کریں۔ تو ان کے اس مطالبہ پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے جس شخص کو حاکم بنایا گیا، اس کا ذکر مالک الملک نے بیان کیا،

وقال لھم نبیھم ان اللہ -تا- واللہ واسع علیم (پ ۲ ع ۱۶)

اور ان سے انکے نبی نے فرمایا بے شک اللہ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔ بولے اسے ہم پر بادشاہی کا حق کیسے حاصل ہے اور ہم اس سے زیادہ سلطنت کے مستحق ہیں اور اسے مال میں بھی وسعت نہیں دی گئی۔ فرمایا اسے اللہ نے تم پر چن لیا ہے اور اسے علم اور جسم میں کشادگی کی زیادتی دی، اور اللہ جسے چاہے اپنا ملک دے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

ان لوگوں نے طالوت کی بادشاہت اور حاکمیت پر اعتراض کیا، اسکی وجہ یہ تھی کہ پہلے نبوت بنی اسرائیل میں لادی بن یعقوب کی اولاد میں آرہی تھی، اسی قبیلہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام تھے۔ اور بادشاہت یہودا بن یعقوب کی اولاد میں آرہی تھی، اسی قبیلہ سے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ

السلام تھے جنہیں نبوت کے ساتھ ساتھ بادشاہت بھی حاصل تھی۔

طالوت چونکہ بنیامین بن یعقوب کی اولاد سے تھے اسلئے انہوں نے انکی بادشاہت کو عقل سے بعید سمجھا، نیز اپنے دعوی کو پختہ کرنے کے لئے کہا "ولم یؤت سعة من المال" اور اسے تو مال کی وسعت بھی نہیں دی گئی، ان کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ ہم بادشاہت کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ ہم ان قبائل سے بھی تعلق رکھتے ہیں جن میں بادشاہت پہلے آرہی ہے اور ہم مالدار بھی ہیں، حاکم کے لئے تو مالدار ہونا ضروری ہے، طالوت تو ایک معمولی محنت و مزدوری کرنے والا انسان ہے رنگ ساز یا مشکی ہے۔

ان کے اس اعتراض پر انہیں اللہ کے نبی نے یہ جواب دیا "ان اللہ اصطفه علیکم" بیشک اللہ تعالیٰ نے اسے تم پر چن لیا ہے، پسند کرلیا ہے۔ پسند اسے ہی کیا جاتا ہے جو سب سے بہتر ہو۔

حاکمیت کے لئے رب تعالیٰ نے اپنی پسند کا معیار یہ قائم کیا "وزادہ بسطة فی العلم والجسم" اور اسے اللہ تعالیٰ نے علم اور جسم میں وسعت و زیادتی عطا کی ہے۔ اسی لئے وہی حاکمیت کا حقدار ہے۔

ان کے نزدیک حاکمیت کا معیار دو چیزیں تھیں ایک بادشاہی خاندان کا فرد ہونا اور دوسرا مالدار ہونا۔ لیکن رب تعالیٰ نے ان کے خلاف بادشاہی کا معیار دو چیزوں کو بنایا ایک علم اور دوسری بہادری۔

حاکمیت کا معیار علم اور قوت کو ٹھہرانا زیادہ بہتر ہے بنسبت مال اور دولت اور ظاہری شان و شوکت کے کیونکہ علم اور قوت کمالات حقیقیہ سے ہیں اور مال و دولت، جاہ و جلال کو یہ حیثیت حاصل نہیں۔ علم اور قوت انسان کی ذاتی صفات ہیں لیکن مال و منال، شان و شوکت عارضی صفات ہیں۔ علم و قدرت کا انسان سے زوال نہیں لیکن مال و متاع اور موروثی ظاہری مراتب زائل ہونے والی چیزیں ہیں۔ حاکم وہی ہونا چاہئے جو ملکی مسائل، دینی مسائل اور جنگی مسائل کا بخوبی علم رکھتا ہو اور قوی، بہادر، نڈر ہو تاکہ دشمن کے شر سے ملک کی حفاظت کرسکے۔

المراد ببسطة فی الجسم ھی القوة و ھذا القول عندی اصح لان المنتفع به فی دفع الاعداء ھو القوة و الشدة لا الطول و الجمال۔

جسم میں کشادگی عطا کرنے کا مطلب قوت و بہادری ہے اور یہی قول میرے نزدیک زیادہ صحیح ہے، کیونکہ دشمن کو مندفع کرنے میں طاقت، دل کی قوت کا ہی لحاظ ہوتا ہے، صرف لمبا قد اور ظاہری خوبصورتی مراد نہیں۔(از تفسیر کبیر)

مرد کو عورت سے زیادہ طاقت حاصل ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وللرجال علیھن درجۃ" مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔ عربی میں مرد کو رجل کہا گیا ہے۔ یہ لفظ الرجلۃ سے ماخوذ ہے جس کا معنیٰ قوت و بہادری ہے۔ ارجل الرجلین کہا جاتا ہے جب ایک شخص دوسرے سے بہادر ہو یعنی دو میں سے وہ بہادر ہے۔ فرس رجیل اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو چلنے میں دوسروں سے زیادہ قوی ہو۔ ترجل النہار کا مطلب ہے دن زیادہ روشن ہو گیا۔

اس بحث سے واضح ہوا کہ مرد کو عربی میں رجل کہا ہی اسلئے گیا ہے کہ یہ بہادر، طاقتور اور نڈر ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اتقوا اللہ فی الضعیفین، الیتیم و المراۃ" اللہ تعالیٰ سے دو ضعیف شخصیتوں کے بارے میں ڈرو، ایک یتیم اور دوسری عورت۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات گرامی سے عورت کی کمزوری کو روز روشن کی طرح واضح فرما دیا کہ عورت فطری طور پر کمزور ہے، ضعیف و ناتواں ہے، بزدل و ڈرپوک ہے۔

عورت کو حاکم بنانا قانون قدرت سے مقابلہ کرنا ہے، ارشادات سید الانبیاء علیہ السلام کی بغاوت کرنا ہے، دشمن کو دلیر کرکے ملک کو تباہی کے کنارے پہنچانا ہے۔

ہم اپنے دور میں عورت کی بزدلانہ حرکات کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ عیسائیوں کی طرف سے ذرا دھمکی آجائے تو عورت جی حضوری بن جاتی ہے۔ دو عیسائی جو پاکستانی تھے عدالت نے جب ان کو گستاخیٔ رسول کا مرتکب پا کر سزائے موت دی تو امریکہ کے احتجاج پر ڈرپوک عورت نے عدالت عالیہ سے جی حضوری، جیالے اور متوالے ججوں سے تمام عدالتی قوانین توڑ کر ان کی سزائے موت کو معطل کرا کے بیرون ملک بھیج دیا اور ساتھ ساتھ مالی انعام بھی دیا۔

امریکہ بھارت کو پرتھوی میزائلوں کو پاکستانی سرحدوں پر نصب کرنے سے نہ روک سکا بلکہ بھارت نے جرأت مندانہ جواب دیکر امریکہ کو خاموش کردیا کہ امریکہ دوسرے ممالک پر اپنی تھانیداری کے دعوے چھوڑ دے، لیکن پاکستان کی حکمران عورت کو کہا تم اس پر جوابی کاروائی نہیں کرسکتے تو یہ جی حضوری بن کر خاموش ہو گئی کہ کہیں آقا ناراض نہ ہو جائے۔

شومیٔ قسمت پاکستان میں یہود و نصاریٰ کی سازش اور العوام کالانعام کی حماقت سے عورت بیس ماہ پہلے حکمران رہی اور اب پھر سوا دو سال سے قومی خزانہ کو تباہ کرکے راج کر رہی ہے، لیکن خدارا مسلمانو ذرا انصاف سے غور کرکے یہ تو بتاؤ کہ پاکستان قائم ہوئے قمری تواریخ کے حساب سے کُل ستائیس رمضان ۱۴۱۶ھ کو پچاس سال مکمل ہو چکے ہیں، کیا اس دوران عورت کی حکمرانی کے مجموعی چار سال میں کراچی میں سیاسی انتقام کے پیش نظر تحریک پاکستان کے مجاہدین اور انکی اولاد کے جتنے حضرات ظلم و ستم سے باغی اور تخریب کار کہہ کر قتل کیے گئے ہیں اتنے باقی چھیالیس سال میں بھی قتل ہوئے، نہیں نہیں یہ صرف عورت کی حکمرانی کی نحوست ہی تو ہے۔

فرمان مصطفیٰ کے باغیو! ذرا گریبان میں جھانک کر تو دیکھو اور مردوں کی حکمرانی کے چھیالیس سال اور عورت کی حکمرانی کے چار سال کا مقابلہ کرکے دیکھو، خود انصاف کرو چار سالہ ظلم و ستم، قتل و غارت اور یہود و نصاریٰ کے اشاروں پر چلنے کے واقعات زیادہ ہیں یا چھیالیس سالہ مردوں کی حکمرانی کے۔

جب یقیناً چار سالہ دور کے مظالم چھیالیس سالہ دور سے زائد ہیں تو اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر ایمان لا کر توبہ کرلو، اپنی عاقبت کو برباد نہ کرو، ویشترط ان یکون من اھل الولایۃ مسلماً حراً ذکراً عاقلا بالغاً (شرح عقائد)

حاکم بننے کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کو دوسروں پر ولایت حاصل ہو۔ مسلمان ہو کیونکہ کافر کو مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں۔ آزاد ہو کیونکہ غلام کو اپنی ذات پر ولایت حاصل نہیں تو غیروں پر کیسے ولایت حاصل ہو گی۔ اسی طرح عاقل اور بالغ ہو کیونکہ مجنون (پاگل) اور نابالغ احکام کے مکلف نہیں اور انہیں کسی قسم کی کوئی ولایت حاصل نہیں۔

مذکر ہونا بھی حاکمیت کے لئے شرط ہے، کیونکہ عورت عقل و دین میں ناقص ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق عورت کی حاکمیت میں فلاح نہیں۔

و ایضاً ھی مامورۃ بالتستر و ترک الخروج الیٰ مجامع الرجال و ایضاً اجمع الامۃ علیٰ عدم نصبہا حتیٰ فی الامامۃ الصغریٰ (نبراس)

عورت اس وجہ سے بھی حاکم نہیں بن سکتی کہ اسے پردہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور مردوں کی محافل میں جانے سے روکا گیا ہے حالانکہ قوم کے امیر کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے معاملات کو طے کرنے کے لئے اپنے گھر سے باہر نکلے اور مردوں کی محافل میں جائے۔اور عورت کا حکمران بننا اس لئے بھی ناجائز ہے کہ امت کا اجماع ہے کہ عورت کو منصب امامت پر مقرر کرنا ناجائز ہے یہاں تک کہ عورت امامت صغریٰ یعنی نماز کی امامت کرنے کی حقدار نہیں تو امامت کبریٰ یعنی حکمرانی کے قابل کس طرح ہو سکتی ہے۔

دراصل یہ عورت کی عظمت کا لحاظ کیا گیا ہے کہ وہ ہوسناک نگاہوں کا مرکز نہ بنے بلکہ اجنبی لوگوں سے پردہ کر کے اپنی عزت اور اپنے وقار کو قائم رکھے۔کاش عورت اپنے مقام کو سمجھ جائے۔

عورت اور جہاد

الجہاد فرض علی الکفایۃ اذا قام بہ فریق من الناس سقط عن الباقین فان لم یقم بہ احد اثم جمیع الناس بترکہ (ھدایہ)

جہاد فرض کفایہ ہے جب لوگوں میں کچھ لوگ جہاد میں شریک ہو جائیں تو باقیوں سے فریضہ ساقط ہو جائے گا۔ ہاں اگر تمام مسلمان جہاد چھوڑ دیں تو تمام ہی گنہگار ہوں گے۔

فان ھجم العدو علیٰ بلد و جب علیٰ جمیع الناس الدفع تخرج المراۃ بغیر اذن زوجہا و العبد بغیر اذن المولیٰ لانہ صار فرض عین و ملک الیمین و رق النکاح لایظہر فی حق فروض الاعیان (ھدایہ)

ار مسلمانوں کے کسی شہر پر کفار کی یلغار ہو جہاں چند آدمی دفاع نہ کر سکیں تو تمام لوگ مل کر دفاع کریں۔ ایسی صورت میں عورت بغیر خاوند کی اجازت کے اور غلام مالک کی اجازت کے بغیر جہاد کے لئے نکل پڑیں کیونکہ اب جہاد فرض عین ہو چکا ہے، جو عبادات فرض عین ہیں ان میں غلامیت یا نکاح کا بندھن اثرانداز نہیں ہو سکتے۔

نماز، روزہ، زکوۃ، حج یا جہاد فرض عین ہو جانے کی صورت میں خاوند کی اجازت ضروری نہیں اور اگر خاوند منع کرے تو منع بھی نہیں کر سکتا۔

عورت پر اگر حج فرض ہو جائے اور محرم بھی ہو تو خاوند کی اجازت کے بغیر اسے حج کرنا صحیح ہے ایسی صورت میں خاوند کو منع کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔

جہاد جب فرض عین ہو جائے تو اس وقت سب لوگ جہاد کے لئے گھروں سے نکل پڑیں یہاں تک کہ سوار اور پیدل، طاقتور اور کمزور، کنوارے اور عیالدار، جوان اور بوڑھے، فارغ اور محنت مزدوری والے، مالدار اور غریب، مرد اور عورتیں سب جہاد کر کے اپنے ملک کا دفاع کریں کیونکہ تمام لوگوں کے دفاع کے بغیر مقصد کا حصول نہیں، مقصد تو اسلامی ممالک کی حفاظت ہے۔

عن انس ان ام سلیم اتخذت یوم حنین خنجراً فکان معہا فرآھا ابو طلحۃ فقال یا رسول اللہ ھذہ ام سلیم معہا خنجر فقال لھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ما ھذا الخنجر قالت اتخذتہ ان دنا منی احد من المشرکین بقرت بہ بطنہ فجعل رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم یضحک (مسلم ج ۲ باب غزوۃ النساء مع الرجال)
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بیشک ام سلیم نے حنین کے دن خنجر پکڑا ہوا تھا، ان کو ابو طلحہ نے دیکھا تو انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ یہ ام سلیم ہے اس کے پاس خنجر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ خنجر کیسے ہے، انہوں نے عرض کیا کہ اگر میرے قریب مشرکوں سے کوئی ایک بھی آگیا تو میں اس کا پیٹ پھاڑ دوں گی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے لگے۔

وضاحت حدیث:

ام سلیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محرمات عورتوں سے ہیں اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ ان کا پہلے نکاح مالک سے تھا وہ حالت شرک میں ہی قتل ہو گیا تھا۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کر لیا، اس کے بعد ابو طلحہ نے آپ کو نکاح کا پیغام بھجوایا تو آپ نے شرط رکھی کہ تم اسلام لے آؤ پھر نکاح ہوگا، ابو طلحہ نے اسلام قبول کر کے ان سے نکاح کر لیا۔

حدیث پاک سے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی بہادری ثابت ہو رہی ہے کہ آپ میدان جنگ میں خوفزدہ نہیں تھیں بلکہ جرأت اور بہادری کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔

اگر میدان جنگ میں عورتیں شریک ہوں تو اپنا دفاعی اسلحہ بھی ساتھ رکھیں تاکہ کفار و مشرکین سے مقابلہ کر سکیں۔

مسلمان کا شیوہ ہی یہ ہے کہ وہ جرأت اور بہادری سے مشرکین سے مقابلہ کرے، اسی وجہ سے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے جرأت مندانہ جواب سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو کر مسکرائے۔

عورتوں کو جنگ میں ساتھ لے جانا کب جائز؟

و لا باس باخراج النساء و المصاحف مع المسلمین اذا کانوا عسکراً عظیماً یؤ من علیہ لان الغالب ھو السلامۃ و الغالب کالمتحقق (ھدایہ)

مسلمانوں کا جب اتنا بڑا لشکر ہو جس پر سلامتی سے لوٹنے کا غالب گمان ہو اس وقت میدان جنگ میں قرآن پاک اور عورتوں کو ساتھ لے جانے میں کوئی حرج نہیں۔

سلامتی سے لوٹنے میں غالب گمان کا لحاظ کیا گیا ہے کیونکہ غالب گمان کو متحقق اور یقین کے درجے میں اعتبار کیا جاتا ہے۔

شکست کے خطرہ پر عورتوں کو ساتھ لے جانا جائز نہیں

ویکرہ اخراج ذالک فی سریۃ لا یؤمن علیہا۔ جس لشکر پر سلامتی میں لوٹنے پر غالب گمان نہ ہو اس میں قرآن پاک اور عورتوں کو ساتھ لے جانا جائز نہیں۔

سریۃ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اطہر میں کئے گئے جہاد پر دو قسم کے لفظ اطلاق ہوتے ہیں ایک غزوہ اور دوسرا سریہ۔

جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے گئے اسے غزوہ کہا جاتا ہے۔ وہ عام طور پر زیادہ آدمیوں پر مشتمل لشکر ہوتے تھے۔

اور جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک نہیں ہوئے، چند آدمیوں کو بعض کفار کی سرکوبی کے لئے بھیجا اسے سریہ کہتے ہیں۔

فقہاء کرام کی اصطلاح میں عام طور پر ایسے لشکر کو سریہ کہتے ہیں جو دن کو چھپ جائے اور رات کو حملہ کرے یعنی گوریلا جنگ لڑنے والے لشکر پر وہ اپنی اصطلاح میں سریہ کا اطلاق کرتے ہیں۔ لیکن یہاں مراد وہ لشکر ہے جس کی شکست کا غالب گمان ہو یا کم از کم زیادہ نقصان کے خطرات پائے جاتے ہوں۔

خطرات کی صورت میں عورتوں کو ساتھ لے جانا ناجائز کیوں

جب زیادہ خطرات ہوں تو میدان جنگ میں عورتوں اور قرآن پاک ساتھ لے جانا ناجائز ہے۔ اسکی وجہ فقہاء کرام بیان کرتے ہیں،

لان فیہ تعریضھن علی الضیاع و الفضیحۃ و تعریض المصاحف علی الاستخفاف فانھم یستخفون بھا مغایظۃ للمسلمین۔ اسلئے کہ خطرات کی صورت میں عورتوں کو ساتھ لے جانے میں عورتوں کو ضائع کرنا لازم آئے گا وہ اپنی فطری کمزوری کی وجہ سے اپنا دفاع کرنے میں عاجز آجائیں گی اس طرح سوائے ہلاکت کے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ کفار عورتوں کی توہین کریں گے۔ ان کو رسوائی سے بچانے کے لئے بھی ضروری ہے کہ ایسے حالات میں ان کو ساتھ نہ لے جائیں۔

قرآن پاک کے ساتھ نہ لے جانے میں بھی یہی وجہ ہے کہ کفار قرآن پاک کی بے حرمتی کریں گے، وہ اس بے حرمتی میں زیادہ کوشش اس وجہ سے بھی کریں گے کہ مسلمانوں کو زیادہ رسوا کیا جائے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لا تسافروا بالقرآن فانی لا آمن ان ینالہ العدو (مسلم ج ۲ کتاب الجہاد) قرآن پاک کو سفر میں ساتھ نہ لے جاؤ اسلئے کہ میں خطرہ محسوس کرتا ہوں کہ کہیں وہ دشمن نہ لے لیں۔

اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ مبارکہ بھی آتے ہیں، انہ کان ینھی ان یسافر بالقرآن الی ارض العدو ویخاف ان ینالہ العدو (مسلم، ابن ماجہ)

بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کو دشمن کی سرزمین میں سفر کرنے کی صورت میں ساتھ لے جانے سے منع کرتے تھے اس خوف کے پیش نظر کہ کہیں دشمن اس پر غالب نہ آجائے اور اسکے ہاتھ نہ لگ جائے۔

اس تمام بحث سے یہ واضح ہوا کہ میدان جنگ میں عورت کو ساتھ لے جانے میں اس کے احترام کا لحاظ کیا گیا ہے۔ اگر ساتھ لے جانے میں اسکی عزت و وقار میں حرف آنے کا کوئی خطرہ نہ ہو تو ساتھ لے جائیں اور اگر ساتھ لے جانے میں اسکی ذلت و رسوائی کا خطرہ ہو تو ساتھ نہ لے جائیں۔ فقہاء کرام نے قرآن پاک کی حرمت کو ذکر کر کے واضح کیا کہ عورت کا مقام کتنا باعزت ولائق احترام ہے۔

آج کی مادر و پدر آزاد عورت ہر میدان میں مرد کی برابری کے زبانی دعوی کرنے کے بجائے میدان جنگ میں ہراول دستہ کے ساتھ جا کر تو دیکھے، اسکے سارے دعوے ملیا میٹ ہو جائیں گے۔

حضرت ام حرام بنت ملحان کی جہاد میں شرکت

حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا جو ام سلیم رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں، کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر آرام فرما تھے، جب آپ بیدار ہوئے تو آپ مسکرا رہے تھے، یہ کہتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کیوں مسکرا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں نے ایک قوم کو دیکھا ہے جو کشتیوں پر سوار دریائی سفر کر رہے ہیں، جس طرح بادشاہ اپنے تختوں پر متمکن ہوتے ہیں۔ یہ کہتی ہیں میں نے عرض کیا

یارسول اللہ آپ کیوں مسکرا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں نے ایک قوم کو دیکھا ہے جو کشتیوں پر سوار دریائی سفر کر رہے ہیں، جس طرح بادشاہ اپنے تختوں پر متمکن ہوتے ہیں۔ یہ کہتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ میرے لئے بھی دعا کریں اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شامل کرے۔ آپ نے فرمایا "فانک منھم" بیشک تم ان میں شامل ہوگی۔ آپ کہتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پھر سو گئے، پھر بیدار ہوئے تو آپ مسکرا رہے تھے، یہ کہتی ہیں میں نے پھر عرض کیا یارسول اللہ آپ کے مسکرانے کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے پہلے کی طرح ہی جواب دیا۔ انہوں نے پھر آپ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ آپ میرے لئے بھی دعا کریں اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شامل کرے۔ آپ نے فرمایا تم پہلے لوگوں میں شامل ہوگی۔ اسکے بعد ان سے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا وہ جہاد کے لئے دریائی سفر میں جاتے ہوئے انہیں بھی ساتھ لے گئے، جب واپس لوٹنے لگے تو ان کے پاس خچر لایا گیا تاکہ یہ اس پر سوار ہو جائیں، لیکن یہ سوار ہوتے ہوئے نیچے گر گئیں، ان کی گردن ٹوٹ گئی اور ان کی وفات ہو گئی۔

(ابو داؤد باب فضل الغزو فی البحر)

فوائد:

ام حرام رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محرم عورتوں سے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آنے والے واقعات پر اللہ تعالیٰ نے مطلع فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم بھی دیا گیا کہ یہ جنگ دو مرتبہ ہوگی۔ آپ کو یہ بھی علم تھا کہ ام حرام پہلی جنگ میں شریک ہوں گی۔ آپ کو یہ علم بھی تھا کہ دوسری جنگ سے پہلے انکی وفات ہو جائے گی اس میں یہ شریک نہیں ہو سکیں گی۔ آپ کو یہ علم بھی تھا کہ میری امت بعد میں باقی رہے گی۔ آپ کو یہ علم بھی تھا کہ یہ دریائی سفر کر کے جہاد کریں گے۔ آپ کو یہ بھی پتہ تھا کہ یہ دشمن پر غالب آجائیں گے۔ ان فوائد کے ذکر کرنے کے بعد علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا "وقد وجد بحمد اللہ تعالیٰ کل ذالک" بحمد اللہ یہ تمام غیبی خبریں آپ کے معجزات وقوع پذیر ہوئے۔

تنبیہ:

اسی حدیث میں مسلم شریف میں حضرت ام حرام کے سوال پر کہ یارسول اللہ آپ

کیوں مسکرا رہے ہیں آپ نے فرمایا "ناس من امتی عرضوا علی غزاۃ فی سبیل اللہ" میری امت کے لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے مجھ پر پیش کئے گئے۔

مسلم شریف میں اور الفاظ مبارکہ یہ ہیں، "فرکبت ام حرام بنت ملحان البحر فی زمان معاویۃ فصرعت عن دابتھا حین خرجت من البحر فھلکت" ام حرام بنت ملحان دریائی سفر میں کشتی پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سوار ہوئیں اور اپنی سواری سے اس وقت گریں جب دریا عبور کر چکیں تو ھلاک ہو گئیں۔ ابو داؤد شریف میں "فلما رجع" کے الفاظ ہیں کہ لوٹتے ہوئے آپ اپنی سواری سے گریں۔

ان دونوں احادیث کا مطلب ایک ہی ہے کہ آپ جہاد سے واپس لوٹتے ہوئے جب دریا سے نکل چکیں تو اپنی سواری پر سوار ہوتے ہوئے گر کر فوت ہو گئیں۔

مسلم شریف کی حدیث سے یزید کے مدح خوان خارجیوں نے یہ دلیل پیش کی کہ ایک تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی امت کے لوگ غزوہ کرتے ہوئے دکھائے گئے۔

اس سے یہ واضح ہوا کہ اس جنگ میں شریک سب کے سب غازی فی سبیل اللہ تھے وہ بخشے ہوئے نیک لوگ ہیں۔ حدیث شریف میں دوسرے الفاظ کہ وہ جنگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی، اس میں یزید بھی شریک تھا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ یزید بھی نیک و مغفور ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی۔ اس باطل قول کا سارا تانا بانا اس پر ہے کہ یزید قسطنطنیہ کی جنگ میں شریک تھا اور وہ جنگ حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں ہوئی۔

حدیث شریف روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہے کہ قسطنطنیہ کی جنگ دو مرتبہ ہوئی۔ اسلئے کہ پہلی مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام حرام رضی اللہ عنہا کو کہا، تم ان لوگوں میں شامل ہوگی جو اس جہاد میں شریک ہوں گے۔ دوسری مرتبہ عرض کرنے پر آپ نے فرمایا کہ تم پہلے لوگوں میں ہوگی۔

پہلی مرتبہ جنگ کب ہوئی

قال اکثر اہل السیر و الاخبار ان ذالک کان فی خلافۃ عثمان، قولہ فی زمان معاویۃ معناہ فی زمان غزوہ فی البحر لا فی ایام خلافتہ (از نووی)

سیرت وتاریخ لکھنے والے اکثر حضرات کا یہی قول ہے کہ یہ جنگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہوئی۔ حضرت امیر معاویہ کے زمانہ سے مراد آپ کی خلافت کا زمانہ نہیں بلکہ آپ کی قیادت میں ہونے والے غزوہ کا زمانہ مراد ہے۔

ام حرام هی زوجة عبادة بن صامت ماتت غازیة مع زوجها بارض الروم و کان موتها فی خلافة عثمان (از اسماء الرجال لصاحب المشکوۃ)

ام حرام، عبادہ بن صامت کی زوجہ ہیں، روم کی سرزمین میں اپنے خاوند کے ساتھ غزوہ میں شریک تھیں، وہاں ہی انکی وفات ہوئی۔ اور انکی وفات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہوئی۔

سئل الکیا الهراسی الفقیه الشافعی عن یزید بن معاویة هل هو من الصحابة ام لا ؟ و هل یجوز لعنه ام لا ؟ فاجاب انه لم یکن من الصحابة لانه ولد فی ایام عثمان رضی الله عنه (حیواۃ الحیوان ج ۲ ص ۱۹۵)

الکیا ہراسی فقیہ شافعی المسلک رحمۃ اللہ علیہ سے یزید بن معاویہ کے متعلق سوال کیا گیا کہ وہ صحابی تھا یا نہیں، اس پر لعنت جائز ہے یا نہیں ؟ تو انہوں نے جواب دیا، وہ صحابی نہیں تھا کیونکہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں پیدا ہوا۔

جب پہلی جنگ ہوئی اس وقت یزید ایک یا دو سال کا ہے کیونکہ یزید کی پیدائش ۲۵ یا ۲۶ ھ کو ہوئی۔ اور ۲۷ ھجری میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحری فوج کے ذریعہ قبرص پر حملہ کیا ان کے ساتھ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور انکی بیوی ام حرام بنت ملحان بھی تھیں یہ انصاری خاتون اپنی سواری سے گر کر اللہ کو پیاری ہوئیں، اس واقعہ سے بہت پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا قبرص پر حملہ آور لشکر میں عبادہ کی بیوی بھی ہوگی۔ (تاریخ الخلفاء اردو ص ۱۸۳)

ابن خلدون کے ایک قول کے مطابق پہلی جنگ ۳۲ھ میں ہوئی گویا اس وقت یزید چھ سال کا ہوگا۔ دوسری جنگ ۵۲ھ میں ہوئی۔

و ذکر ان یزید بن معاویة غزا بلاد الروم حتیٰ بلغ قسطنطنیة و معه جماعة من سادات الصحابة منهم ابن عمر و ابن عباس و ابن الزبیر و ابو ایوب الانصاری کانت وفات ابی ایوب الانصاری هنالک قریباً من سور القسطنطنیة و قبره هناک تستقی به الروم اذا

تحصلوا و قال صاحب المرآة و الاصح ان یزید ابن معاویة غز القسطنطنیة فی سنة اثنین و خمسین (۵۲ ھ) (عمدة القاری ج ۶ ص ۶۴۹)

بیان کیا گیا ہے بیشک یزید بن معاویہ نے بلاد روم میں جہاد کیا یہاں تک کہ وہ قسطنطنیہ میں پہنچ گیا، ان کے ساتھ اکابر صحابہ کرام کی جماعت بھی تھی جن میں ابن عمر، ابن عباس، ابن زبیر اور ابو ایوب انصاری بھی تھے۔ حضرت ابو ایوب انصاری کی وفات قسطنطنیہ شہر کی دیوار کے قریب ہی ہوئی اور وہاں ہی ان کی قبر ہے۔ جس کے وسیلہ سے اھل روم قحط سالی میں بارش کے لئے دعا کرتے ہیں۔ صاحب مرآة نے کہا ہے صحیح یہ ہے کہ یزید ابن معاویہ نے یہ جنگ ۵۲ ھ میں کی۔

اب یہاں دو چیزیں زیر غور ہیں ایک یہ کہ یزید اس جنگ میں خوشی سے گیا یا جبراً بھیجا گیا، اور دوسری یہ کہ یزید کب گمراہ ہوا۔ ان دو کو سمجھنے کے بعد واضح ہو جائے گا کہ یزید کا مقام کیا ہے۔

یزید جہاد میں کیسے شریک ہوا

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب بلاد روم کی طرف لشکر کو جنگ میں بھیجا اور لشکر کا امیر سفیان بن عوف کو مقرر کیا۔

و امر ابنه یزید بالغزاة معهم فتثاقل و اعتل فامسک عنه ابوه فاصاب الناس فی غزاتهم جوع و مرض شدید فانشا یزید

ما ان ابالی بما لاقت جموعهم	بالفرقدونة من حمی و من حوم
اذا اتکات علی الاتماء مرتفعاً	بدیر مران عندی ام کلثوم

ام کلثوم امراة و هی ابنة عبد الله بن عامر فبلغ معاویة شعره فاقسم علیه لیلحقن بسفیان فی ارض الروم لیصیبه ما اصاب الناس (ابن اثیر ج ۲ ص ۱۹۷)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کو بھی جہاد میں شریک ہونے کا حکم دیا، اسے یہ حکم بہت بھاری محسوس ہوا وہ حیلے بہانے تراشنے لگا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے چھوڑ دیا۔ اس جنگ میں لوگ شدید مرض اور بھوک میں مبتلا ہو گئے، تو یزید نے خوشی سے یہ شعر پڑھے:

ترجمہ: مجھے کچھ پرواہ نہیں جو لشکر کو مقام فرقدونہ میں بخار اور مصائب کا سامنا کرنا

پڑ رہا ہے۔ میں تو مقام دیر مران میں بلند و بالا مقامات پر تکیہ لگا کر بیٹھا ہوا ہوں اور میرے پاس ام کلثوم موجود ہے۔ ام کلثوم عبداللہ بن عامر کی بیٹی اور یزید کی زوجہ ہے۔
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یزید کے ان شعروں کا علم ہوا تو آپ نے قسم اٹھائی کہ یزید ضرور میدان جنگ میں جائے گا اور سفیان بن عوف کو مل جائے گا تاکہ بلاد روم میں جو دوسرے لشکر کو مصائب و آلام کا سامنا ہے وہ یزید کو بھی سامنا کرنا پڑے۔
اب اس واقعہ کے بعد آپ اندازہ لگائیں کہ یزید کتنی خوشی سے جنگ میں شریک ہوا، اور جنگ میں لشکر کو مصائب و آلام پہنچنے پر یہ کتنا غمزدہ ہوا، جب اسے جبراً بھیجا گیا، اسے لشکر کی مصیبتوں کا کوئی غم نہیں ہوا تو یہ کس ثواب کا مستحق ہے۔
دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ جنگ ۵۲ھ میں ہوئی اس وقت اگر یہ مغفرت کا مستحق ہوا بھی ہے تو اب اسکی تعریف نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس کے مظالم ۶۰ھ میں ہوئے۔ بد بخت ہونے، گمراہ ہونے یا کسی کے مرتد ہونے کے بعد اسکے پہلے نیک اعمال کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ ابلیس کو کافر تو کہا جائے گا لیکن عبادت گذار اور اللہ تعالیٰ کے احکام کا فرمانبردار نہیں کہا جائے گا۔ حالانکہ کفر سے پہلے یہ عبادت گذار اور فرمانبردار تھا۔ اسی طرح بلعم بن باعور کے مرتد ہونے سے پہلے کی عبادت اور ولایت اس کے لئے نفع مند نہیں بلکہ اب اسے مرتد ہی کہا جائے گا۔
اسی طرح یزید بھی جب راہ راست سے بھٹک گیا تو اسکی پہلی عبادات جو قابل مغفرت تھیں ان کا لحاظ نہیں کیا جائیگا بلکہ اسکے مظالم اور ظاہری گناہوں کا لحاظ کیا جائے گا۔
یزید کی قسطنطنیہ میں شرکت کو بطور دلیل مھلب نے جب پیش کیا کہ وہ مغفرت کا مستحق ہے اور اسکی خلافت برحق ہے۔ تو اسکا رد ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ سے فرمایا،
ولا یلزم من دخوله فی ذالک العموم ان لا یخرج بدلیل خاص اذ لا خلاف ان قوله علیه السلام مغفور لهم مشروط بکونه من اهل المغفرة حتیٰ لو ارتد واحد ممن غزاها بعد ذالک لم یدخل فی ذالک العموم اتفاقاً قاله ابن المنیر (قسطلانی ج ۵ ص ۱۲۴)
یزید کے اس عمومی حکم میں داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کسی خاص دلیل

سے خارج نہیں ہو سکتا۔ بلا خلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قسطنطنیہ میں شرکاء کے لئے مغفرت کا ارشاد گرامی مشروط ہے کہ وہ اگر اہل مغفرت ہوا تو اسکی مغفرت ہو جائے گی، یہاں تک کہ العیاذ باللہ اگر اس جہاد میں شریک ہو کر کوئی شخص مرتد ہو جاتا تو بالاتفاق وہ اس عمومی حکم میں داخل نہیں ہوتا۔ ابن منیر کا یہی قول ہے۔ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس بحث سے واضح ہو گیا کہ یزید اگر اس وقت قابل مغفرت تھا تو پھر بھی بعد کے مظالم اور عبادات میں کوتاہیوں سے گمراہ اور فاسق و فاجر ہو گیا۔ نیز عمدۃ القاری میں بھی مہلب کے قول کو اسی دلیل سے رد کیا گیا ہے کہ یزید دلیل خاص سے عمومی حکم سے خارج ہے۔

یہ بھی خیال رہے کہ عمدۃ القاری میں اس قول کو بھی رد کیا گیا جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اکابر صحابہ کرام یزید کی قیادت میں جہاد میں شریک تھے۔

"قلت الاظہر ان ھؤلاء السادات من الصحابۃ کانوا مع سفیان ھذا ولم یکونوا مع یزید بن معاویۃ لانہ لم یکن اھلا بان یکونوا ھؤلاء السادات فی خدمتہ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۶۴۹)

(صاحب مرآۃ نے کہا) میں کہتا ہوں زیادہ واضح بات یہ ہے کہ یہ اکابر صحابہ کرام اس سفیان بن عوف کی قیادت میں جنگ میں شریک تھے، یزید بن معاویہ کی زیر قیادت نہیں تھے، کیونکہ وہ اس کے قابل ہی نہیں تھا کہ ایسے اکابر صحابہ کرام کو اسکی قیادت میں جہاد میں بھیجا جاتا۔

یزید فاسق تھا

ولما حدث فی یزید ما حدث من الفسق اختلف الصحابۃ فی شانہ (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۷۷) یزید میں جب فسق آگیا تو صحابہ کا اسکی خلافت کے معاملات میں اختلاف ہوا۔

بعض حضرات نے یزید کی بیعت کو توڑ دیا تھا

فمنھم من رای الخروج علیہ و نقض البیعۃ من اجل ذالک و منھم من اباہ لما فیہ من اثارۃ الفتنۃ و کثرۃ القتل مع العجز عن الوفاء بہ (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۷۷)

بعض حضرات نے یزید کے فاسق ہو جانے کی وجہ سے اسکی مخالفت کرنے اور بیعت

کو توڑ دینے کی رائے دی اور بعض نے کہا کہ ہمارے پاس طاقت تو ہے نہیں کہ ہم اس کا مقابلہ کریں اسلئے کہ اسکی مخالفت پر فتنہ اٹھے گا اور کثیر لوگ قتل ہو جائیں گے، اسلئے خاموشی اختیار کی جائے۔

یزید کے مظالم کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی

لا یزال امر ھذہ الامۃ قائما بالقسط حتیٰ یکون اول من یثلمه رجل من بنی امیۃ یقال له یزید (البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۲۳۱)

میری اس امت کے معاملات عدل و انصاف پر قائم رہیں گے یہاں تک پہلا شخص جو اسے (عدل وانصاف) کو تباہ کرے گا وہ بنی امیہ سے ہوگا، اسے یزید کہا جائے گا۔

یزید کے مظالم

وقد اخطا یزید خطأً فاحشاً فی قوله لمسلم بن عقبۃ ان یبیح المدینۃ ثلاثۃ ایام وھذا خطا کبیر فاحش مع ما انضم الیٰ ذالک من قتل خلق من الصحابۃ و ابناءھم وقد تقدم انه قتل الحسین و اصحابه علیٰ یدی عبید اللہ ابن زیاد وقد وقع فی ھذہ الایام الثلاثۃ من المفاسد العظیمۃ فی المدینۃ النبویۃ مالا یحد ولا یوصف مما لا یعلمه اللہ عزوجل (البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۲۲۲)

یزید کی بہت بڑی خطا تھی کہ اس نے مسلم بن عقبہ کو کہا تھا کہ مدینہ طیبہ کو (مظالم، قتل و غارت کے لئے) تین دنوں کے لئے مباح قرار دے دیا جائے۔ یہ اسکی بہت بڑی فحش غلطی تھی جس کی وجہ سے کثیر صحابہ کرام اور ان کی اولاد کو شہید کر دیا گیا۔ اس سے پہلے یہ عبید اللہ ابن زیاد کے ہاتھوں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو شہید کرانے کا ظلم بھی کر چکا تھا۔

اس ظالم نے مدینہ طیبہ کو تین دنوں کے لئے جو مباح قرار دیا تھا، اس دوران مدینہ طیبہ میں کتنے مظالم اور برائیوں کا ارتکاب ہوا ان کی حد اور صفت نہیں بیان کی جاسکتی اور انکی صحیح تعداد بھی اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ یعنی وہ مظالم بے حد اور ان گنت تھے۔

یزید کے متعلق نبی کریم کا ایک اور ارشاد گرامی

عن ابی سعید الخدری یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول یکون خلف من بعد ستین اضاعوا الصلوۃ واتبعوا الشھوات فسوف یلقون غیاً (البدایۃ والنھایۃ ج ۸ ص ۲۳۰)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ۶۰ھ کے بعد ایسے لوگ خلیفہ بن جائیں گے جو نمازوں کو ضائع کریں گے، خواہشات کی تابعداری کریں گے، وہ عنقریب (جہنم کی وادی) غی میں ڈال دیئے جائیں گے۔

وفی ھذا اشارۃ الیٰ ان اول الاغیلمۃ کان فی سنۃ ستین یزید و ھو کذالک فان یزید بن معاویۃ استخلف فیھا و بقی الیٰ سنۃ اربع و ستین فمات (فتح الباری ج ۱۳ ص ۷)

اس میں اشارہ ہے کہ پہلے پہلے ۶۰ھ میں چھوکروں کی حکومت جو قائم ہوئی وہ یزید ہی تھا کیونکہ یزید میں وہی اوصاف تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دئے تھے۔ بیشک یزید بن معاویہ ۶۰ھ میں خلیفہ بنا اور ۶۴ھ تک رہا پھر مر گیا۔

یزید کے ہاتھوں امت کی ہلاکت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ھلکۃ امتی علیٰ یدی غلمۃ من قریش (بخاری، مشکوۃ کتاب الفتن)

میری امت کی ہلاکت قریش کے لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی۔ خیال رہے لڑکوں سے مراد نابالغ بچے نہیں بلکہ بے عقل مراد ہیں۔

علیٰ یدی غلمۃ ای علیٰ ایدی شبان الذین ما وصلوا الیٰ مرتبۃ کمال العقل و احداث السن الذین لا مبالاۃ لھم باصحاب الوقار (مرقاۃ)

آپ کے قول "لڑکوں کے ہاتھوں" سے مراد نوجوان جو کامل عقل کے درجے پر نہ پہنچے ہوں اور نو عمر ہوں جن کو اصحاب وقار کی عزت کی کوئی پرواہ نہ ہو۔

خیال رہے کامل عقل چالیس پر ہوتی ہے۔ یزید کی عمر حاکم بننے کے وقت تینتیس سال تھی۔

لعلہ ارید بھم الذین کانوا بعد الخلفاء الراشدین مثل یزید و عبد الملک بن مروان

وغیرھما (مرقاۃ)
ہوسکتا ہے کہ خلفاء راشدین کے بعد کے لوگ مراد لئے گئے ہوں جیسے عبدالملک بن مروان اور یزید۔

عن ابی ھریرۃ رفعہ اعوذ باللہ من امارۃ الصبیان قالوا و ما امارۃ الصبیان قال ان اطعتموھم ھلکتم ای فی دینکم و ان عصیتموھم اھلکوکم ای فی دنیاکم بازھاق النفس او باذھاب المال او بھما (فتح الباری ج ۱۳ ص ۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے "میں اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں لڑکوں کی حکومت سے"۔ صحابہ کرام نے پوچھا لڑکوں کی حکومت کیسے ہوگی؟ آپ نے فرمایا اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو وہ تمہارے دین کو برباد کردیں گے اور اگر تم نے ان کی نافرمانی کی تو وہ تمہیں ہلاک کرکے یا مال برباد کرکے یا مال اور جان دونوں ہلاک کرکے تمہاری دنیا برباد کردیں گے۔

اسی مقام پر ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں تحریر فرمایا، قلت و قد یطلق الصبی و الغلیم بالتصغیر علی الضعیف العقل و التدبیر و الدین و لو کان محتلماً و ھو المراد ھنا۔

میں کہتا ہوں کبھی صبی اور غلام کی تصغیر ذکر کرکے مراد "ضعیف العقل اور ضعیف التدبیر اور ضعیف الدین" لیا جاتا ہے اگرچہ وہ بالغ بھی ہو، یہاں بھی یہی مراد ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ یزید بے عقل، بے تدبیر اور بے دین تھا، یعنی پختہ عقل نہ ہونے کی وجہ سے اور بے دین ہونے کی وجہ سے ظالم ہوا۔

حرف آخر

یزید کے متعلق راقم کا مسلک وہی ہے جو علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے مہلب کے قول کو رد کرتے ہوئے فرمایا، "قلت و ای منقبۃ کانت لیزید و حالہ مشہور" (عمدۃ القاری ج ۶ ص ۶۴۹) میں کہتا ہوں یزید نے کون سا کام قابل تعریف کیا ہے، اس کا حال مشہور و معروف ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ یزید کی تعریف کرنے والے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرنے والے دونوں بدبخت ہیں۔

یزید پر لعنت کا حکم

اگرچہ علامہ تفتازانی نے شرح عقائد میں بہت سختی کی ہے اور کہا ہے "لعنة الله عليه وعلىٰ انصاره واعوانه "یزید اور اسکے تمام مددگاروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔
قال السيوطى لعن الله قاتل الحسين وابن زياد ومعه ويزيد (حاشیہ نبراس ص ۵۵۴)
علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل اور ابن زیاد اور اسکا ساتھ دینے والے قاتلوں اور یزید پر۔
لیکن کچھ حضرات نے یزید پر شخصی لعنت سے اجتناب بھی کیا ہے۔ وبهذا ظهر ان استدلالهم على لعن يزيد بالنصوص العامة غير صحيح (نبراس ص ۵۵۵) صاحب نبراس نے اپنے دلائل ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یزید پر لعنت کرنے والے حضرات کے عام نصوص سے استدلالات درست نہیں۔

قول فیصل

سب سے بہتر ارشاد سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لعن یزید کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ فرمایا کہ شیخ موبموسفتہ محبت بنو فاطمہ ہیں۔ پس ان کو ایذا پہنچانے والے کے حق میں پورے طور پر مجوز لعنت ہیں۔ لیکن بعض اہل علم نے اس میں تامل کیا ہے اور کہا ہے کہ آخرت کا حال معلوم نہیں، ممکن ہے یزید نے توبہ کی ہو۔ علامہ تفتازانی نے اس کے رد میں خوب فرمایا ہے کہ قتل ذریت طیبہ اور انکی اہانت بطور یقین اور امر مشہور ہے اور توبہ امر محتمل پس احتمال وظن، یقین سے کیا نسبت رکھتے ہیں اور بہت سے دیگر محققین بھی لعن کا جواز ثابت کرتے ہیں۔ ہمارے مخلصوں میں سے ایک شخص کو دمشق کی سیر و سیاحت کا اتفاق ہوا ہے اس نے بیان کیا ہے کہ سارے شہر کی آلودگیاں اور خاکروبہ یزید کی قبر کے پاس ڈالتے ہیں۔ وہ جگہ آبادی سے بہت دور ہے، ہاں جواز اور لزوم میں فرق ہے۔ لعن کو عادت بنانا ضروری اور لازم نہیں۔ بہتر ہے کہ بحکم عام فرمودہ حق تعالیٰ "فلعنة الله على الظالمين" پر کفایت کی جائے۔ بجائے لعن کرنے کے اللہ اللہ کرنا اولین وآخرین کے حق میں بہتر کام ہے۔ (ملفوظات مہریہ۔ ملفوظ ۱۴۴ ص ۱۴۴)

بوڑھی عورتوں کا جہاد میں شریک ہونا جائز ہے

والعجائز یخرجن فی العسکر العظیم لاقامۃ عمل یلیق بھن کالطبخ والسقی والمداواۃ (ھدایۃ باب القتال)

جب لشکر بڑا ہو، غالب گمان ہو کہ مسلمانوں کو کافر نقصان نہیں پہنچا سکیں گے تو ایسی صورت میں بوڑھی عورتوں کا جہاد میں شریک ہونا جائز ہے، کیونکہ وہ جہاد میں شریک ہو کر وہ کام سرانجام دیں جو وہ کر سکیں جیسے کھانا پکانا، پانی پلانا اور علاج کرنا۔ یعنی ہر قسم کی خدمت گزاری جو وہ کر سکیں وہی کریں۔

عورتیں جہاد نہ کریں

جب تک کافروں کی بہت زیادہ یلغار نہ ہو جسکی مدافعت مردوں سے ممکن نہیں اس وقت تک عورتیں جنگ میں حصہ نہ لیں، اگر مدافعت ممکن نہیں تو پھر عورتیں بھی لڑیں۔

خدمت گزاری کے لئے شریک ہونے والی اپنے پاس اسلحہ رکھیں تاکہ اگر کوئی کافر ان پر حملہ کرنے کی کوشش کرے تو اسے سبق سکھا سکیں۔

ولا یباشرن القتال لانہ یستدل بہ علیٰ ضعف المسلمین الا عند ضرورۃ (ھدایۃ) عورتیں جنگ نہ کریں کیونکہ عورتوں کے جنگ کرنے سے مسلمان مردوں کی کمزوری ثابت ہو گی، کفار سمجھیں گے کہ ان کے مرد جنگ نہیں کر سکتے اسلئے عورتیں جنگ کر رہی ہیں۔ ہاں اگر بہت ہی ضرورت درپیش آجائے تو عورتیں بھی جنگ کر کے اسلامی ممالک کا دفاع کریں۔

عن انس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یغزو بام سلیم ونسوۃ من الانصار لیسقین الماء ویداوین الجرحیٰ (ابوداؤد باب فی النساء یغزون)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اور انصار کی عورتوں کو پانی پلانے کے لئے اور زخمیوں کے علاج کے لئے ساتھ لے جاتے۔

قال النووی ھذہ المداواۃ لمحارمھن وازواجھن وما کان منہا لغیرھم لا یکون فیہ

مس بشرۃ الالفی موضع الحاجۃ (عون المعبود)
نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا عورتیں اپنے محرم مردوں کا علاج کرتی تھیں اور دوسرے اجنبی مردوں کا علاج کرتے ہوئے بغیر ضرورت کے ان کے جسم کو ہاتھ نہیں لگاتی تھیں۔
البتہ ضرورت کے وقت معالج مرد عورت کے جسم کو اور علاج کرنے والی عورت مرد کے جسم کو ہاتھ لگا سکتی ہے۔

بغیر ضرورت بوڑھی عورتیں بھی نہ جائیں

ولا یستحب اخراجھن للمباضعۃ والخدمۃ فان کانوا لا بد مخرجین فبالاماء دون الحرائر (ھدایۃ)
آپریشن، علاج اور خدمت کے لئے بوڑھی عورتوں کو ساتھ لے جانا بہتر نہیں۔ اگر کوئی چارہ کار نہ ہو تو لونڈیوں کو ساتھ لے جائیں، آزاد عورتوں کو ساتھ نہ لے جائیں۔ یعنی اگر علاج کے لئے مرد میسر ہو سکیں تو بوڑھی عورتوں کو بھی ساتھ نہ لے جائیں کیونکہ ہمہ وقت انکے متعلق بھی خطرہ دامنگیر رہے گا کہ کہیں کفار ان پر غالب نہ آجائیں۔

جوان عورتوں کو جنگ میں ساتھ لے جانا منع ہے

فاما الثواب فمقامھن فی البیوت ادفع للفتنۃ (ھدایۃ) لیکن جوان عورتوں کا گھروں میں رہنا ہی بہتر ہے کیونکہ اس سے فتنہ دور رہے گا۔
میدان جنگ میں جوان عورتوں کا ساتھ ہونا پریشانی کے بغیر کچھ حاصل نہیں۔ عصمت دری کا فکر ہر وقت مسلمان مردوں کو پریشان کرتا رہے گا۔ جوان عورتوں کی شرکت سے مردوں کے حوصلے بلند ہونے کے بجائے پست ہوں گے۔

جہاد کرنے والے غازیوں کی عورتوں کی عزت

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حرمۃ نساء المجاھدین علی القاعدین کحرمۃ امھاتھم وما من رجل من القاعدین یخلف رجلا من المجاھدین فی اھلہ فیخونہ فیھم الا وقف لہ یوم القیامۃ فیاخذ من عملہ ما شاء فما ظنکم (مسلم ج ۲ باب حرمۃ نساء المجاہدین ص ۱۳۶)

مجاہدین کی عورتوں کی عزت پیچھے رہ جانے والوں پر ایسی ہی ہے جس طرح ان کی ماؤں کی عزت ہے۔ مجاہدین میں سے کسی نے اپنے اھل میں کسی کو پیچھے چھوڑا اور اس نے اس میں خیانت کی تو قیامت کے دن اس شخص کو اس کے سامنے کھڑا کر کے اختیار دیا جائے گا کہ تو اس کے اعمال سے جتنے عمل چاہے لے لے، تمہارا کیا گمان ہے۔

یعنی جس طرح انسان اپنی ماں کی عزت کا لحاظ کرتا ہے، حرام نگاہ نہیں اٹھاتا، حرام خلوت سے اجتناب کرتا ہے اسی طرح مجاہدین کی عورتوں کا بھی لحاظ کرے۔ اور جس طرح اپنی ماؤں سے اچھا سلوک کیا جاتا ہے اور انکی حاجات کو پورا کیا جاتا ہے اسی طرح مجاہدین کی عورتوں پر احسان کرے، اور انکی ہر قسم کی وہ حاجت پوری کرے جو حرام کاری اور شک سے خالی ہو۔

خیانت کرنے والوں کے اعمال میں سے جب غازی کو لینے کا اختیار دے دیا جائے گا تو اس شخص کے لئے وہ کتنا پریشان کن وقت ہوگا جبکہ وہ پہلے ہی اپنے نیک اعمال کا محتاج ہوگا کہ کاش مجھے کہیں سے نیکیاں مل جائیں تو جب اپنی بھی چلی جائیں گی تو حسرت کے بغیر کچھ حاصل نہ ہوگا، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے؟ (کہ وہ کیسا وقت ہوگا)

جہاد میں شریک عورتوں کو مال غنیمت سے کچھ دیا جائے گا

و اما بسھم فلم یضرب لھن (مسلم ج ۲ باب النساء الغازیات ص ۱۱۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں شریک عورتوں کا حصہ مقرر نہیں فرماتے تھے۔

یعنی جس طرح مردوں کے حصوں کی تقسیم ہوتی اور ان کے حصے مقرر ہوتے اس طرح عورتوں کو حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔ وجہ واضح ہے کہ عورتوں سے جہاد نہیں کرایا جاتا تھا بلکہ صرف خدمت گذاری کے لئے ساتھ لے جایا جاتا تھا اسلئے جہاد والوں کی طرح حصہ بھی نہیں دیا جاتا۔

ان المراۃ تستحق الرضخ (نووی) بیشک عورت کچھ نہ کچھ مال کی حقدار سمجھی جاتی، خلیفہ وقت مناسب مقدار میں مالی معاونت کرے تاکہ ان کی دلجوئی ہو سکے اور انکی خدمت کا

مناسب مقدار میں صلہ دیا جاسکے۔ اسلام نے عورت کا ہر مقام پر عظیم لحاظ کیا ہے۔

اسلام نے کافر عورتوں کا بھی لحاظ رکھا

عن عبد الله ان امراة وجدت فی بعض مغازی رسول الله صلی الله علیه وسلم مقتولة فانکر رسول الله صلی الله علیه وسلم قتل النساء والصبیان (مسلم ج ۲ باب تحریم قتل النساء والصبیان ص ۹۲)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بیشک ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں قتل شدہ پائی گئی تو آپ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع کیا۔

ان کان احد هؤلاء ممن له رای فی الحرب او تکون المراة ملکة (از ھدایہ) ہاں اگر ان میں سے کوئی جنگ میں رائے دینے والا ہو یا عورت ملکہ ہو تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔
اسی طرح کافر اگر اپنے آگے بچوں اور عورتوں کو اس خیال سے کریں کہ ان کے نہ قتل کرنے کی وجہ سے ہم بچ جائیں گے اور مسلمانوں پر حملہ کر سکیں گے تو ایسی صورت میں بھی کافروں کی عورتوں اور بچوں کو قتل کر دیا جائے گا۔

ایک عورت کی بے مثال حیا اور صبر

حضرت شماس بیان کرتے ہیں، جاءت امراة الی النبی صلی الله علیه وسلم یقال لها ام خلاد وهی منقبة تسال عن ابنها وهو مقتول فقال لها بعض اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم جئت تسالین عن ابنک وانت منقبة فقالت ان ارزا ابنی فلن ارزا حیائی، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ابنک له اجر شهیدین قالت ولم ذاک یا رسول الله قال لانه قتله اهل الکتاب (ابو داؤد باب فضل قتال الروم)
ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نقاب اوڑھے حاضر ہوئی جسے ام خلاد کہا جاتا تھا، وہ اپنے شہید بیٹے کے متعلق سوال کر رہی تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے کسی نے اسے کہا، تو اپنے شہید بیٹے کے متعلق سوال کر رہی ہے اور نقاب بھی اوڑھے ہوئے ہے، اس نے کہا اگر میرا بیٹا شہید ہو گیا ہے تو میری حیاء تو ختم نہیں ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بتایا تیرے بیٹے کو دو شہیدوں کا ثواب حاصل ہے۔ اس نے پوچھا یا رسول اللہ یہ کیسے؟ تو آپ نے فرمایا،

اسے اھل کتاب نے شہید کیا ہے۔

فوائد حدیث:

نقاب اوڑھنا سنت صحابیات ہے۔ کسی کی وفات یا شہادت پر صبر کرنا چاہیئے۔ صحابی کا سوال تعجب کے پیش نظر تھا کہ تیرا بیٹا شہید ہو چکا ہے اسکے درجات کے متعلق تو سوال کر رہی ہے، تو جزع وفزع نہیں کر رہی جس طرح اور عورتیں دوپٹہ اتار لیتی ہیں بال کھول لیتی ہیں۔ صحابیہ کا شاندار جواب تھا کہ بیٹے کے دنیا سے جانے پر حیا اور شرم تو نہیں چلے گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے مدارج کا علم ہوتا ہے۔

عورت کو روزہ میں رعایات

روزہ کی حالت میں طعام کا چبانا اور نہ نگلنا مکروہ ہے۔ لیکن عورت کے لئے عذر میں چبانا بغیر کراھیت کے جائز ہے۔

و لا باس اذا لم تجد منه بد صیانة للولد (هدایة) عورت کے لئے طعام کا چبانا جائز ہے جبکہ وہ کوئی چارہ کار نہ پائے کیونکہ بچے کو بچانا مقصود ہے۔

یعنی عورت کا بچہ چھوٹا ہے اسے کھلانے کے لئے کوئی اور چیز میسر نہیں سوائے روٹی وغیرہ کے اور وہ طعام بچہ اس وقت تک نہیں نگل سکتا جب تک اسے چبا کر نہ کھلایا جائے تو ایسی صورت میں بچے کو طعام چبا کر عورت کھلا سکتی ہے، اسکے روزہ میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

اگر بچے کو کھلانے پلانے کے لئے کوئی اور چیز ہو، یا بچہ خود چبانے کی صلاحیت رکھتا ہو تو ایسی صورت میں عورت کے لئے بھی روزہ کی حالت میں طعام چبانا مکروہ ہوگا۔

و الحامل و المرضع اذا خافتا علیٰ انفسهما او ولدیهما افطرتا و قضتا دفعاً للحرج و لا کفارة علیهما (هدایة)

حاملہ عورت یا بچے کو دودھ پلانے والی اگر اپنی ذات پر یا بچہ پر خوف رکھیں تو روزہ افطار کرلیں اور بعد میں قضا کرلیں، ان پر کوئی کفارہ لازم نہیں کیونکہ ان کا افطار حرج کو دور کرنے کے لئے تھا۔

یعنی حاملہ اور دودھ پلانے والی کو روزہ کی وجہ سے اپنی جان کی فکر لاحق ہو گئی، موت کا خطرہ واقع ہو یا مریض ہو جانے کا یا مرض کے بڑھ جانے کا۔ اسی طرح بچہ کے پیٹ میں مرجانے کا یا روزہ رکھنے پر اتنا دودھ نہ ہو سکے گا جو بچہ کو کفایت کر سکے اور بچہ کے لئے کوئی اور چیز بھی نہیں تو ان صورتوں میں عورت روزہ نہ رکھے بعد میں قضا کرے۔ بلکہ روزہ رکھا ہوا بھی افطار کر سکتی ہے صرف اس پر قضا لازم ہے کفارہ نہیں۔

ویکرہ للصائم ذوق شئی بلاعذر فان کانت ھناک ضرورۃ یجوز کما اذا کان زوجہا سی الخلق فیجوزلھا الذوق (از عمدۃ الرعایۃ)

بغیر عذر کے روزہ دار کو کسی چیز کا چکھنا مکروہ ہے ہاں اگر ضرورتاً ہو تو جائز ہے، جس طرح عورت کا خاوند اگر بداخلاق، بدمزاج ہو تو عورت کے لئے چکھنا جائز ہے۔

یعنی عورت کا خاوند اپنی بدخلقی کی وجہ سے سالن میں نمک، مرچ کم یا زیادہ ہونے پر اپنی زوجہ کو گالی دیتا ہو، مارتا پیٹتا ہو تو اس عورت کے لئے جائز ہے کوئی مکروہ نہیں کہ وہ سالن وغیرہ کو چکھ لے اور تھوک دے، حلق سے نیچے نہ جانے دے۔

ولو قبل او لمس ان انزل قضی والا فلا (شرح وقایہ)

بوس و کنار اپنی زوجہ سے روزہ کی حالت میں جائز ہے، شرط یہ ہے کہ انزال نہ ہونے پائے، اگر انزال ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا، جس کی قضا لازم ہو گی لیکن کفارہ لازم نہیں۔ (انزال سے مراد منی کا نکلنا ہے)

والقبلۃ الفاحشۃ بان یمضغ شفتیہا تکرہ علی الاطلاق ای سواء امن اولا (شامی)

اپنی زوجہ کا بوسہ روزہ کی حالت میں اس طرح لینا کہ اس کے ہونٹوں کو بھی ساتھ چبایا جائے یہ ہر حال میں مکروہ ہے خواہ اسے انزال ہونے کا خطرہ ہے یا نہیں۔

لزمہ القضاء والکفارۃ بابتلاع بزاق زوجتہ (نورالایضاح)

روزہ کی حالت میں اپنی زوجہ کا بوسہ اس انداز پر لے کہ اس کی زبان کو منہ میں لے جس سے زوجہ کی لعاب اس کے منہ میں جائے یا اس کی لعاب زوجہ کے منہ میں جائے تو جس نے بھی لعاب کو نگلا اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا جسکی قضاء لازم ہو گی اور کفارہ بھی لازم ہو گا۔

عورت کا تعلیم حاصل کرنا

ہر مرد اور عورت کو چاہیئے کہ وہ علم دین حاصل کریں۔ اس میں ارشادات مطلق ہیں مرد اور عورت کی کوئی قید نہیں۔ ہر ایک کو علم حاصل کرنے میں ایک جیسا حق حاصل ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین و انما انا قاسم و اللہ یعطی (بخاری، مسلم، مشکوۃ کتاب العلم ص ۳۲)

اللہ تعالیٰ جس پر بھلائی کرنے کا ارادہ فرماتا ہے، اسے علم دین عطا فرما دیتا ہے۔ بے شک میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے۔

حدیث پاک میں مرد عورت کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ حکم مطلق ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح علم کی دولت تقسیم کرنے والے ہیں اسی طرح جمیع انعامات وخیرات اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے اور ان انعامات کے تقسیم کرنے والے آپ ہی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اذا مات الانسان انقطع عنہ عملہ الا من ثلثۃ الا من صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعو لہ (مسلم، مشکوۃ کتاب العلم)

انسان جب فوت ہو جاتا ہے اسکے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں سوائے تین شخصوں کے، جس نے صدقہ جاریہ کیا ہو اور علم جس سے نفع حاصل کیا جا رہا ہو اور نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی رہے۔

یہ تینوں مرد اور عورت میں مشترک ہیں۔ صدقہ جاریہ جیسے مسجد بنوا دی، مسافروں کے لئے سرائے بنا دی، لوگوں کے پینے کے لئے کنواں کھدوا دیا، تالاب بنوا دیا وغیرہ یہ کام مرد کرے یا عورت کرے ہر ایک اس ثواب کا مستحق ہے۔ علم دین حاصل کیا اور آگے بڑھایا یہ سلسلہ جاری ہے اس کے ثواب میں مرد اور عورت برابر کے شریک ہیں۔ مرد علم حاصل کرے یا عورت اور آگے دوسروں کو پڑھائیں۔

اسی طرح نیک اولاد سے ماں اور باپ دونوں کے اعمال میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ اسی

طرح اولاد بھی عام ہے خواہ مذکر ہو یا مؤنث یعنی نیک بچہ ہو یا نیک بچی ہو۔ کیونکہ لفظ "ولد" مذکر اور مؤنث میں مشترک ہے۔ کئی جگہ نکاح کے فارم پر کرتے وقت لوگ ہمیں سبق دیتے ہیں جب لڑکی کا نام لکھ کر ولد فلاں ہم لکھتے ہیں تو کہتے ہیں یہاں دختر لکھو جی یہ مؤنث ہے۔ انہیں معلوم ہی نہیں ہوتا کہ دختر تو فارسی لفظ ہے اور ولد عربی لفظ ہے جو مذکر اور مؤنث دونوں پر بولا جاتا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خیرکم من تعلم القرآن وعلمه (بخاری، مشکوۃ باب فضائل القرآن ص ۱۸۳) تم میں سے بہتر وہ ہے جس نے قرآن پڑھا اور پڑھایا۔

علم کے فضائل میں کثیر احادیث ہیں کسی میں یہ تخصیص نہیں کہ علم صرف مرد ہی حاصل کریں۔ مرد اور عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ علم دین حاصل کریں، جو اخروی فوائد کا ذریعہ ہے۔

دنیاوی علوم حاصل کرنے دنیا کے لئے ہیں لیکن دینی علم حاصل کرنا آخرت کے لئے بھی ہے۔ خیال رہے کہ علوم تمام ہی علوم ہیں۔ تعلیم کا حصول برا نہیں، انداز تعلیم برا ہے۔ مخلوط تعلیم، کالجوں میں موسیقی اور کھیلوں پر بچیوں کو لگائے رکھنا اور پردہ کا انتظام نہ ہونا اگر یہ بے اعتدالیاں نہ ہوں تو تعلیم پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے علماء کرام نے اپنے محدود وسائل کے ہونے کے باوجود لڑکیوں کے لئے دینی تعلیم کے انتظامات کر رکھے ہیں۔ پاکستان میں مختلف شہروں میں لڑکیوں کے حفظ اور دینی تعلیم کے ادارے قائم ہو چکے ہیں۔ اگرچہ یہود و نصاریٰ اور ان کے ہمنوا دینی تعلیم کو ختم کرنے کے لئے سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں لیکن انشاء اللہ ان احمقوں کا یہ خواب شرمندہ، تعبیر نہیں ہوگا۔ انگریز کے دور حکومت میں دینی تعلیم کو ختم نہیں کیا جاسکا تو اسلامی حکومت میں انشاء اللہ یہ کبھی نہیں ہو سکے گا۔

میرے رفیق خاص رئیس المتقین حضرت علامہ ابو الفضل مولانا اللہ دتہ سیالوی صاحب نے بھابڑا ضلع سرگودھا میں ایک مدرسہ قائم رکھا ہے۔ آپ کی بچی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حافظہ ہے۔ جس نے بہت محنت سے قصبہ کی کئی لڑکیوں کو حافظ بنا دیا ہے۔

استاذی المکرم رئیس المحققین حضرت علامہ مفتی محمد حسین نعیمی دامت برکاتہم العالیہ نے بھی لڑکیوں کا لاہور میں مدرسہ قائم کر رکھا ہے جو بفضلہ تعالیٰ بڑی کامیابی سے جاری وساری ہے۔

رئیس الاتقیاء استاذ العلماء حضرت علامہ حسین الدین شاہ صاحب مدظلہ العالی نے راولپنڈی میں لڑکوں کے مدرسہ کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کا مدرسہ بھی قائم کر رکھا ہے، جس میں حفظ قرآن اور دینی کتب کی تعلیم جاری ہے۔اللہ تعالیٰ علماء کرام کو نیک کام کرنے کی دائمی توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

اعتراض:

لڑکیوں کو لکھنے کی تعلیم دینا تو حدیث پاک سے ناجائز ثابت ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لا تسکنوا نساءکم الغرف و لا تعلموھن الکتابۃ (ترمذی) عورتوں کو بالاخانہ میں نہ ٹھہراؤ اور ان کو کتابت نہ سکھاؤ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مر لقمان علیٰ جاریۃ فی الکتاب فقال لمن یصقل ھذا السیف ای حتیٰ یذبح بہ (ترمذی)

لقمان نے گزرتے ہوئے ایک لڑکی کو لکھتے ہوئے پایا تو کہنے لگے، یہ تلوار کیوں نکل کی جا رہی ہے یعنی اس کا زنگ اتار کر کیوں اسے چمکایا جارہا ہے کہ خود اسی سے ذبح ہو جائے۔ان احادیث سے پتہ چلا کہ عورت کا لکھنا اور لکھنے کا علم حاصل کرنا منع ہے۔

جواب:

دوسری احادیث میں کتابت کا جواز بھی ملتا ہے، حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان من حق الولد علیٰ والدہ ان یعلمہ الکتاب ای الکتابۃ و ان یحسن اسمہ و ان یزوجہ اذا بلغ" بے شک اولاد کا باپ پر یہ حق ہے کہ اسے لکھنا سکھائے اور اس کا اچھا نام رکھے اور اس کے بالغ ہونے پر نکاح کرے۔

عن بنت عبد اللہ قالت عبد اللہ دخل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و انا عند حفصۃ

فقال لی علمیها رقیة النملة کما علمتها الکتابة (ابو داؤد، شفاء شریف)
حضرت عبداللہ (بن عمر رضی اللہ عنہ) کی بیٹی کہتی ہیں کہ عبداللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا (یعنی اپنی پھوپھی) کے پاس موجود تھی۔ حضرت عبداللہ نے کہا مجھے چیونٹیوں کا دم پڑھا دو جیسے تم نے اسے کتابت سکھائی۔

وھذا یدل علیٰ جواز تعلیمھن الکتابة۔ اس سے پتہ چلا کہ عورتوں کو لکھنا سکھانا جائز ہے۔

وانما غایة الامر فیه ان النھی عنه تنزیھا لما تقرر من المفاسد المترتبة علیه (فتاوی حدیثیہ ص ۶۲)

عورتوں کے لکھنے کے مسئلے میں زیادہ سے زیادہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر لکھنے کی تعلیم میں مفاسد مرتب ہوں تو منع کیا جائے۔ یہ بھی زیادہ سے زیادہ تنزیہی درجہ میں ثابت ہے حرام نہیں۔ لیکن مفاسد نہ ہوں بلکہ حصول تعلیم میں زیادہ معاون ہو تو یقیناً جائز ہے۔ اب موجودہ دور میں جب دنیاوی تعلیم عام ہے تو دینی تعلیم کے لئے بھی کتابت کا حصول ضروری ہو چکا ہے تاکہ فقط دنیاوی تعلیم حاصل کرنے والی عورتیں دینی تعلیم کے حاصل کرنے والی عورتوں پر برتری نہ حاصل کر سکیں۔

عورت اپنے نکاح میں بزرگوں سے مشورہ کرے

فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو پہلے خاوند ابو عمرو بن حفص نے طلاق دے دی، جب انہوں نے عدت گذار لی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا

"ان معاویة بن سفیان و اباجھم خطبانی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اما ابو جھم فلا یضع عصاہ عن عاتقه و اما معاویة فصعلوک لا مال له ولکن انکحی اسامة بن زید فکرھته ثم قال انکحی اسامة بن زید فنکحته فجعل اللہ فیه خیراً و اغتبطت به (نسائی باب اذا استشارت المراۃ رجلا، ج ۲ ص ۶۱) کہ بے شک مجھے معاویہ بن سفیان اور ابو جہم نے پیغام نکاح دیا (میں کس سے نکاح کروں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو جہم تو اپنا عصا اپنے کندھے سے نہیں اتارتا اور معاویہ غریب انسان ہے اس کے پاس کوئی مال نہیں۔ تم اسامہ بن زید سے نکاح کر لو (یہ کہتی ہیں)

میں نے ان سے نکاح کرنا پسند نہ کیا، آپ نے پھر فرمایا اسامہ بن زید سے نکاح کر لو تو میں نے ان سے نکاح کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں اتنی برکت عطا فرمائی کہ مجھ پر رشک کیا جانے لگا۔

وضاحت حدیث:

جب نکاح کے لئے مختلف اطراف سے پیغام ملیں تو بزرگوں سے مشورہ کر لیا جائے کہ کون سا شخص بہتر ہے جس سے نکاح کیا جائے۔
مشورہ دینے والا ان میں سے اگر کوئی بہتر پائے تو اس کے متعلق مشورہ دے دے ورنہ تیسرے شخص کے متعلق مشورہ دے کہ میرے خیال میں ان تمام سے فلاں بہتر ہے۔
جب تک کسی ایک سے بات طے نہ ہو جائے اس وقت تک کئی آدمی رشتہ پوچھ سکتے ہیں، جب کسی سے بات طے ہو جائے تو دوسرے کا پوچھنا ناجائز ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لایخطب احد کم علیٰ خطبة بعض (نسائی باب النھی ان یخطب الرجل علی خطبۃ اخیہ)
تم میں سے کوئی شخص دوسرے کے پیغام نکاح (طے ہو جانے) کے بعد نکاح کا پیغام نہ دے۔
مشورہ دیتے وقت، فتویٰ دیتے وقت، فتویٰ پوچھتے وقت کسی کے عیب بیان کرنا غیبت نہیں بلکہ "المستشار مؤتمن" جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہوتا ہے۔ اسے چاہیے کہ بہتر مشورہ دے، ورنہ امانت میں خیانت کرنے کے مترادف ہوگا۔
بزرگوں کے مشورہ میں برکت ہوتی ہے۔ جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ پر باوجود ناپسند کرنے کے اللہ تعالیٰ نے نکاح میں اتنی برکت عطا فرمائی کہ دوسری عورتیں اس پر رشک کرنے لگیں کاش کہ ہمارا نکاح اسامہ بن زید سے ہوتا تو کتنا بہتر ہوتا۔
ابو جہم اپنا عصا کندھے سے نہیں اتارتا۔ اس کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ سفر میں زیادہ رہتا ہے، جس سے حقوق زوجیت ادا نہیں کر پائے گا۔
اس معنی کے لحاظ سے تبلیغی حضرات کے سال سال اور کئی کئی مہینے کیلئے بستر ے اٹھا کے مختلف ممالک کی سیر کرتے رہنا کہاں تک درست ہوگا؟
دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ اکثر اوقات عورتوں پر ظلم کرتا ہے، مار کٹائی سے کام لیتا ہے،

اس لئے وہ اس قابل نہیں کہ اس سے نکاح کیا جائے۔
اس معنی کو ہی زیادہ طور پر شارحین نے پسند کیا ہے۔اس معنی سے واضح ہوا کہ خاوند کے ظلم مار کٹائی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا، ایسے شخص سے نکاح نہ کرنے کا مشورہ دیا۔
معاویہ بن سفیان کے متعلق فرمایا کہ وہ غریب ہے اس کے پاس مال نہیں۔اس سے واضح ہوا کہ جب کسی شخص کے پاس اتنا مال بھی نہ ہو جس سے وہ مہر اور نفقہ ادا کر سکے تو اسکے ساتھ نکاح نہ کرنے کا مشورہ دینا بہتر ہے۔

نیک مرد پر عورت کا اپنے آپ کو پیش کرنا سنت ہے

عن انس ان امراۃ عرضت نفسہا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فضحکت ابنۃ انس فقالت ما کان اقل حیائہا فقال انس ھی خیر منک عرضت نفسہا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم (نسائی ج ۲ ص ۶۲ باب عرض المراۃ نفسہا علی من ترضی)
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بے شک ایک عورت نے اپنے آپ کو نکاح کے لئے خود ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا۔تو حضرت انس کی بیٹی اس پر ہنسنے لگی کہ یہ عورت کتنی کم حیاء والی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا یہ تم سے بہتر ہے کہ اس نے اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا ہے۔
حدیث پاک سے واضح ہوا کہ کسی کو نیک سمجھ کر عورت پسند کرے اور اپنے نکاح کا خود ہی اسے پیغام دے تو یہ سنت صحابیہ ہے۔اس میں بے حیائی نہیں بلکہ یہ بہتر پسند ہے۔

نکاح کے لئے عورت یا اس کے والدین استخارہ کریں

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب حضرت زینب بنت جحش کی عدت ختم ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کو کہا کہ اسے میری طرف سے پیغام نکاح دے دو۔ حضرت زید کہتے ہیں میں چلا اور زینب کو جا کر کہا تم خوش ہو جاؤ، مجھے تمہارے طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے جو تمہیں یاد کر رہے ہیں یعنی پیغام نکاح دے رہے ہیں۔ فقالت ما انا بصانعۃ شیئاً حتیٰ استامر ربی فقامت

الیٰ مسجد ھا (نسائی ج ۲ ص ۶۲ باب صلوۃ المراۃ اذا خطبت واستخار تمار بھا) تو انہوں نے کہا کہ میں اس معاملہ میں خود اس وقت تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی یہاں تک کہ میں اپنے رب تعالیٰ سے فیصلہ طلب کر لوں، پھر وہ اپنے نماز پڑھنے کے مقام پر جا کھڑی ہوئیں۔

یعنی نکاح سے پہلے عورت نوافل ادا کر کے استخارہ کر لے، یہ اسکے لئے بہتر ہے۔

استخارہ کیسے کرے

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تمام امور میں استخارہ کرنا ایسے سکھاتے تھے جس طرح قرآن پاک کی سورۃ سکھاتے۔ فرماتے تھے کہ تم میں سے جب بھی کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو دو رکعتیں نوافل ادا کرے، پھر یہ دعا پڑھے:

اللھم انی استخیرک بعلمک و استعینک بقدرتک و اسالک من فضلک العظیم فانک تقدر و لا اقدر و تعلم و لا اعلم و انت علام الغیوب اللھم ان کنت تعلم ان ھذا الامر خیر لی فی دینی و معاشی و عاقبۃ امری او قال فی عاجل امری و آجلہ فاقدرہ لی و یسرہ لی ثم بارک لی فیہ و ان کنت تعلم ان ھذا الامر شر لی فی دینی و معاشی و عاقبۃ امری او قال فی عاجل امری و آجلہ فاصرفہ عنی و اقدر لی الخیر حیث کان ثم ارضنی بہ (نسائی ج ۲ ص ۶۲)

پھر آپ نے فرمایا اپنی حاجت اور اپنے کام کو ذہن میں رکھے۔ یعنی جس کام کے لئے استخارہ کر رہا ہے وہ ذہن میں رکھے۔ استخارہ کے بعد اگر دل اس کام کرنے کی طرف راغب ہو رہا ہو تو وہ کام کرے یہ اس کے لئے بہتر ہے اور اگر دل اس کام کی طرف رغبت نہیں کر رہا تو وہ کام نہ کرے، یہ اس کے حق میں بہتر نہیں۔

استخارہ کے نوافل کی نیت عام نوافل کی طرح ہی ہو گی۔ اسی طرح ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد کوئی بھی سورۃ ملا لے تو درست ہے۔ تاہم اگر پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری میں سورہ اخلاص پڑھ لے تو زیادہ مناسب ہے۔

تنبیہ:

دعا میں الفاظ "او قال" دونوں جگہ نہیں پڑھنے، یہ راوی کو شک تھا کہ آپ نے "وعاقبۃ

امری" ذکر فرمایا یا کہ "فی عاجل امری و آجلہ" ذکر فرمایا۔ اسلئے بہتر یہ ہے کہ صرف "او قال" کے لفظ دونوں جگہ چھوڑ دے باقی تمام دعا پڑھ لے۔

بالغ لڑکی خود مختار ہے

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لاتنکح الثیب حتیٰ تستاذن و لاتنکح البکر حتیٰ تستامر قالوا یارسول اللہ کیف اذنہا قال اذنہا ان تسکت (نسائی ج ۲ ص ۶۴)

ثیبہ (بالغہ) کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے یہاں تک کہ اس سے اجازت طلب کرلی جائے۔ اور باکرہ (یعنی بالغہ) کا نکاح اس سے اس کے معاملات طلب کرنے کے بغیر نہ کیا جائے (یعنی اس سے بھی اجازت طلب کی جائے)۔ صحابہ کرام نے عرض کیا اس کی طرف سے اجازت کیسے ہوگی۔ آپ نے فرمایا، اس کا خاموش رہنا بھی اسکی طرف سے اجازت ہے۔

یعنی اس کا خاموش رہنا اور اسی طرح اسکا مسکرانا یا رونا اجازت ہی متصور ہوں گے، اگر اسے یہ نکاح منظور نہیں تو اسے صراحتاً انکار کر دینا چاہیئے۔

باپ اپنی بالغہ لڑکی کا نکاح جبراً نہ کرے

عن خنساء بنت خذام ان اباھا زوجھا و ھی ثیب فکرھت ذلک فاتت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرد نکاحہ (نسائی ج ۲ ص ۶۴)

خنساء بنت خذام سے مروی ہے کہ بیشک اس کے باپ نے اس کا نکاح کر دیا وہ ثیبہ (بالغہ) تھی، اس نے نکاح کو ناپسند کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی تو آپ نے اسکے باپ کے کیئے ہوئے نکاح کو توڑ دیا۔

یعنی بالغہ عورت سے اجازت کے بغیر نکاح کرنا اور اس کا رد کر دینا کہ مجھے یہ پسند نہیں یا پہلے ہی اس نے انکار کر دیا ہو پھر جبراً نکاح کر دیا ہو، یہ نکاح در حقیقت درست ہی نہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کو توڑنے کا مطلب یہی ہے کہ یہ نکاح ہوا ہی نہیں۔

عن عائشۃ ان فتاۃ دخلت علیہا فقالت ان ابی زوجنی ابن اخیہ لیرفع بی خسیستہ و انا

كارهة فقالت اجلسي حتىٰ ياتي النبي صلى الله عليه وسلم فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فاخبرته فارسل الىٰ ابيها فدعاه فجعل الامر اليها فقالت يا رسول الله قد اجزت ما صنع ابي ولكن اردت ان اعلم اَللنساء من الامر شئی (نسائی ج ۲ ص ۶۴)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ بیشک ایک جوان لڑکی ان کے پاس حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ میرے باپ نے میرا نکاح اپنے بھائی کے بیٹے سے کر دیا ہے تاکہ وہ میرے ذریعے اسکی خساست کو دور کر دے حالانکہ میں یہ نکاح ناپسند کرتی ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے کہا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے تک بیٹھ جا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، اس نے آپ کو بتایا تو آپ نے اسکے باپ کی طرف پیغام بھیج کر اسے بلایا (اس کے آنے پر) معاملہ لڑکی کے سپرد کر دیا تو اس نے کہا، یارسول اللہ جو میرے باپ نے کیا ہے میں اسکی اجازت دے رہی ہوں، لیکن میں صرف یہ جاننا چاہتی تھی کہ کیا عورتوں کا بھی اس معاملہ میں کوئی حق ہے۔

وضاحت حدیث:

"لیرفع بی خسیسته" کا مطلب یہ ہے کہ میرے باپ کے بھائی کا بیٹا خسیس یعنی گھٹیا ہے جسے کوئی پسند نہیں کرتا۔ میرا نکاح اس سے کر کے میرے باپ نے اسے عزت دینی چاہی کہ وہ اپنے گھٹیا پن سے نکل جائے۔

"وانا کارھة" حالانکہ میں اس نکاح کو ناپسند کرتی ہوں۔ لڑکی چونکہ بالغہ تھی اور نکاح اسکی اجازت کے بغیر ہو گیا تھا اسلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار دے دیا تھا کہ اگر تو چاہتی ہے تو نکاح کو برقرار رکھ اور اگر تو چاہتی ہے تو نکاح کو توڑ دے۔

واضح ہوا کہ بالغہ لڑکی کی اجازت کے بغیر کیا ہوا نکاح اسکی اجازت پر موقوف ہو جاتا ہے وہ چاہے تو برقرار رکھے یا توڑ دے۔ ہاں البتہ اجازت طلب کرنے پر اس کے خاموش رہنے پر نکاح ہو جائے گا، اب اسے توڑنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

کثرت اولاد کو نبی کریم علیہ السلام نے پسند فرمایا

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی الہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ میں نے ایک، عورت کو پایا ہے

جو اچھے نسب اور قدر و منزلت والی ہے لیکن اسکی اولاد نہیں ہوتی کیا میں اس سے شادی کرلوں ؟آپ نے منع فرمایا۔ وہ دوبارہ حاضر ہوئے (اور اجازت طلب کی) آپ نے منع فرمایا۔ تیسری مرتبہ پھر حاضر ہوئے (پھر اجازت طلب کی) آپ نے منع فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا،

"تزوجوا الولود الودود فانی مکاثر بکم" زیادہ بچے جننے والی اور زیادہ محبت کرنے والی سے نکاح کرو بیشک تمہاری کثرت کی وجہ سے ہی مجھے فخر ہوگا۔

یعنی جس خاندان کی عورتوں کی زیادہ اولاد ہوتی ہو اس خاندان سے شادی کی جائے، اور جس خاندان کی عورتیں اپنے خاوندوں سے محبت کرتی ہوں اس سے شادی کی جائے، ممکن ہے کہ یہ مطلب بھی ہو کہ باکرہ عورت سے شادی کی جائے وہ زیادہ محبت کرتی ہے۔

اور آپ کا فرمان کہ مجھے تمہاری کثرت پر ناز ہوگا یعنی میری امت باقی انبیاء کرام کی امتوں پر کثیر ہوگی جو میرے لئے خوشی کا مقام ہوگا۔

عزل۔ برتھ کنٹرول۔ خاندانی منصوبہ بندی

عزل کے مسئلہ کو علامہ سید محمود احمد رضوی شارح بخاری نے رضوان ماہ نومبر ۱۹۹۱ء میں یوں ذکر کیا۔

(۱) حدیث و فقہ کی تقریباً تمام کتب میں مستقل طور پر باب العزل کا عنوان قائم ہے۔ اور شارحین نے عزل کے متعلق شرح و بسط کے ساتھ گفتگو کی ہے، شارحین حدیث اور فقہاء کرام نے عزل کے معنی یہ کئے ہیں کہ اپنی بیوی سے جماع کے وقت ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ مادہ باہر گرے۔

مقصد اس عمل کا یہ ہے کہ بچے پیدا نہ ہوں۔

جہاں تک میرے علم و عقل کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ عزل اور برتھ کنٹرول یا دوسرے لفظوں میں خاندانی منصوبہ بندی کا مطلب و مقصد ایک ہی ہے۔ فی زمانہ برتھ کنٹرول کے مختلف طریقے ہیں ادویہ کا استعمال، لیدر کا استعمال وغیرہ وغیرہ۔

زمانہ رسالت میں مانع حمل ادویہ اور دیگر اشیاء ایجاد نہیں ہوئی تھیں اس لئے صرف عزل کے ذریعے بچہ کی پیدائش کو روکا جاتا تھا۔

(۲) صحابہ کرام کے عزل کی وجوہ:

زمانہ رسالت میں صحابہ کرام دو وجہ سے عزل کرتے تھے،

ایک وجہ: لونڈی سے عزل کرتے تھے تاکہ اسکی اولاد نہ ہو، کیونکہ جس لونڈی کی اولاد ہو جائے وہ شرعاً ام ولد ہو جاتی ہے اور اسکی بیع ممنوع و ناجائز قرار پاتی ہے، چنانچہ بخاری و مسلم، ابو داؤد، مسند احمد اور ابن ماجہ کی متعدد احادیث میں اس وجہ کا واضح طور پر ذکر ہے۔

دوسری وجہ: اپنی بیوی سے عزل کرنا۔ صحابہ کرام اپنی بیویوں سے اسلئے عزل کرتے تھے تاکہ اولاد زیادہ نہ ہو۔

چنانچہ مسلم و مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضرت اسامہ فرماتے ہیں کہ بحضور نبوی ایک شخص حاضر ہوئے عرض کی،

انی اعزل عن امراتی فقال له صلی الله علیه وسلم لم تفعل ذالک فقال اشفق علیٰ ولدها او علیٰ اولادها (مسلم)

میں اپنی بیوی سے عزل کرتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عزل کیوں کرتے ہو، اس نے جواباً عرض کی اسکے بچہ یا اولاد پر شفقت کی بناء پر۔

علامہ شوکانی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس میں عزل کی وجوہات میں سے ایک وجہ کا ذکر ہے اور وہ یہ کہ کثرت اولاد سے بچا جائے۔ (نیل الاوطار ج ۶ ص ۱۹۸)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ صحابہ کرام اپنی ازواج سے عزل (برتھ کنٹرول) کرتے تھے، اور اس لئے کرتے تھے تاکہ اولاد کی کثرت نہ ہو۔ ثابت ہوا کہ کثرت اولاد کی مشکلات سے بچنے کے لئے اپنی بیوی سے عزل جائز ہے۔ یعنی عقیدہ کی صحت و سلامتی کے ساتھ (اللہ تعالیٰ کو قادر و قدیر اور خالق و رازق سمجھتے ہوئے) محض سبب کے طور پر عزل کے عمل کو اپنانا جائز ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ اس عمل کو مؤثر حقیقی نہ سمجھے اور یہ عقیدہ رکھے کہ خواہ کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جائے، جسے پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کو مقصود ہو بہر حال اور بہر صورت پیدا ہو گا۔

چنانچہ یورپ میں جن عورتوں نے مانع حمل گولیاں استعمال کیں اخبارات شاہد ہیں کہ ان کے ایک نہیں دو بچے بھی پیدا ہوئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کسی صحابی نے عزل کے متعلق سوال کیا تو آپ نے بڑے حکیمانہ انداز میں انہیں بتایا کہ عزل محض ایک سبب ہے اسے مؤثر حقیقی نہ سمجھا جائے اور اللہ تعالیٰ کے خالق و رازق ہونے کے عقیدہ کو ذہنوں سے اوجھل نہ ہونے دیا جائے۔ چنانچہ بخاری، مسلم، ابو داؤد، مسند احمد، موطا امام محمد کی احادیث میں اس امر کی تصریح ہے۔

حضرت جابر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بحضور نبوی عرض کی میں اس بات کو اچھا نہیں سمجھتا کہ میری لونڈی حاملہ ہو۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا "اعزل عنہا ان شئت فانہ سیاتیھا ما قدر لھا" اگر تو چاہتا ہے تو عزل کر مگر اسکے باوجود جو مقدر ہے وہ ضرور پیدا ہو گا۔ (موطا امام محمد)

اسی طرح امام احمد اور بزار نے باسناد حسن حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک شخص نے عزل کے متعلق نبی علیہ السلام سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ پانی جس سے بچے کی پیدائش اللہ کو منظور ہے اھرقتہ علیٰ صخرۃ لاخرج اللہ منہا ولداً

او یخلقن اللہ نفساً ھو خالقہا (موطا امام محمد) اسے تو پتھر پر بھی ڈال دے تو اس صورت میں بھی اللہ تعالیٰ بچہ پیدا فرما دے گا یا نفس کو پیدا فرما دے گا، جس کا وہ خالق ہے۔

عزل جائز ہے لیکن مکروہ تنزیہی

موطا امام محمد کی شرح التعلیق الممجد میں حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی علیہ الرحمۃ زیر عنوان باب العزل لکھتے ہیں کہ صحابی رسول حضرت ابن عباس، جابر بن عبداللہ، سعد بن ابی وقاص، زید بن ثابت اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنی بیوی اور لونڈی سے عزل جائز قرار دیتے ہیں۔ البتہ حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کراہت کا قول کیا ہے (یعنی یہ حضرات عزل کو جائز تو قرار دیتے ہیں مگر اس عمل کو اچھا نہیں سمجھتے یعنی مکروہ تنزیہی قرار دیتے ہیں اور مکروہ تنزیہی فعل جائز ہے، حرام یا مکروہ تحریمی یا گناہ ہرگز نہیں)

ونقل ابن عبد البر و ابن ھبیرۃ الاجماع علیٰ انھا لا یعزل عن الزوجۃ الحرۃ الا باذنھا (التعلیق الممجد) علامہ ابن عبد البر اور علامہ ابن ھبیر نے لکھا ہے کہ اپنی بیوی کی اجازت سے عزل کے جواز پر اجماع ہے۔

اسقاط حمل کی وجوہ

قال حافظ ابن حجر ینتزع من حکم العزل معالجۃ المراۃ اسقاط النطفۃ قبل نفخ الروح (التعلیق الممجد)

حافظ ابن حجر شارح بخاری فرماتے ہیں عزل کے جواز سے بغرض علاج اسقاط حمل کا جواز بھی واضح ہو جاتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ بچہ میں روح نہ پڑی ہو۔

قال ابن الھمام یباح الاسقاط النطفۃ قبل نفخ الروح (التعلیق الممجد)

علامہ ابن ھمام علیہ الرحمۃ فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ اسقاط حمل مباح ہے جب تک اعضاء نہ بنے ہوں اور روح نہ پڑی ہو (یعنی اگر حاملہ بیوی کو حمل کی وجہ سے جان کا خطرہ پیدا ہو جائے یا سخت بیماری کا تو جب تک بچہ میں جان نہ پڑی ہو، اسقاط حمل جائز ہے)۔

بلاعذر اسقاط حمل ناجائز

لا اقول انه یباح الاسقاط مطلقاً ان یلحقہا اثم منہا اذا اسقطت من غیر عذر (التعلیق المجد)

فقہ حنفی کی مشہور کتاب خانیہ (قاضی خان) میں ہے کہ اپنی بیوی کا اسقاط حمل اس صورت میں ناجائز اور گناہ ہے جبکہ عذر شرعی نہ ہو (یعنی حاملہ کی جان یا سخت و شدید بیماری کا خطرہ نہ ہو)۔

قال فی البحر ینبغی الاعتماد علیہ لان لہ اصلا صحیحاً یقاس علیہ (التعلیق المجد)

اور صاحب بحر الرائق نے فرمایا، بضرورت اسقاط حمل جائز ہے کیونکہ اس کے لئے دلیل صحیح موجود ہے جس پر اسقاط کو قیاس کیا جائے گا۔

صحابی رسول حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے ابن فہد یمنی نے اپنی لونڈی سے عزل کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا، ھو حرثک ان شئت عطشتہ و ان شئت سقیتہ (موطا امام محمد ص ۱۹۵) وہ تیری کھیتی ہے اب یہ تیری مرضی ہے خواہ اس کو پیاسا رکھ یا سیراب کر دے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، لا نری بالعزل باساً عن الامۃ اما الحرۃ فلا ینبغی ان یعزل عنہا الا باذن (موطا امام محمد ص ۱۹۵)

ہمارا موقف بھی یہی ہے کہ لونڈی سے عزل میں حرج نہیں البتہ اگر بیوی حرہ (آزاد) ہو تو اسکی اجازت سے عزل کرنا جائز ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی موطا امام محمد کی ان روایات کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام مالک اور امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے۔

سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے قرآن مجید کی آیت "نساؤکم حرث لکم الخ" سے عزل کے جواز کا استدلال فرمایا ہے۔آیت میں انی شئتم بمعنی کیف شئتم ہے اور آیت کے اس جملہ سے عزل کا جواز ثابت ہوتا ہے۔مکمل عبارت مندرجہ ذیل ہے:

ان جواز العزل مستنبط من الکتاب فانہ تعالیٰ قال فی باب وطی النساء نساءکم حرث لکم فاتوا حرثکم انیٰ شئتم فسمی بضع المراۃ حرثاً و من المعلوم ان الحرث

یستخیر فیه الانسان بین ان یسقیه و ان لا یسقیه فکذالک بضع النساء و بل قیل ان نزول انی شئتم ای کیف شئتم کان لبیان جواز العزل (طبرانی وحاکم)

بیشک عزل کا جواز قرآن پاک سے مستنبط ہے، بیشک اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے ساتھ وطی کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا" تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں اپنی کھیتی جس طرح تم چاہو" عورت کی فرج کو کھیتی کہا ہے۔اور یہ بات یقیناً معلوم ہے کہ کھیتی میں انسان کو اختیار حاصل ہے چاہے تو اسے سیراب کرے یا نہ کرے، یہی حکم عورت کی بضع کا بھی ہے یعنی مادہ کو اندر گرائے یا باہر۔اور بلکہ دوسری دلیل یہ بھی پیش کی گئی ہے کہ آیت کریمہ میں "انیٰ شئتم" بمعنی "کیف شئتم" کے ہے یعنی جیسے تم چاہو۔اس سے بھی عزل کا اختیار حاصل ہونا سمجھ آتا ہے۔

اور حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر اور حضرت امیرالمؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہم سے ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، بیہقی نے مرفوع احادیث روایت کی ہیں، جن سے لونڈی سے اسکی اجازت کے بغیر اور اپنی حرہ بیوی سے اسکی اجازت سے عزل کا جائز ہونا واضح ہے۔

اسی طرح ابن ماجہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث اور علامہ ابن حجر نے تلخیص الحبیر میں اور امام طحاوی علیہ الرحمۃ نے شرح معانی الآثار میں متعدد احادیث و آثار نقل کئے ہیں جن سے عزل کا جواز ثابت ہوتا ہے۔اور حضرت عمر نے جو یہ فرمایا ہے کہ لوگ اپنی لونڈیوں سے عزل کرتے ہیں، جو لونڈی میرے پاس آئے گی اور اس کا آقا یہ اعتراف کرے گا کہ میں نے اس سے جماع کیا ہے تو یہ اولاد آقا ہی کی قرار دوں گا۔ اب یہ تمہاری مرضی ہے کہ تم عزل کرو یا نہ کرو۔تو حضرت عمر نے اپنے اس فرمان میں لونڈی سے حرمت کا قصد نہیں فرمایا کیونکہ وہ بھی لونڈی سے عزل کو جائز قرار دیتے ہیں۔

حدیث جدامہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عزل کو واد خفی یعنی کم درجہ کا زندہ در گور کرنا قرار دیا تھا۔اگرچہ حدیث کے اس جملہ سے شارحین نے کراہۃ تنزیہی مراد لی ہے تاہم صاحب فتح القدیر نے صحابہ کرام کے درمیان عزل کے متعلق ایک

علمی مذاکرے کا ذکر کیا ہے جس میں حضرت عمر، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے۔ انہوں نے آپس میں عزل کا ذکر کیا اور سب نے کہا کہ اس میں کوئی جرم نہیں۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ عزل مؤدۃ صغریٰ ہے۔ تو حضرت علی نے جواب دیا کہ مؤدۃ صغریٰ نہیں جب تک کہ اس پر سات ادوار نہ گذر جائیں یعنی (۱) سلالہ (۲) نطفہ (۳) علقہ (۴) مضغہ (۵) عظام (۶) لحم (۷) خلق آخر۔ (یعنی روح پڑجانے پر زندہ درگور کرنے کا حکم ثابت ہوگا، پہلے نہیں) اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ نے سچ کہا، اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز کرے۔

نوٹ: یہ تمام مضمون موطا امام محمد اور اسکی شرح تعلیق ممجد کا خلاصہ ہے، جسے ہم نے آسان زبان میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ (موطا امام محمد ص ۱۹۴، ص ۱۹۵)

مولانا عبدالحی لکھنوی علیہ الرحمۃ نے احادیث عزل پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بعض صحابہ کرام نے عزل کو مکروہ اسلئے قرار دیا کہ عزل کی کراہت کا قول کرنے سے ایک تو حق زوجہ کو تقویت ملتی ہے اور دوم یہ کہ عزل کا عمل قضاء و قدر کے معاند (مخالف) ہے۔

حق زوجہ کے تقویت کی دلیل حدیث احمد و ابن ماجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا،

قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یعزل عن الحرۃ الا باذنھا (نیل الاوطار ج ۶ ص ۱۹۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد بیوی سے اسکی اجازت کے بغیر عزل سے منع فرمایا ہے۔

اور قضاء و قدر کے معاند کی دلیل حدیث جابر وانس ہے۔ فافھم (سمجھیئے) (التعلیق الممجد) واضح ہو حدیث جدامہ سے عزل کی ممانعت کا قول کیا جاتا ہے جس میں عزل کے متعلق سوال کے جواب میں نبی علیہ السلام نے فرمایا "ذالک الواد الخفی" (احمد، مسلم) (یہ ہلکا زندہ درگور کرنا ہے)

اور حدیث ابو سعید میں ہے، یہود نے عزل کو "المؤدۃ الصغریٰ" قرار دیا۔ اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا "کذبت یہود" یہودی جھوٹ بولتے ہیں۔

یہ دونوں حدیثیں آپس میں معارض ہیں۔ ایک سے عزل کا جواز اور دوسری سے ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

اسی طرح بخاری شریف کی حدیث میں کہ حضور علیہ السلام سے عزل کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا، "ماعلیکم ان لاتفعلوا" حدیث کے اس جملہ سے بھی ممانعت کا قول کیا گیا ہے۔

شارح مسلم حضرت امام نووی علیہ الرحمۃ اور علامہ ابن قیم نے ان احادیث میں تطبیق دی ہے فرماتے ہیں،

ثم ھذہ الاحادیث مع غیرھا یجمع بینھما بان ماورد فی النھی محمول علیٰ کراھۃ التنزیہ وماورد فی الاذن فی ذالک محمول علیٰ انہ لیس بحرام (حاشیہ مسلم ج ۱ ص ۴۶۴)

جن احادیث میں عزل کی ممانعت ہے وہ کراہت تنزیہی پر محمول ہیں۔ اور جن میں عزل کی اجازت ہے وہ اس پر محمول ہیں کہ یہ فعل حرام نہیں ہے۔

غرضیکہ شارحین کرام نے ممانعت کی احادیث میں نہی کو نہی تنزیہی قرار دیا ہے اور جو فعل مکروہ تنزیہی ہو وہ جائز ہوتا ہے۔ علامہ ابن ھمام علیہ الرحمۃ نے اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ عزل جائز ہے اور عامۃ العلماء کا یہی مذہب ہے۔ دس صحابہ کرام حضرت علی، سعد بن ابی وقاص، زید بن ثابت، ابوایوب، جابر، ابن عباس، حسن بن علی، خباب بن ارت، ابوسعید خدری اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے عزل کا جائز ہونا مروی ہے۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۲۷۲)

مسلم شریف کی ان حدیثوں سے بھی عزل کا جائز ہونا ثابت ہوتا ہے۔ بخاری شریف میں بھی اس مضمون کی احادیث موجود ہیں۔

عن جابر قال کنا نعزل و القرآن ینزل زاد اسحاق قال سفیان لو کان شیئاً ینھی عنہ لنھانا عنہ القرآن۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم عزل کیا کرتے تھے اور قرآن کا نزول جاری تھا۔ سفیان نے کہا اگر عزل کا عمل ممنوع ہوتا تو قرآن مجید میں اسکی ممانعت آجاتی۔ (مسلم)

عن جابر قال کنا نعزل علیٰ عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبلغ ذالک نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم ینھانا عنہ۔

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ہم عہد نبوی میں عزل کرتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکی اطلاع ہوئی تو آپ نے منع نہیں فرمایا۔ (مسلم ج ۱ ص ۴۶۵)

فقہاء کرام، ائمہ دین اور شارحین حدیث نے بخاری و مسلم کی ان ہی احادیث کی بناء پر عزل کو جائز و مباح قرار دیا ہے۔ اسلئے اس عمل کو مطلقاً حرام و ناجائز قرار دینا سخت زیادتی ہے۔

البتہ ایک احتیاط کی سخت ضرورت ہے

اور یہ حکومت کا کام ہے کہ وہ عزل و برتھ کنٹرول کی ادویہ وآلات وغیرہ صرف شادی شدہ افراد کے لئے مختص کر دے اور ایسا انتظام کیا جائے کہ یہ ادویہ وآلات وغیرہ غیر شادی شدہ مرد و عورت نہ حاصل کر سکیں تاکہ کوئی ان سے ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکے۔

اور یہ بھی ضروری ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کی تشہیر کے ساتھ ساتھ ان احادیث کو بھی بیان کیا جائے جن میں نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ فرمایا ہے جسے پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کو مقصود ہے وہ بہر حال و بہر صورت پیدا ہو گا تاکہ لوگ عقیدہ کی درستگی کے ساتھ اس عمل کو اپنانا چاہیں تو اپنا لیں۔ مگر اسے محض ایک سبب سمجھیں اور مؤثر حقیقی صرف اور صرف خداوند قدوس کو جانیں۔ (انتہیٰ)

حلالہ اور تین طلاقیں

اگرچہ مختصر طور پر طلاق کے مسائل پر بحث ہو چکی ہے لیکن اس کتاب کی تحریر کے درمیان اخبارات میں سندھ ہائی کورٹ کے ایک جج کا فیصلہ شائع ہوا۔ جس کی تائید غیر مقلدین وہابیوں اور رافضیوں نے کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فیصلہ کرنے والا ان دو فرقوں میں سے ہی ایک سے تعلق رکھتا ہے۔ ان دونوں فرقوں کو مجموعی طور پر احناف کے مدمقابل پانچ فیصد کی حیثیت بھی حاصل نہیں۔ اس لئے ایسے جج کا فیصلہ احناف کے نزدیک مردود ہے۔

قاضیوں کی تین قسمیں

عن ابی بریدۃ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القضاۃ ثلثۃ اثنان فی النار و احد فی الجنۃ، رجل عرف الحق فیقضی بہ فھو فی الجنۃ و رجل عرف الحق و لم یقض بہ و جار فی الحکم فھو فی النار و رجل لم یعرف الحق و یقضی للناس علیٰ جہل فھو فی النار (ابو داؤد، زیلعی، حاشیہ ھدایۃ کتاب ادب القاضی)

حضرت ابو بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قاضی تین قسم کے ہیں ایک ان میں سے جنتی ہے اور دو جہنمی۔

(۱) وہ شخص جس نے حق کو پہچان کر اسکے مطابق فیصلہ کیا وہ جنتی ہے۔

(۲) وہ شخص جس نے حق کو پہچانا لیکن اسکے مطابق فیصلہ نہ کیا بلکہ فیصلہ کرنے کے وقت ظلم سے کام لیا وہ جہنمی ہے۔

(۳) وہ شخص جس نے حق کو نہ پہچانا (یعنی جاہل مطلق تھا) اور پھر لوگوں میں فیصلہ بھی اسی جہالت کے مطابق کر دیا وہ بھی جہنمی ہے۔

تیسری قسم کے قاضی جاہل مطلق نے اپنے فیصلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط الفاظ منسوب کیۓ، جس کی وجہ سے خود فرمان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اپنا ٹھکانا جہنم میں بنانے کا ثبوت پیش کیا۔

جنگ اخبار لاہور ۴ جنوری ۱۹۹۶ء میں جج کا فیصلہ شائع ہوا، اس میں جج صاحب نے لکھا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی رو سے حلالہ کرنے اور حلالہ کے لئے

کہنے والے بے غیرت دونوں پر اللہ کی لعنت۔ پیر کرم شاہ صاحب نے بے غیرت کے الفاظ بریکٹ میں تحریر کئے جو ان کے اپنے ہیں، حدیث کے لفظ نہیں، اگرچہ راقم کو اس پر بھی اعتراض ہے۔ حدیث شریف کے الفاظ مبارکہ یہ ہیں "لعن اللہ المحلل و المحلل لہ" حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا گیا ہے اس پر اللہ کی لعنت۔

"بے غیرت" کے الفاظ جج صاحب نے اپنی طرف سے ملا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو بدلا ہے اور غلط الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کئے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعدہ من النار (بخاری، مشکوۃ کتاب العلم) جس شخص نے جان بوجھ کر میری طرف جھوٹ منسوب کیا اس نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنایا۔

فلیتخذ منزلۃ من النار و ھو امر معناہ الخبر (مرقاۃ) یعنی اس نے جہنم کے مقاموں میں سے اپنے لئے ایک مقام بنالیا اور ساتھ یہ وضاحت بھی فرمائی کہ یہ لفظ اگرچہ امر ہے لیکن معنوی لحاظ پر خبر ہے (اس لئے خبر کا معنیٰ ہی کیا گیا ہے)۔

جج صاحب کی دوسری کذب بیانی یہ ہے کہ انہوں نے مودودی صاحب اور پیر کرم شاہ صاحب کی تفاسیر سے توڑ موڑ کر اپنا الو سیدھا کرنے کی کوشش کی۔

جج صاحب کا تیسرا غلط فیصلہ کہ تین طلاقیں بیک وقت واقع نہیں ہو سکتیں۔ اصل ان کے فیصلے کا تانا بانا ہی اس پر ہے کہ تین طلاقوں کا ایک ساتھ واقع کرنا درست نہیں۔ حلالہ غیر شرعی صورت ہے۔ اس کا جائزہ لینے سے پہلے یہ ذہن میں رکھا جائے کہ طلاق کی ضرورت کب در پیش آتی ہے اور اسکی ترتیب شرعی کیا اور ان کا حکم کیا ہے۔ گذشتہ اوراق میں تفصیل دیکھیں، یہاں اس کا خلاصہ تحریر کیا جارہا ہے۔

طلاق کی ضرورت کب در پیش آتی ہے

خاوند کی بے رخی پر عورت کیا کرے:

و ان امراۃ خافت من بعلہا نشوزاً او اعراضاً فلا جناح علیہما ان یصلحا بینہما صلحاً و الصلح خیر (پ ۵ ع ۱۹)

اور اگر کوئی عورت خوف کرے اپنے خاوند کی سختی یا منہ پھیرنے کا تو نہیں ہے گناہ ان دونوں کو یہ کہ صلح کرلیں آپس میں اور صلح اچھی چیز ہے۔

سب سے بہتر تو یہ ہے کہ دونوں خود ہی صلح کر لیں، کسی تیسرے کو نہ پتہ چلنے دیں، اسی میں دونوں کی عزت ہے اور ان کا وقار دوسروں کے سامنے قائم رہے گا۔

اگر دونوں خود صلح نہ کر سکیں تو اپنے رشتہ دار یا دوسرے نیک لوگوں کو درمیان میں جرگہ کے طور لا کر صلح کر لیں، صلح میں برکت ہوگی، گھر کا سکون برباد نہیں ہوگا۔

عورت کی غلطیوں پر مرد کیا کرے:

پہلے یہ ہے کہ اسے نصیحت کرے اگر اس سے وہ غلطیوں سے باز آجائے تو بہتر ہے ورنہ اسے اپنے گھر ہی رکھ کر اس سے علیحدگی کر لے، ممکن ہے وہ راہ راست پر آجائے۔ اس سے بھی مسئلہ حل نہ ہو تو معمولی سرزنش کر کے دیکھ لے ہو سکتا ہے اسے کچھ عقل و شعور حاصل ہو جائے۔ اگر یہ صورت بھی کارگر نہ ہو تو دونوں طرف سے اچھے لوگ جرگہ کے طور پر ان کی صلح کرا دیں۔ ان چار صورتوں میں سے کسی پر بھی عمل ہو جائے اور ان کی آپس میں رضامندی ہو جائے تو بہتر۔

طلاق آخری حربہ:

جب ان کے درمیان صلح کے سارے راستے بند ہو جائیں اور وہ ایک دوسرے کے حقوق ادا نہ کر سکیں تو اب طلاق دے کر عورت کو آزاد کر دیا جائے تاکہ وہ درمیان میں معلق نہ رہے۔

طلاق شیطان کو پسند ہے اور اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے لیکن پھر بھی طلاق کبھی ضروری ہو جاتی ہے۔

طلاق دینے کی ترتیب

سب سے پہلے یہ ہے کہ اگر طلاق کی ضرورت درپیش آہی جائے تو ایک طلاق پر اکتفا کرے، اس میں فائدہ یہ ہوگا کہ عدت گزرنے سے پہلے رجوع کا اختیار ہوگا خواہ زبان سے رجوع کر لے یا جماع وغیرہ سے۔ ایک طلاق دینا ہی سب سے بہتر ہے لیکن اگر مرد نے دو طلاقیں دے دیں تو یہ بھی ایک حد کے اندر ہیں یعنی دو طلاقوں کے بعد بھی عدت ختم ہو. نے سے پہلے مرد کو رجوع کا حق حاصل ہے۔

خیال رہے ایک طلاق یا دو کے بعد عدت کے اندر مرد کو رجوع کا حق حاصل ہے،

عورت کو روکنے کا کوئی حق نہیں، لیکن جب عدت گذر جائے اب عورت مکمل آزاد ہے کیونکہ عدت گذرنے سے رجعی طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے۔اب عورت کی مرضی کی بات ہے چاہے تو کسی سے بھی نکاح نہ کرے یا کسی اور سے نکاح کرلے یا پہلے خاوند سے نکاح کرلے۔

یعنی ایک یا دو طلاقوں کی عدت گذر جانے پر پہلے خاوند کی طرف اگر عورت مائل ہے لوٹنا چاہتی ہے تو صرف نئے نکاح کی ضرورت ہے اور کوئی شرط نہیں۔

حلالہ کیا ہے؟

دو طلاقوں تک رجوع کا حق تھا لیکن خاوند نے اگر تین طلاقیں دیں خواہ ایک وقت میں یا وقفہ وقفہ سے اب رجوع کا کوئی حق نہیں۔ تمام معاملہ اب عورت کے اختیار میں ہے۔ تین طلاقوں کے بعد مرد کا اختیار ختم ہو گیا کیونکہ شریعت میں طلاق دینے کا جو طریقہ ناپسند تھا وہ اس نے استعمال کیا ہے اسلئے اب یہ شخص اس سزا کا مستحق ہے کہ اس کا اختیار چھین لیا جائے۔

دوران عدت تو عورت کو کہیں نکاح کرنے کی اجازت نہیں البتہ عدت گذارنے کے بعد وہ مکمل بااختیار ہے۔چاہے تو کسی سے بھی نکاح نہ کرے اسی طرح مجرد زندگی گذار دے اور چاہے تو کسی اور شخص سے نکاح کرلے۔ عورت نے اگر اپنی مرضی سے کسی دوسرے سے نکاح کرلیا، پھر وہ شخص یعنی دوسرا خاوند بعد از جماع فوت ہو گیا یا اس نے طلاق دے دی، عدت گذارنے کے بعد یہ عورت پہلے خاوند سے نکاح کرنا چاہے تو اسے اختیار حاصل ہے۔ کسی دوسرے شخص سے نکاح اور مجامعت کے بغیر پہلے خاوند سے نکاح کرنا یا اس کا رجوع کرنا شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔اسی کا نام حلالہ ہے۔

حلالہ کی وجہ تسمیہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی یہ ہے "فان طلقہا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ"

(پ۲ ع۱۳)

پھر اگر اس نے تیسری طلاق دے دی تو اب وہ عورت اسکے لئے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے کے پاس نہ رہے۔(کنزالایمان)

فان طلقہا مرۃ ثالثۃ بعد المرتین فلا تحل لہ من بعد' من بعد التطلیقۃ الثالثۃ حتی تنکح زوجاً غیرہ حتی تتزوج غیرہ والاصابۃ شرطت بحدیث العسیلۃ (از مدارک)

اگر مرد نے عورت کو دو طلاقوں کے بعد تیسری طلاق دے دی تو تیسری طلاق کے بعد وہ اس کے لئے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ دوسرے زوج سے نکاح کرے اور وطی کی شرط حدیث سے ثابت ہے جس میں زوجیت سے حاصل شدہ منافع کا ذائقہ چکھنا لازم قرار دیا ہے۔

فان طلقہا الزوج بعد الثنتین فلا تحل لہ من بعد بعد الطلقۃ الثالثۃ حتی تنکح تتزوج غیرہ و یطائہا کما فی الحدیث رواہ الشیخان (جلالین)

اگر خاوند نے دو طلاقوں کے بعد طلاق دے دی تو وہ اس کے لئے تیسری طلاق کے بعد حلال نہیں یہاں تک کہ وہ عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے اور وہ اس سے وطی بھی کرے جیسا کہ بخاری اور مسلم کی حدیث سے ثابت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رفاعہ قرظی کی عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی کہ میں رفاعہ کی زوجیت میں تھی، اس نے مجھے طلاق دے دی اور طلاق بھی مکمل دے دی یعنی تین طلاقیں دے دیں، پھر میں نے عبدالرحمن ابن زبیر سے نکاح کر لیا۔ لیکن ان کے پاس تو کپڑے کے دھاگے کی طرح ہے (یعنی وہ نامرد ہیں) فقال اتریدین ان ترجعی الی رفاعۃ قالت نعم قال لا حتی تذوقی عسیلتہ و یذوق عسیلتک (بخاری، مسلم، مشکوۃ باب المطلقۃ ثلاثاً)

آپ نے فرمایا کیا تم رفاعہ کے پاس لوٹنے کا ارادہ رکھتی ہو، عرض کی جی ہاں۔ آپ نے فرمایا، تم اس وقت تک نہیں لوٹ سکتی جب تک تم عبدالرحمن بن زبیر کا مزہ نہ چکھ لو اور وہ تمہارا مزہ نہ چکھ لیں۔

ثم یطلقہا قبل ان یدخل بہا لا تحل حتی یجامعہا الاخر (نسائی) (جماع سے پہلے) اگر دوسرے زوج نے طلاق دے دی تو وہ پہلے کے لئے حلال نہیں یہاں تک کہ دوسرا اس سے جماع کر لے۔

اذا طلق الرجل امراتہ ثلاثا لا تحل لہ حتی تنکح زوجاً غیرہ و یذوق کل منہما عسیلۃ صاحبہ (قرطبی ج ۱ ص ۹۵۶)

جب مرد نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دیں تو وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں رہی یہاں تک کہ وہ اور شخص سے نکاح کرے اور ہر ایک میں سے ایک دوسرے کا مزہ بھی چکھ لیں۔

قرآن پاک میں لفظ "فلا تحل له" استعمال ہوا۔ اور حدیث شریف میں "لا تحل حتیٰ یجامعہا الاخر" لفظ استعمال ہوا۔ یعنی دوسرا خاوند پہلے کے لئے عورت جو حلال کر دیتا ہے۔ تو اس کا نام بھی حلالہ رکھ لیا گیا۔

حلالہ کا یہ حکم اجماع امت سے ثابت ہے

علامہ بدر محمود عینی علیہ الرحمۃ شارح بخاری فرماتے ہیں،

اجمعت الامۃ علیٰ ان الدخول شرط الحل للاول و لم یخالف فی ذالک الا سعید بن المسیب و الخوارج و الشیعۃ و داوٗد الظاہری و البشر المراسی و ذالک اختلاف لا خلاف لعدم استنادھم الیٰ دلیل و لو قضیٰ بہ القاضی لا ینفذ۔

اس مسئلہ پر اجماع امت ہے کہ تین طلاقوں کے بعد پہلے خاوند کے لئے عورت اس وقت حلال ہوگی جب اس کا نکاح دوسرے سے ہو اور وہ بھی جماع کرے۔ اس میں شیعہ اور خارجیوں وغیرہ کا جو اختلاف ہے کہ وہ صرف نکاح شرط قرار دیتے ہیں جماع شرط نہیں کرتے۔ ان کا اختلاف بلا دلیل ہے اگر ان کے مذہب کے مطابق کسی قاضی نے فیصلہ کر دیا تو وہ نافذ نہیں ہوگا۔

سبحان اللہ! علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے عرصہ دراز پہلے ہی کیا خوب فرما دیا کہ اگر رافضیوں اور خارجیوں کے کسی قاضی نے کوئی فیصلہ کیا تو وہ اجماع امت کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہوگا۔

دوسرے سے نکاح اور مجامعت میں حکمت

و الحکمۃ من ھذا التشریع الردع عن المسارعۃ الی الطلاق و العود الی المطلقۃ ثلاثاً و الرغبۃ فیھا (تفسیر ابی السعود)

دوسرے شخص سے نکاح اور مجامعت کو شریعت نے لازم قرار دیا ہے، اس میں حکمت یہ ہے کہ لوگوں کو جلد بازی سے تین طلاقیں استعمال کرنے سے اور پھر مطلقہ کی طرف لوٹنے اور اسکی طرف رغبت کرنے سے روکنا مقصود ہے۔ کیونکہ طبعی طور پر انسان

اسکی طرف کم ہی راغب ہوتا ہے کہ کسی اور سے جب عورت شادی کر لے تو پھر بھی یہ اس کا خواہشمند رہے۔ شرعی حدود و قیود حکمت سے کبھی خالی نہیں ہوتیں کیونکہ مالک الملک حکیم ہے اور یہ نہیں ہو سکتا کہ حکیم ذات کے احکام میں کسی قسم کی حکمت نہ پائی جائے۔ اس حکم سے تین طلاقوں کے وقوع کی کافی حد تک روک تھام ہوئی۔

بغیر شرط کے حلالہ جائز ہے

ویروی عدم الکراھۃ فیما لم یکن الشرط مصرحا بہ (تفسیر ابی السعود) جب تک واضح طور پر شرط نہ لگائی جائے تو حلالہ جائز ہے، اس میں کوئی کراہیت نہیں۔ یعنی عورت نے دوسرے خاوند سے اپنی مرضی سے شادی کر لی اور وہ فوت ہو جائے یا طلاق دے دے تو یہ پہلے خاوند کی طرف لوٹ سکتی ہے اسکے لئے حلال ہو گئی۔
یہ ہے اصل میں حلالہ جس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں کہ جب تک دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے پہلے کے لئے حلال نہیں۔ البتہ دوسرے کا جماع کرنا ضروری ہے اس میں رافضیوں اور خارجیوں نے ایک دوسرے کا بھائی بن کر اختلاف کیا ہے لیکن ان کا اختلاف حدیث نبوی اور اجماع امت کے مخالف ہے، اسلئے اس اختلاف کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ ایسے فیصلے مردود ہوں گے۔

پہلے خاوند سے شادی کرنے سے عورت کو نہ روکا جائے

فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن اذا تراضوا بینھم بالمعروف (پ ۲ ع ۱۴) تو اے عورتوں کے والیو انہیں نہ روکو اس سے کہ اپنے شوہروں سے نکاح کر لیں جبکہ آپس میں موافق شرع کے رضامند ہو جائیں۔
یعنی جب خاوند نے عورت کو ایک یا دو طلاقیں دی ہوں اور عدت گذر چکی ہو، وہ عورت پھر اپنے خاوند سے نکاح کرنا چاہے یا عورت کو تین طلاقیں دی گئیں، عدت گذرنے کے بعد دوسرے شخص سے نکاح اور مجامعت ہوئی، دوسرا خاوند فوت ہو گیا یا اس نے طلاق دے دی، عدت گذرنے کے بعد عورت پہلے خاوند سے نکاح کرنا چاہے تو اس کے والی حضرات کو روکنے کا کوئی حق نہیں، عورت خود مختار ہے۔
جب معقل بن یسار نے اپنی بہن جمیلہ کو اپنے خاوند سے دوبارہ نکاح کرنے سے منع کیا

اور جابر بن عبداللہ نے اپنے چچا کی بیٹی کو خاوند سے نکاح کرنے سے منع کیا تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

شرط کے ساتھ حلالہ مکروہ ہے

دوسرے شخص سے نکاح کرتے وقت اگر یہ شرط لگائی گئی کہ میں تم سے نکاح تو کر رہی ہوں لیکن اس شرط پر کہ تم نے مجھے مجامعت کے بعد طلاق دینی ہے تاکہ میں پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جاؤں۔ یہ شرط لگانی مکروہ ہے اگرچہ اس نکاح اور مجامعت کے بعد بھی عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے گی۔

فالنکاح بشرط التحلیل مکروہ عندنا وفاسد عند الاکثرین لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ المحلل والمحلل لہ (تفسیر ابی السعود)

حلالہ کی شرط لگا کر دوسرے شخص سے نکاح کرنا ہمارے نزدیک مکروہ اور کئی حضرات کے نزدیک یہ شرط لگانے سے نکاح ہوتا ہی نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی لعنت ہو حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لئے حلالہ کیا گیا ہے۔

اصل اختلاف کی وجہ حدیث کی تشریح و توضیح میں اختلاف ہے

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بشرط تحلیل نکاح تو مکروہ ہے لیکن زوج ثانی کی مجامعت کے بعد پہلے زوج کے لئے عورت حلال ہو جائے گی۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک میں "المحلل" ذکر ہے۔ لما سماہ محللا دل علیٰ صحۃ النکاح لان المحلل ھو المثبت للحل فلو کان فاسد الماسماہ محللا (فتح القدیر)

جب آپ نے اسے محلل کہا ہے تو یہ نکاح کی صحت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ محلل کہتے ہی اسے ہیں جو حلت کو ثابت کرنے والا ہو۔ اگر نکاح فاسد ہوتا تو اسے محلل نہ کہا جاتا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ مشروط نکاح کی حرمت کے قائل ہیں۔ وظاہرہ التحریم کما ھو مذھب احمد (فتح القدیر) حدیث پاک میں لعنت کا ذکر کیا گیا ہے اسلئے ظاہر طور پر اس سے حرمت سمجھ آتی ہے جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی اس نکاح کو صحیح نہیں مانتے۔ فانہ یصح العقد و تحل للاول عند عامۃ العلماء وقال مالک رحمہ اللہ لا یصح (کفایہ) تحلیل کی شرط کے باوجود عام علماء کے نزدیک نکاح صحیح ہے اور پہلے کے لئے حلت ثابت ہو جائے گی اور امام مالک

رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نکاح ہی صحیح نہیں۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا انحصار صرف اس پر ہے کہ حدیث پاک میں لعنت کا ذکر ہے اور لعنت رب کی رحمت سے دوری کا نام ہے اسلئے نکاح صحیح نہیں بلکہ حرام ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے جواب

علامہ ابن ھمام صاحب فتح القدیر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں، اما الاعتراض فمنشؤہ عدم معرفۃ اصطلاح اصحابنا و ذالک انھم لایطلقون اسم الحرام الاعلیٰ منع ثبت بقطعی فاذا ثبت بظنی سموہ مکروھا وھو مع ذالک سبب للعتاب (فتح القدیر) اعتراض کا دارومدار ہمارے اصحاب کی اصطلاح سے بے خبری ہے کیونکہ ہمارے اصحاب اس وقت تک حرام نہیں ثابت کرتے جب تک قطعی دلیل سے ممانعت ثابت نہ ہو۔ جب ظنی دلیل سے ثابت ہو تو اسے ہمارے اصحاب مکروہ کہتے ہیں یعنی حرام نہیں کہتے البتہ اس کو عذاب کا سبب قرار دیتے ہیں۔

لعنت دلیل ظنی کیوں

اللعن فی الاصل الطرد و شرعاً فی حق الکفار الابعاد من رحمۃ اللہ تعالیٰ و فی حق المؤمنین الاسقاط عن درجۃ الابرار (شامی) لعنت کا اصلی لغوی معنی ہانکنا، دھتکارنا اور لعنت جب کافروں کے لئے ذکر کی جائے تو شرعاً اس کا معنی ہوگا اللہ کی رحمت سے دور کرنا۔ اور جب مومنوں کے لئے لعنت کا اطلاق ہو تو مطلب ہوگا نیک لوگوں کے درجہ سے کم کرنا۔

ان المراد باللعن فی مثل ذالک الطرد عن منازل الابرار لاعن رحمۃ العزیز الغفار (شامی) یعنی اس کے قسم کے مقاموں میں جب بھی لعنت کا ذکر کیا جائے تو اس سے مراد نیک لوگوں کے مراتب سے دور رکھنا ہوتا ہے، کلی طور پر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور رکھنا مراد نہیں ہوتا۔

اس معنیٰ کے لحاظ سے لعنت کے لفظ سے حرمت ثابت نہیں ہو سکتی۔ اس قسم کے کئی

مقاموں پر لعنت کا ذکر ہے لیکن ان میں حرمت مراد نہیں۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول

وعن ابی یوسف انہ یفسد النکاح لانہ فی معنی الموقت فیہ ولا یحلہا علی الاول لفسادہ (حدایۃ) امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تحلیل کی شرط سے نکاح فاسد ہوگا کیونکہ یہ نکاح موقت کے درجہ میں ہوگا۔ جب نکاح موقت فاسد ہوتا ہے تو یہ بھی فاسد ہوگا اسلئے اس نکاح سے پہلے کے لئے حلت ثابت نہیں ہوگی۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے جواب دیا جائے گا کہ موقت نکاح وہ ہوتا ہے جس میں وقت مقرر ہوتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ اتنے مقرر دنوں کے لئے نکاح کر رہا ہوں یا عورت کی طرف سے یہی الفاظ ادا ہوں۔

لیکن شرط تحلیل میں صرف یہ طے ہوتا ہے کہ تم نے مجھے طلاق دینی ہے، اس میں وقت کا تقرر نہیں ہوتا۔ کیونکہ اسکی مرضی پر منحصر ہے چاہے تو وہ مجامعت پہلی شب کرے یا کئی دن گذار کر۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول

وعن محمد انہ یصح النکاح ولا یحلہا علی الاول لانہ استعجل ما اخرہ الشرع فیجازی بمنع مقصودہ کما فی قتل المورث (از حدایۃ)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ شرط تحلیل سے نکاح تو صحیح ہے لیکن اس نکاح سے وہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوگی کیونکہ اس نے جلد بازی سے کام لیا جس کو شریعت نے مؤخر کیا تھا۔ لھذا اس کے مقصد کو حاصل نہیں ہونے دیا جائیگا، جس طرح کوئی شخص اسے قتل کر دے جس کا اس نے وارث ہونا تھا، اس قتل کی وجہ سے اسے وراثت سے محروم کر دیا جائے گا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے جواب دیا جائے گا اگر مذکر صیغوں سے مراد پہلا خاوند لیا جائے تو یہ قول درست ہی نہیں کیونکہ اسے کوئی اختیار ہی نہیں کہ وہ شرط لگائے، اسلئے اسکی طرف سے شرط لگانا اور تعجیل کرنا اور مقصود سے محروم ہونے کا کوئی مقصد ہی نہیں۔ اور اگر شخص کی تاویل سے مراد عورت لی جائے تو کسی حد تک ظاہر

معنی درست ہوگا لیکن شریعت نے صرف یہ قید لگائی ہے کہ پہلے خاوند کے لئے عورت اس وقت حلال ہوگی جب دوسرے خاوند سے نکاح کرے اور وہ مجامعت بھی کرے۔ اس میں دوسرے کا طلاق دیر سے دینا یا جلدی دینا مذکور نہیں۔ مورث کے قاتل کو وراثت سے اس لئے محروم کیا جاتا ہے کہ اس نے اسکی طبعی موت کا انتظار نہیں کیا بلکہ وراثت جلدی حاصل کرنے کے لئے اسے قتل کر دیا ہے، اسلئے زجراً اسے محروم کیا جائے گلیہاں یہ صورت نہیں۔

شرط تحلیل بالاتفاق گناہ ہے

فان قلت ما معنی لعنہما قلت معنی اللعن علی المحلل لانہ نکح علی قصد الفراق و النکاح شرط للدوام و صار کالتیس المستعار۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر تم کہو کہ محلل اور محلل لہ پر لعنت کا کیا مطلب ہے ؟ میں اسکے جواب میں یہ کہوں گا کہ محلل (حلال کرنے والے دوسرے خاوند) پر لعنت اسلئے کی گئی ہے کہ یہ نکاح فراق کی غرض سے ہوا ہے حالانکہ نکاح کرتے وقت ارادہ یہ ہونا چاہیئے کہ یہ نکاح ہمیشہ کے لئے یعنی تاحیات برقرار رکھیں گے، یہ شخص ایسا ہی ہو گیا جس طرح بکریوں کے لئے بکرا مانگ کر لایا جائے۔

و اللعن علی المحلل لہ لانہ صار سبباً لمثل ھذا النکاح۔

محلل لہ (جس کے لئے وہ حلال کر رہا ہے یعنی پہلا خاوند) پر لعنت اس لئے کی گئی ہے کہ وہ اس قسم کے یعنی فراق والے نکاح کا سبب بن رہا ہے کیونکہ عورت اسکی طرف لوٹنے کی خواہش کی وجہ سے ہی تو دوسرے سے نکاح اسی شرط پر کر رہی ہے کہ تم نے مجھے بعد از مجامعت طلاق دینی ہے۔

و المراد اظہار خساستہما لان الطبع السلیم ینفر عن فعلہما لا حقیقۃ اللعن لانہ صلی اللہ علیہ وسلم ما بعث لعاناً۔

دراصل مراد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر لعنت فرما کر ان کی خساست، رذالت کو ظاہر فرمایا کیونکہ طبع سلیم ان دونوں کے فعل سے متنفر ہوتی ہے۔ یہاں حقیقی لعنت یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنا مراد نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لعنت بھیجنے والا بنا کر مبعوث نہیں فرمایا گیا۔ (مرقاۃ)

اعتراض:
جب شرط تحلیل بالاتفاق گناہ ہے تو نکاح کیسے صحیح ہوگا اور پہلے کے لئے عورت کیسے حلال ہوگی؟

جواب:
کئی ناجائز، گناہ والے کاموں پر احکام مرتب ہوتے ہیں۔ جیسے جمعہ کی اذان کے بعد خرید و فروخت ناجائز اور باعث گناہ ہے لیکن اگر کسی نے بیع کرلی تو اس پر احکام بیع و شراء مرتب ہو جائیں گے۔ خریدار اس چیز کا قبضہ کرنے پر مالک ہو جائے گا اور اس پر لازم ہوگا کہ وہ ثمن (ان دونوں کے درمیان طے ہونے والی رقم) ادا کرے۔ اسی طرح غصب کی ہوئی زمین پر نماز ادا کرنا ناجائز ہے لیکن اگر نماز ادا کرلی تو فریضہ ادا ہو جائے گا۔ اسی طرح یہاں بھی یہ شرط لگانا کہ تم نے طلاق دینی ہے اگرچہ ناجائز ہے لیکن نکاح صحیح ہو جائے گا اور پہلے کے لئے نکاح و مجامعت سے عورت حلال ہو جائے گی۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا کوئی جواب ہی نہیں

کیونکہ ضابطہ یہ ہے کہ جب کسی لفظ کا حقیقی معنی مراد لیا جاسکے تو مجازی معنی مراد نہیں لیا جائے گا۔ جب محلل کہتے ہی اسے ہیں جو حلت ثابت کرے اور اگر نکاح ہی صحیح نہیں اور حلت ہی ثابت نہیں تو وہ محلل کیسے ہوا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے مقابلہ بھی کیسے؟ جبکہ سوائے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے باقی تمام ائمہ کرام آپ کے بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگرد ہیں۔ خواہ وہ ائمہ احناف ہوں جیسے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما یا وہ مستقل فقہ رکھنے والے ہوں جیسے امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما۔

مقام فکر

سیاسی عورتیں یا بعض وہ عورتیں جو آزادی کے نام سے دین اسلام سے بغاوت کرتی ہیں ان کا یہ کہنا کہ عورت کے لئے کیا مصیبت ہے کہ وہ طلاق کا غم بھی برداشت کرے اور پھر حلالہ کی مصیبت سے بھی گذرے۔

کاش کہ ان عورتوں کو یہ سمجھ آجائے کہ ایک یا دو طلاقوں کے بعد عدت گذرنے پر

عورت خود مختار ہے وہ بالکل نکاح نہ کرے، ساری عمر اسی طرح گذار دے یہ اسکی مرضی کی بات ہے۔ کسی اور شخص سے نکاح کرے یہ اسکا اختیار ہے اور چاہے تو پہلے خاوند سے ہی نکاح کرے یہ اسکا اپنا معاملہ ہے۔ اسے روکنے کا بھی کسی کو حق نہیں اور اس پر کوئی جبر بھی نہیں کہ تو پہلے خاوند سے ہی نکاح کر، قرآن پاک، حدیث پاک اور کسی فقہ میں عورت پر جبر کرنے کا کوئی حکم نہیں۔ اگر پہلے خاوند سے نکاح کر رہی ہے تو اپنی مرضی اور اختیار سے، اسکی اجازت کے بغیر جب نکاح صحیح ہی نہیں تو وہ کیوں اجازت دے رہی ہے، نہ اجازت دے نہ نکاح ہو۔

اگر اسے تین طلاقیں دے دی گئیں تو طلاقوں کے ساتھ ہی مرد کے رجوع کرنے کا حق ختم ہو چکا ہے۔ عدت گذرنے کے بعد عورت خود مختار ہے ساری عمر نکاح نہ کرے تو کسی کو حق حاصل نہیں کہ اس کا جبراً نکاح کر سکے۔ اور کسی دوسرے خاوند سے نکاح کرے یہ بھی اسکی مرضی پر منحصر ہے۔ اب دوسرا خاوند فوت ہو جائے یا اس نے طلاق دے دی، اب عدت گذرنے کے بعد عورت پھر خود مختار ہے چاہے تو کسی سے بھی نکاح نہ کرے اور چاہے تو کسی تیسرے شخص سے نکاح کرے اور چاہے تو پہلے خاوند سے نکاح کرے۔ پہلے سے نکاح کرنے پر کسی نے اس پر جبر نہیں کیا۔

اسی طرح تین طلاقوں کے بعد عدت گذر جانے پر اگر دوسرے خاوند سے وہ نکاح اس شرط پر کر رہی ہے کہ تو نے مجھے طلاقیں دینی ہیں اور اسکی طلاقوں اور عدت گذر جانے پر پہلے خاوند کے پاس آ رہی ہے تو یہ سب کام وہ اپنی اختیار سے کر رہی ہے۔ شریعت اسلامیہ نے اسے مجبور نہیں کیا۔

حلالہ کرنے والی عورت اور اسکے پہلے خاوند سے تو پوچھئے

انسانی طبیعت حلالہ کی شرط سے متنفر ہے البتہ کسی دوسرے خاوند سے نکاح ہو جائے اور وہ فوت ہو جائے یا طلاق دے دے اسی طرح پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح ہو جائے اسے طبائع قبول کرتی ہیں۔

حلالہ کی شرط سے دوسرے خاوند سے نکاح کرنے میں عورت بھی متنفر ہے اور پہلا خاوند بھی متنفر ہے تو پھر حلالہ کو قبول کرنے میں پتہ نہیں انکی کیا مجبوری ہے۔ بچوں کی

خاطر اس کڑوی دوا کو پینے پر مجبور ہوئے ہیں تو ان کی مجبوری کو بھی دیکھئے اور یہ سمجھئے کہ اس میں شریعت نے عورت کو مجبور نہیں کیا اور کسی مرد نے بھی مجبور نہیں کیا اور کسی مولوی نے بھی فتویٰ نہیں دیا کہ اس پر لازم ہے کہ وہ ضرور ہی حلالہ کرے۔ عورت اپنی مرضی سے اپنے اختیار، اپنی اجازت سے کر رہی ہے۔ غیر اسلامی عورتیں، اگر کچھ کہنا چاہتی ہیں تو عورت کو ہی کہیں، شریعت کا مذاق نہ اڑائیں۔

گناہ سے بچنے کا شاندار حیلہ

جب عورت پہلے خاوند کی طرف لوٹنے کی خواہش بھی رکھتی ہو، اسکی کوئی مجبوری ہو اور یہ بھی خطرہ ہو کہ دوسرا خاوند ہو سکتا ہے کہ طلاق نہ دے، تو اب عورت کے لئے یہ صورت نکالی گئی ہے۔

ولو خافت ان لا یطلقہا تقول زوجتک نفسی علیٰ ان امری بیدی (زیلعی) اگر عورت کو یہ خوف ہو کہ یہ دوسرا شخص مجھے طلاق نہیں دے گا۔ تو وہ نکاح اس شرط پر کرے کہ میں تمہارے ساتھ نکاح اس شرط پر کرتی ہوں کہ تم میرا معاملہ میرے ہاتھ کر دو، یعنی طلاقوں کا حق مجھے دے دو۔ مرد نے جب طلاقوں کا حق عورت کو دے دیا تو اب عورت کی مرضی ہے چاہے تو اسی نئے خاوند کے پاس رہے طلاقوں کا حق نہ استعمال کرے اور چاہے تو استعمال کر کے آزاد ہو جائے۔

اس شرط پر کوئی گناہ بھی نہیں اور نہ ہی کوئی اختلاف ہے۔

تین طلاقیں بیک وقت دینے سے تین ہی واقع ہوتی ہیں

اس مسئلہ پر صاحب فیوض الباری فرماتے ہیں، ابن تیمیہ اور ان کے اصحاب کا جمہور صحابہ و تابعین اور ائمہ دین کے موقف کے خلاف رائے رکھنا تو کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ ہر دور میں دو چار افراد ایسے ہوتے ہیں جو جمہور مسلمین کے خلاف رائے رکھتے ہیں۔ ابن تیمیہ بھی ان میں سے ایک ہے۔

ابن تیمیہ کا موقف یہ ہے کہ بیک وقت دی گئیں "تین طلاقیں" تین نہیں ایک قرار پاتی ہیں۔

ظاہر یہ ہے کہ جمہور ائمہ دین کے موقف کو غلط قرار دینا اور ابن تیمیہ کے قول کو حق

قرار دینے کا کسی کو کوئی حق نہیں۔اسلئے کہ ابن تیمیہ کے پاس یکدم دی گئیں تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کے لئے صرف تین روایتیں ہیں۔اول صحیح مسلم کی روایت جو طاؤس کا وہم اور شاذ روایت ہے، دوم مسند احمد کی روایت جو مضطرب، منکر اور ضعیف روایت ہے، اور سوم ابو داؤد کی روایت جو مجہول، منکر اور متروک روایت ہے۔یہ ہے ابن تیمیہ کے پاس دلائل کا قابل ذکر سرمایہ جس کی بنیاد پر وہ تین طلاقوں کو ایک قرار دیتے ہیں۔اس اجمال کی نہایت مختصر توضیح یہ ہے۔

روایت ابو داؤد

ابن تیمیہ اور ان کے ہم نوا، حدیث ابو داؤد سے اپنے موقف پر دلیل لاتے ہیں کہ حضرت عبد یزید ابو رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔ حضور نے فرمایا، رجوع کر لو، انہوں نے عرض کی میں نے اسے تین طلاقیں دی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں جانتا ہوں تم رجوع کر لو۔(ابو داؤد ج ا ص ۲۹۹)

لیکن یہ روایت قابل استدلال نہیں ہے۔اسکی سند بعض بن رافع کے الفاظ ہیں جو مجہول ہیں۔

نیز غیر مقلد وہابیوں کے بادشاہ ابن حزم نے تصریح کی ہے، یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ ابو رافع کی اولاد میں سے جس شخص سے یہ روایت ہے اس کا نام نہیں لیا گیا اور مجہول راوی کی روایت دلیل نہیں ہو سکتی۔(المحلی ج ۱۰ ص ۱۶۸)

حدیث مسلم

طاؤس بیان کرتے ہیں کہ ابو الصہباء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا، آپ کو اس بارے میں کیا علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جاتا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں جو شخص بیک وقت تین طلاقیں دے دیتا اس کو ایک طلاق شمار کیا جاتا تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگوں نے

اس کام میں عجلت شروع کر دی ہے جس میں ان کے لئے مہلت تھی تو اگر ہم بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو نافذ کر دیں تو بہتر ہوگا۔ پھر انہوں نے تین طلاقوں کے نافذ کرنے کا حکم دیا۔ (مسلم حدیث ۳۵۷۰)

ابن تیمیہ اور انکے موافقین نے مسلم کی اس حدیث سے جو استدلال کیا ہے، اس سے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر یہ الزام عائد ہوتا ہے کہ آپ نے واضح طور پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی مخالفت کی، اور تمام صحابہ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کو قبول کر لیا۔ (معاذاللہ) اگر یہ بات مان لی جائے تو حضرت ابو بکر کے دور میں وفات پانے والے صحابہ کے علاوہ کوئی صحابی اس قابل نہیں رہے گا کہ اسکے دین اور اسکی روایت کو قبول کیا جائے۔ ہمارے دور کے غیر مقلد وہابی مولوی بھی تین طلاقوں کو شرعاً ایک طلاق قرار دینے کے لئے بڑے فخر سے اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ انکے اس استدلال باطل سے تو صحابہ کرام کی دیانت، امانت اور عدالت سب ختم ہو جاتی ہیں۔ کیا کوئی مسلمان یہ تصور بھی کر سکتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دور اور حضرت ابو بکر اور خود حضرت عمر کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں بیک وقت دی گئی "تین طلاقوں" کو ایک قرار دیا جاتا تھا۔ اور حضرت عمر نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور خود اپنے دور خلافت کے دو سالہ دور کی شریعت کو بدل دیا۔

بہر حال جمہور فقہاء اسلام نے ابن تیمیہ کے اس استدلال کے متعدد جواب دئے ہیں۔ اول یہ کہ قرآن مجید اور بخاری و مسلم کی صحیح متفق علیہ حدیث جن کو صحاح کے دیگر مؤلفین نے بھی روایت کیا ہے کہ حضرت عویمر نے بیک وقت تین طلاقیں دیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نافذ کر دیا۔

نیز متعدد صحیح احادیث اور بکثرت آثار صحابہ و اقوال تابعین سے ثابت ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں۔ چونکہ مسلم کی یہ روایت قرآن و سنت اور آثار صحابہ و تابعین کے صریح طور پر خلاف ہے، اسلئے یہ روایت شاذ اور معلل ہے اور استدلال کے قابل نہیں ہے۔

دوم یہ کہ اس روایت کے شاذ، معلل اور مردود ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ خود

حضرت ابن عباس یہ فتوی دیتے تھے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں اور حضرت ابن عباس سے یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ نبی علیہ السلام سے ایک بات روایت کریں اور فتوی اسکے خلاف دیں۔

لھذا یہ روایت شاذ ہے اور طاؤس کو حضرت ابن عباس کی طرف اس روایت کو منسوب کرنے میں وہم ہوا ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ نے فتح الباری شرح بخاری ج ۹ ص ۳۶۳ پر تصریح فرمائی ہے۔

سوم یہ کہ طاؤس کی بیان کردہ اس روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فرمان کا ذکر نہیں ہے، وہ تو ایک واقعہ بیان کر رہے ہیں جو طاؤس کا وہم ہے اسلئے یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم علامہ شوکانی نے نیل الاوطار ج ۸ ص ۲۲ میں تصریح کی ہے کہ حضرت ابن عباس کے تمام شاگردوں نے آپ سے "طاؤس" کی بیان کردہ روایت کے خلاف روایت کی ہے۔ اور ایمان و دیانت کا بھی یہی تقاضا ہے کہ حضرت عمر پر عہد رسالت اور عہد صدیقی کے معمول کی مخالفت اور تمام صحابہ پر مداہنت کی تہمت لگانے سے یہ بہتر ہے کہ مسلم کی اس روایت کو غیر صحیح اور مردود قرار دیا جائے۔ جس کی معقول وجہ اور بنیاد طاؤس کا وہم ہے۔

چہارم یہ کہ جب راوی کا عمل اپنی بیان کردہ حدیث کے خلاف ہو تو یہ بات حدیث کی صحت میں طعن کا موجب ہوتی ہے۔ یا اس حدیث کے منسوخ ہونے یا اس حدیث میں تاویل ہونے اور اسکے ظاہری معنی مراد نہ ہونے پر دلیل ہوتا ہے۔ جیسا کہ علامہ عبدالعزیز پرہاروی نے نبراس ص ۲۳ پر لکھا ہے۔

ان وجوہات کی بناء پر جمہور فقہاء اسلام اول تو طاؤس کی روایت کو فنی سقم کی وجہ سے قبول ہی نہیں کرتے۔ دوم بر سبیل تنزل وہ اسکی تاویل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ دور نبوی و عہد صدیقی میں لوگ تاکید کی نیت سے تین بار طلاق دیتے تھے بعد میں حضرت عمر کے دور میں تین طلاق کی نیت سے دینے لگے۔ حضرت عمر نے انکی نیات کے مطابق تین طلاق کو تین قرار دیا۔ یعنی حضرت عمر نے عہد نبوت کے کسی معمول کو بدلا نہیں بلکہ اسی کو نافذ کیا جو حدیث رسول سے ثابت ہے۔

(ہمارے زمانے میں سوائے علماء کے، تاکید ومؤکد کے ضوابط سے ہی لوگ بے خبر ہیں ان کو غلط فتوی سے بدکاری کے ارتکاب پر لگانا ظلم عظیم نہیں تو اور کیا ہے؟)

چنانچہ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ حضرت رکانہ نے بحضور نبوت عرض کی کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی ہے۔ حضور نے فرمایا یہ وہی ہے جس کا تم نے ارادہ کیا یعنی ایک طلاق۔(ترمذی)

(طلاق بتہ یہ ہے کہ عورت کو کہے، انت بتۃ یہ لفظ کنایات سے ہے اس لئے اس میں نیت کے بغیر طلاق واقع ہی نہیں ہوتی، ایک کی نیت سے ایک واقع ہوتی ہے اور تین کی نیت سے تین واقع ہوتی ہیں)

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ نبی علیہ السلام کا حضرت رکانہ سے طلاق کی تعداد دریافت کرنا اور انہوں نے جو لفظ "بتہ" سے ایک طلاق کی نیت کی، اس پر قسم لینا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ مجلس واحدہ میں کلمہ واحدہ سے تین طلاق کی نیت دریافت کرتے، تو پھر تین طلاقیں ہی نافذ و واقع ہو جاتیں۔

حدیث مسند احمد

ابن تیمیہ اور ان کے ہم نوا حدیث مسند احمد سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں تو حضور علیہ السلام نے انہیں ایک طلاق قرار دیا اور انہیں رجوع کرنے کی ہدایت فرمائی۔(مسند احمد)

اولاً تو مسند احمد میں صحیح احادیث کو جمع کرنے کا التزام نہیں کیا گیا۔ اس میں ضعیف حسن صحیح ہر قسم کی احادیث موجود ہیں، اس لئے مسند احمد کو صحاح ستہ میں شمار نہیں کیا جاتا۔

ثانیاً یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اسکی سند کا ایک راوی ابن اسحاق مجروح ہے اور دوسرا راوی داؤد اس سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔ جیسا کہ ابن جوزی نے اس بات کی تصریح کی ہے (العلل المتناھیۃ ج ۲ ص ۱۵۱)

امام جصاص نے اس حدیث کا "منکر" ہونا بیان کیا ہے (احکام القرآن ص ۲۸۸)

نیز کتب اسماء الرجال میں محمد بن اسحاق کو کذاب قرار دیا گیا ہے۔

مغالطہ یا غلط استدلال

ابن تیمیہ اور ان کے ہمنوا قرآن مجید سورۃ بقرہ کی آیت ۲۲۹ / ۲۳۱ سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ قرآن میں ایسے طریقہ سے طلاق دینے کی ہدایت کی ہے کہ عدت گذرنے سے پہلے رجوع کا حق باقی رہے اور بیک وقت تین طلاق دینا قرآن کے خلاف ہے اسلئے تین طلاق کو ایک قرار دیا جائے۔

مختصر جواب یہ ہے کہ قرآن نے طلاق دینے کا احسن طریقہ بیان کیا ہے اور قرآن کی کسی آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں واقع و نافذ نہ ہوں گی۔ نیز قرآن مجید نے بہت سے کاموں کے کرنے سے منع فرمایا ہے، جس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس فعل کو کر لیا جائے تو فعل ہی باطل ہو جائے گا یا اس کا وجود و عدم برابر ہو جائیں گے۔

قرآن نے زنا اور چوری کرنے سے منع کیا ہے لیکن اگر کوئی شخص زنا یا چوری کر لے تو اسکے متعلق یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ فعل وقوع پذیر ہی نہیں ہوا۔ دیکھئے اذان جمعہ کے وقت خرید و فروخت کی یا مغصوبہ زمین پر نماز پڑھی۔ تو شرعاً نفس بیع منعقد ہو جائے گی اور نماز فرض بھی ادا ہو جائے گی، تو ایسی ہی بیک وقت دی گئی تین طلاقیں باوجود ممنوع ہونے کے واقع ہو جائیں گی۔

طلاق بدعت اور طلاق ثلاثہ کا حکم

(۱) سیدنا امام اعظم اور امام مالک رضی اللہ عنہما کے نزدیک بیک وقت تین طلاق دینا بدعت و گناہ ہے اور حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کا ایک قول یہ ہے کہ یہ حرام ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ حرام و گناہ نہیں۔ سیدنا امام حسن بن علی، حضرت عبدالرحمن بن عوف، امام شعبی اور سیدنا امام شافعی علیہم الرحمۃ کا بھی یہی نظریہ ہے کہ ہرچند کہ ایک دم تین طلاق دینا مستحب نہیں مگر حرام و گناہ بھی نہیں ہے کیونکہ عویمر عجلانی نے اپنی بیوی کو لعان کیا اور حضور علیہ السلام کے حکم دینے سے پہلے بحضور نبوت عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اب اگر میں اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھوں تو میرا زنا کی تہمت لگانا جھوٹ ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی بیوی کو تین

طلاقیں دے دیں۔ اور عویمر عجلانی کے ایک دم تین طلاق دینے پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار منقول نہیں۔

(۲) اور حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا بدعت و حرام ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، سیدنا امام مالک اور سراج امت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہ ہی نظریہ ہے۔ (المغنی ج ۷ ص ۳۸۱)

(۳) یک دم تین طلاقیں دینے کو حضرت عمر، حضرت علی اور دیگر صحابہ کرام و جمہور اہلسنت اور ان کے لاکھوں مقلدین علماء صلحاء اولیاء کرام اور عام مسلمان حرام و بدعت اور گناہ سمجھتے ہیں۔

لیکن اسکے ساتھ ائمہ اس امر پر متفق ہیں کہ بیک وقت تین طلاقیں دیدیں تو واقع و نافذ ہو جائیں گی۔ کیونکہ کسی فعل و عمل کا ناجائز ہونا اور گناہ ہونا اس فعل کی تاثیر کو نہیں روکتا۔ طلاق کے لفظ میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کے توڑنے کی تاثیر رکھی ہے۔ ازروئے لغت بھی اس لفظ کے معنیٰ نکاح کی گرہ کو کھولنے، ترک کرنے اور چھوڑ دینے کے ہیں۔ طلاق کا تعلق مردوں سے ہے اور عدت کا تعلق عورتوں سے ہے۔ (تاج العروس)

(۴) قرآن مجید میں غیر مدخولہ کو طلاق دینے کا (سورہ احزاب ۴۹) میں ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو "ثم طلقتموھن" پھر ان کو مقاربت سے پہلے طلاق دے دو، تو ان عورتوں پر تمہارے لئے کوئی عدت نہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کو عام رکھا ہے۔ خواہ بیک وقت تین طلاق دی جائیں یا الگ الگ طلاق دی جائے۔ تو جس فعل کو اللہ تعالیٰ نے مطلق و عام رکھا ہے، اسے تو صحیح احادیث سے بھی مقید اور خاص نہیں کیا جا سکتا۔ چہ جائیکہ کچھ لوگوں کی غیر معصوم آراء اور غیر مستند اقوال سے اسے مقید کیا جائے۔

(۵) اور عقل بھی یہ ہی چاہتی ہے کہ ایک عاقل و بالغ انسان اپنے اختیار سے "تین" کا عدد استعمال کرتا ہے اور آپ کہتے ہیں "ایک"۔

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ کاغذات رجسٹری میں قیمت مکان تین لاکھ لکھی اور رجسٹرار

کے ہاں رجسٹری کے موقع پر خریدار کہے کہ بیشک لکھا تو تین لاکھ ہے مگر میں ایک لاکھ دوں گا کیونکہ یک دم تین کا اقرار "ایک" ہوتا ہے۔ کیا رجسٹرار خریدار کی یہ بات تسلیم کرے گا؟

(۶) محمود بن لبید کی روایت کا مضمون یہ ہے کہ بحضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یہ اطلاع دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دے دیں تو حضور غصہ سے کھڑے ہوگئے اور فرمایا، میرے ہوتے ہوئے اللہ کی کتاب کو کھیل بنایا جارہا ہے۔ (نسائی ج ۲ ص ۱۸۱)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ عہد رسالت میں بیک وقت دی گئی تین طلاقیں ایک نہیں قرار پاتی تھیں۔ اگر تین طلاقوں سے ایک طلاق مراد لینے کا عہد رسالت میں معمول ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر ناراض کیوں ہوتے؟ کیونکہ اگر بیک وقت دی گئی تین طلاقیں بھی ایک طلاق کے مترادف ہیں تو وہ حکماً سنت قرار پائیں گی۔ اس پر حضور اقدس ناراض کیسے ہوسکتے ہیں؟ پس حضور کے ناراض ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ طلاق دینے والے نے سنت طریقہ اختیار نہ کرکے گناہ کا ارتکاب کیا۔ اور یہی جمہور اہلسنت کا مسلک ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دے دیں تو وہ تین طلاق ہی واقع ہوں گی۔

(۷) حضرت سہل بن سعید رضی اللہ عنہ کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عویمر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تین طلاقیں دے دیں (فانفذہ) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاقوں کو نافذ کردیا۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۳۰۶)

اس حدیث میں اس امر کی بالکل واضح طور پر تصریح ہے کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کے سامنے ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں اور آپ نے ان تین طلاقوں کو نافذ فرمادیا۔ یہ بھی واضح ہوا کہ عہد رسالت میں ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کا ایک ہونا معمول نہ تھا۔ حضور تین کو تین ہی قرار دے کر نافذ فرماتے تھے۔

(۸) سعید بن غفلہ کی روایت کا خلاصہ یہ ہے، سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی عائشہ خشیمہ سے ناراض ہوکر یک دم تین طلاقیں دے دیں حتیٰ کہ اسکی عدت پوری ہوگئی۔ حضرت امام حسن نے اپنی مطلقہ بیوی کا بقیہ مہر اور دس ہزار کا

صدقہ قاصد کے ذریعہ بھیجا۔ تو اس نے کہا مجھے اپنے جدا ہونے والے محبوب سے تھوڑا سامان ملا ہے۔ جب حضرت امام حسن علیہ السلام کو یہ بات پہنچی تو آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا، اگر میں نے اپنے نانا جان سے یہ حدیث نہ سنی ہوتی کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں خواہ الگ الگ طہر میں یا ایک دم دیں تو وہ عورت اپنے شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہوتی جب تک وہ کسی اور شخص سے نکاح نہ کرے "راجعتہا" تو میں اس سے رجوع کر لیتا۔ (بیہقی ج ۷ ص ۳۳۶)

حضرت نافع فرماتے ہیں، کان ابن عمر یقول من طلق امراتہ ثلاثاً فقد بانت منہ امراتہ وعصیٰ ربہ تعالیٰ وخالف السنۃ (دار قطنی ج ۴ ص ۳۲) کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ جو اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاق دے گا تو بے شک اسکی بیوی اس سے الگ ہو جائے گی اور ایک دم تین طلاق دینے والے نے اپنے رب کی نافرمانی اور سنت کی مخالفت کی۔

سیدنا حضرت امام حسن بن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ایما رجل طلق امراتہ ثلاثاً عند کل شہر تطلیقۃ او طلقہا ثلاثاً جمیعاً لم تحل حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ (دار قطنی ج ۴ ص ۳۱)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے ہر طہر میں ایک ایک کر کے یا ہر ماہ کے شروع میں ایک ایک کر کے یا اکٹھی تین طلاق دے دے اسکی بیوی حلال نہیں ہو گی جب تک کسی دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے۔

وقد اختلف العلماء فی من قال لامراتہ انت طالق ثلاثاً فقال الشافعی ومالک وابو حنیفۃ واحمد وجماھیر العلماء من السلف والخلف یقع الثلاث وقال طاؤس وبعض اھل الظاھر لا یقع بذالک الا واحدۃ (نووی ج ۱ ص ۴۷۸)

اور اختلاف کیا ہے علماء نے اس شخص کے بارے میں جو اپنی بیوی سے کہے تجھے تین طلاق ہیں تو امام شافعی وامام مالک وامام احمد وامام ابو حنیفہ اور امام احمد اور جمہور علماء سلف وخلف فرماتے ہیں کہ تین ہی واقع ہوں گی اور طاؤس اور بعض اہل ظاہر نے کہا ہے کہ ایک ہی واقع ہو گی۔

اس سے یہ واضح ہوا کہ ائمہ اربعہ کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ تین طلاق دینے سے تین ہی واقع ہوں گی۔ جب یہ مسئلہ فقہ اربعہ میں اتفاقی ہے تو بعض اوہام باطلہ کی وجہ سے تین کو ایک کے حکم میں نہیں کیا جاسکتا۔ گویا کہ ائمہ اربعہ کی مخالفت کر کے بعض لوگوں نے مسلمانوں کو گمراہ اور بدکار بنانے کا ٹھیکہ لیا ہوا ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ ایسے لوگوں سے فتویٰ حاصل کر کے اپنی عاقبت خراب نہ کریں۔

علامہ بدر محمود عینی شارح بخاری فرماتے ہیں، جمہور علماء تابعین اور ان کے بعد جو ہوئے ان میں امام اوزاعی، امام نخعی، امام ثوری، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب، امام مالک اور ان کے اصحاب، امام شافعی اور انکے اصحاب، امام احمد اور انکے اصحاب، امام اسحاق، ابو نور، ابو عبید اور دوسرے کثیر علماء کا یہی مذہب ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے، تینوں ہی واقع ہوتی ہیں۔ لیکن وہ گنہگار ہوگا "و قالوا من خالف فیه فھو شاذ مخالف لاھل السنة" اور اہل علم نے کہا ہے جو اسکی مخالفت کرتے ہیں وہ بہت تھوڑے لوگ ہیں اور وہی اہل سنت کے مخالف ہیں۔ (عینی ج ۲ ص ۲۳۲)

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں، لکنھم اجمعوا علیٰ انه من قال لامراته انت طالق ثلاثا یقع ثلاثا بالاجماع (مظہری ج ۱ ص ۲۰۰) لیکن اس پر سب کا اجماع و اتفاق ہے کہ جس نے اپنی بیوی سے کہا تجھے تین طلاقیں تو بالاجماع تین ہی واقع ہوں گی۔

حضرت امام ربانی عبد الوہاب شعرانی رضی اللہ عنہ مسئلہ طلاق میں بحث فرماتے ہوئے آخر میں بطور نتیجہ فرماتے ہیں، وھذا کله یدل علیٰ اجماعھم علیٰ صحة وقوع الثلاث بالکلمة الواحدة (کشف الغمہ ج ۳ ص ۱۲۸)

اور یہ ساری بحث دلالت کرتی ہے اس پر کہ ایک ہی کلمہ سے تین طلاق کے وقوع کی صحت پر علماء (صحابہ کرام) کا اجماع ہے۔ نیز یکدم تین طلاق دینے سے تین طلاق واقع ہوتی ہیں۔ یہ مسئلہ مندرجہ ذیل کتب سے ثابت ہے۔

کنز العمال ج ۵ ص ۱۶۱، ابو داؤد ج ۱ ص ۳۴۳، موطا امام مالک ج ۲ ص ۱۶، دار قطنی ج ۴ ص ۱۲، بیہقی ج ۷ ص ۳۳۵، تفسیر مظہری ج ۱ ص ۳۰۲، دار قطنی ص ۳۰، تفسیر در منثور ج ۲ ص ۲۳۰۔ (از فیوض الباری، رضوان جنوری فروری ۱۹۹۶ء)

شریعت مصطفوی میں متعہ حرام ہے

متعہ کیا ہے؟

وھو ان یقول لامراۃ اتمتع بک کذا مدۃ بکذا من المال (ھدایہ)

وہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی اور عورت کو کہے میں تم سے اتنی مدت نفع حاصل کروں گا اور اسکے بدلے اتنا مال تمہیں دوں گا۔

متعہ اور نکاح موقت میں فرق

متعہ اور نکاح موقت میں دو طرح سے فرق ہے ایک یہ کہ نکاح موقت میں لفظ نکاح یا تزویج بولے جاتے ہیں، البتہ دن مقرر ہوتے ہیں، جیسے کوئی شخص کہے "نکحتک" یا کہے "تزوجتک" میں نے تمہارے ساتھ نکاح کیا ہے مثلاً دس دنوں کے لئے یا ایک ماہ کے لئے۔ وقت معین کر دیا یہ نکاح موقت ہے۔

متعہ میں اس طرح کے الفاظ استعمال ہوں گے "اتمتع بک الیٰ مدۃ کذا" میں تم سے اتنے وقت کے لئے نفع حاصل کروں گا۔ اس میں نکاح یا تزویج کے الفاظ استعمال نہیں ہوتے۔

دوسرا فرق یہ ہے، والذی یظھر مع ذالک عدم اشتراط الشھود فی المتعۃ و تعیین المدۃ و فی الموقت الشھود و تعیینھا۔ یہ واضح ہے کہ متعہ میں گواہوں کا ہونا شرط نہیں البتہ وقت معین ہوتا ہے اور موقت میں گواہوں کا ہونا شرط ہوتا ہے اور وقت معین ہوتا ہے۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۱۴۹)

و نکاح المتعۃ باطل و النکاح الموقت باطل (ہدایہ) متعہ اور نکاح موقت دونوں باطل اور حرام ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں متعہ دو مرتبہ جائز ہوا پھر تا قیامت حرام ہو گیا۔

مختار اور درست قول یہ ہے کہ دو مرتبہ متعہ کو مباح قرار دیا گیا، خیبر سے پہلے حلال کیا گیا پھر خیبر کے دن حرام کیا گیا۔ پھر فتح مکہ یعنی اوطاس کے دن حلال کیا گیا (فتح مکہ اور اوطاس کے دن حلت کی روایات کا مقصد ایک ہی ہے کیونکہ ان دونوں کا اتصال ہے)

ثم حرمت یومئذ بعد ثلثۃ ایام تحریماً مؤبداً الیٰ یوم القیامۃ و استمر التحریم (نووی

شرح مسلم ج ۱ ص ۴۷۰)
پھر تین دنوں کے بعد حرام کر دیا گیا، جو ہمیشہ کے لئے حرام ہو چکا ہے، قیامت تک حرام ہی رہے گا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص حرام کو حلال نہیں کر سکتا۔ آپ کے زمانہ میں احکام کی منسوخیت کا احتمال ہوتا تھا لیکن آپ کے بعد تمام احکام محکم ہو چکے ہیں جو منسوخ نہیں ہو سکتے۔

نبی کریم علیہ السلام کے زمانہ کا متعہ کیا تھا

قال القاضی و اتفق العلماء علیٰ ان ھذہ المتعۃ کانت نکاحاً الیٰ اجل لا میراث فیھا و فراقہا یحصل بانقضاء الاجل من غیر طلاق (نووی)
قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا متعہ دراصل نکاح ہی تھا لیکن اس میں خاوند بیوی ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے تھے اور مقرر کیا ہوا وقت گذرنے پر نکاح خود ختم ہو جاتا تھا، اس میں طلاق کی ضرورت نہیں درپیش آتی تھی۔
اس سے واضح ہوا کہ آپ کے زمانہ میں متعہ بغیر گواہوں کے نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ نکاح ہوتا تھا۔ عام نکاح سے دو طرح کا فرق ہوتا تھا۔ ایک وراثت جاری نہ ہونا اور دوسرا بغیر طلاق کے نکاح کا ختم ہو جانا۔

متعہ جائز ہونے کے وقت بھی عام نہیں تھا

قال الحازمی لم یکن اباحہا لھم و ھم فی بیوتہم و اوطانھم (فتح القدیر ج ۳ ص ۱۵۱)
علامہ حازمی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ متعہ صحابہ کرام کے لئے ان کے گھروں یا ان کے وطن میں ان کے لئے جائز نہیں تھا۔ یعنی جب جائز ہوا تھا تو اس وقت بھی حالت سفر اور دیار غیر میں جائز رکھا گیا تھا۔

متعہ کا جواز حالت اضطرار میں تھا

و قد ذکر فی حدیث ابن ابی عمر انہا کانت رخصۃ فی اول الاسلام لمن اضطر الیہ کالمیتۃ و نحوھا (نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۴۷۰)
ابن ابی عمر کی حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ متعہ کی رخصت ابتداء اسلام میں ان

لوگوں کو دی گئی تھی جو بہت ہی حالت اضطرار میں پہنچ گئے تھے۔ جس طرح حالت اضطرار میں مردہ جانور کا گوشت کھانا جائز ہو جاتا ہے۔ بس یہی کیفیت متعہ کے جواز کی بھی تھی۔

حضرت قیس سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے عبداللہ کو کہتے ہوئے سنا، کنا نغزو مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس لنا نساء فقلنا الا نستخصی فنہانا عن ذالک ثم رخص لنا ان ننکح المراۃ بالثوب الیٰ اجل (مسلم ج ۱ ص ۴۷۰ باب نکاح المتعۃ)

کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ میں شریک تھے ہماری عورتیں ہمارے ساتھ نہیں تھیں۔ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا ہم خصی نہ ہو جائیں تو آپ نے ہمیں منع کیا۔ پھر آپ نے ہمیں رخصت دی کہ ہم عورتوں سے ایک خاص وقت مقرر تک نکاح کر لیں خواہ ان کو ایک کپڑا ہی دے دیں۔

یعنی مہر جتنا میسر ہے وہی دے دیں، خواہ ایک کپڑا ہی بطور مہر ادا کریں۔ حدیث پاک سے ایک تو یہ واضح ہوا کہ یہ حالت اضطرار میں جائز کیا گیا تھا۔ اور دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ یہ نکاح تھا ایک وقت مقرر تک۔ صرف ہیرا منڈی کی طرح اجرت طے کرنے پر اجازت نہیں دی گئی تھی، صرف چند مقرر دنوں تک نفع حاصل کرنے کی وجہ سے نام متعہ پڑ گیا۔

حالت سفر اور میدان جنگ میں زیادہ مال صحابہ کرام کے پاس نہ ہونے کی وجہ سے کم از کم جتنا بھی میسر ہو سکے اتنی مقدار میں مہر ادا کرنے کی اجازت دے دی گئی تھی، اس وقت کم از کم مقدار کی حد جو شریعت نے دس درھم مقرر کی ہے اسے بھی اٹھا لیا گیا تھا۔

حضرت سبرہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں متعہ کی اجازت دی تو میں اور ایک دوسرا شخص بنی عامر قبیلہ کی ایک عورت کے پاس آئے جو جوان اور لمبی گردن والی تھی، ہم نے اپنے آپ کو اس پر (نکاح متعہ کے لئے) پیش کیا۔ تو اس نے کہا تم مجھے کیا دو گے (ان کے پاس سوائے چادروں کے اور کوئی مال نہیں تھا) یہ کہتے ہیں میں نے کہا میں اپنی چادر دوں گا۔ دوسرے میرے ساتھی نے بھی کہا کہ میں اپنی چادر دوں گا۔ اس کی چادر اچھی تھی جب اس نے اسکی چادر کو دیکھا تو اسے وہ چادر پسند آئی

لیکن میں اس سے جوان زیادہ تھا۔جب اس نے میری جوانی کو دیکھا تو میری جوانی کو پسند کرتے ہوئے کہا تم اور تمہاری چادر مجھے کافی ہے اس طرح میں اس کے پاس تین دن ٹھہرا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا۔(مسلم ج ا باب المتعہ)

مشہور حدیثوں سے متعہ کا حرام ہونا ثابت ہے

ان المتعة قد انتسخت فی حیاة النبی صلی الله علیه وسلم فکانت الاحادیث ناسخة (عنایۃ ج ۳ص ۱۵۰ علی فتح القدیر)

بیشک متعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیاۃ طیبہ میں ہی منسوخ ہو چکا ہے۔ احادیث ہی اسکی ناسخ ہیں۔

قال المازری ثبت ان نکاح المتعة کان جائزاً فی اول الاسلام ثم ثبت بالاحادیث الصحیحة المذکورة ہنا انه نسخ (نووی شرح مسلم ج ا ص ۴۷۰)

علامہ مازری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ بیشک نکاح متعہ ابتداء اسلام میں جائز تھا پھر احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ وہ منسوخ ہو چکا ہے۔ناسخ احادیث مسلم شریف میں مذکور ہیں۔

حضرت سبرہ جھنی کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں تھا، آپ نے فرمایا، یا ایها الناس انی قد کنت اذنت لکم فی الاستمتاع من النساء و ان الله قد حرم ذالک الیٰ یوم القیامة (مسلم ج ا باب المتعہ ص ۴۷۱) اے لوگو بیشک میں نے تمہیں عورتوں سے نکاح متعہ کی اجازت دی تھی لیکن بیشک اللہ تعالیٰ نے اسے قیامت تک حرام کر دیا ہے۔

حدیث پاک میں کئی تاکیدوں کو ذکر کیا گیا ہے۔جملہ اسمیہ اور لفظ "ان" جو تاکید کے لئے آتا ہے۔اور ماضی پر لفظ قد ذکر کیا گیا ہے جو تاکید کا معنیٰ دیتا ہے۔پھر قیامت تک حرام ہونے کا ذکر فرما کر تمام اشتباہ ختم فرما دئے۔خیال رہے شراب کا پینا جب جائز تھا اس وقت پینے میں کوئی گناہ نہیں تھا لیکن جب حرام ہو گیا اب پینے میں گناہ ہے۔ گدھے کا گوشت کھانا جب جائز تھا تو کھایا گیا، اب حرام ہو جانے کے بعد کھانا ناجائز ہے اور باعث گناہ ہے۔

متعہ کی منسوخیت پر سب کا اتفاق ہے

و انما اباحہا لھم فی اوقات بحسب الضرورات حتیٰ حرمھا علیہم فی آخر سنۃ فی حجۃ الوداع و کان تحریم تابید لا خلاف فیہ بین الائمۃ و علماء الامصار الا طائفۃ من الشیعۃ (فتح القدیر ج ۳ ص ۱۵۱)

ضرورت کے پیش نظر حالت اضطرار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کو مباح کیا تھا لیکن حج وداع کے سال حرام کر دیا گیا جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو چکا ہے۔ اس کے حرام ہونے میں کسی امام کا اور کسی شہر میں کسی عالم دین کا کوئی اختلاف نہیں سوائے شیعہ کے۔

و انعقد الاجماع علیٰ تحریمہ و لم یخالف فیہ الا طائفۃ من المبتدعۃ (نووی شرح مسلم ج ا ص ۴۷۰)

متعہ کی حرمت پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام امت کا اجماع و اتفاق ہے، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں سوائے ایک گروہ کے جن کا مذہب نیا ایجاد کردہ، من گھڑت اور باطل ہے۔

و کانت الشیعۃ قبل ان یکون ابو جعفر و ھم لا یعرفون مناسک حجہم و حلالھم و حرامھم حتیٰ کان ابو جعفر ففتح لھم و بین لھم مناسک حجہم و حلالھم و حرامھم حتیٰ صار الناس یحتاجون الیھم من بعد ما کانوا یحتاجون الی الناس (اصول کافی ج ۳ ص ۳۸ کتاب الایمان والکفر)

ابو جعفر سے پہلے شیعہ لوگ حج کے احکام اور حلال و حرام کو نہیں جانتے تھے۔ ابو جعفر کے آنے کے بعد حج کے احکام اور حلال و حرام کا شیعہ کو پتہ چلا، پہلے شیعہ دوسرے لوگوں کے محتاج تھے اور ابو جعفر کے آنے کے بعد دوسرے لوگ شیعہ کے محتاج ہو گئے۔ شیعہ کی اپنی معتبر کتاب سے واضح ہو گیا کہ شیعہ مذہب نئی ایجاد ہے۔ نبی کریم علیہ السلام اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں جس شریعت پر عمل ہوتا رہا وہ شیعہ کا مذہب نہیں۔

ابو جعفر سے مراد محمد باقر بن زین العابدین ہیں۔ جن کی وفات ۱۱۴ھ یا ۱۱۸ھ میں ہوئی اس وقت آپ کی عمر اٹھاون سال تھی۔ اگر بالفرض انہوں نے بیس سال کی عمر میں

تبلیغ شروع کی تو اسی سال تک شیعہ دین سے بے خبر رہے اور ۸۰ھ میں شیعہ کو اپنے مذہب کی معمولی سوجھ بوجھ آئی۔ کیونکہ یہ اپنا مذہب حضرت امام جعفر صادق ابن محمد باقر کی طرف منسوب کرتے ہیں جن کی پیدائش ہی ۸۰ھ میں ہوئی۔ (تواریخ از نبراس)
اس طرح فقہ جعفریہ کی ابتداء بقول شیعہ ایک صدی کے بعد ہوئی۔ جو مذہب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایجاد ہوا اس کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔

امام مالک کی طرف متعہ کی حلت کی نسبت باطل ہے

بعض حضرات نے کہا تھا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک متعہ جائز ہے، لیکن اس کا رد کرتے ہوئے ابن ھمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، بنسبتہ الیٰ مالک غلط (فتح القدیر ج ۳ ص ۱۵۰)

اور موطا میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے۔

ان رسول اللہ نھی عن متعۃ النساء یوم خیبر وعن اکل لحوم الحمر الانسیۃ (موطا امام مالک) بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں سے متعہ کرنے اور گھریلو گدھوں کے گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اپنے مذہب کے مطابق ہی اپنی روایات کو اپنے موطا میں درج فرماتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت (جس میں متعہ کی حرمت کا ذکر ہے) کو موطا میں ذکر کرنے سے ہی امام مالک کا مذہب روز روشن کی طرح واضح ہو گیا، جو شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ (ماخوذ از حاشیہ ھدایۃ)

اعتراض:
متعہ کی حرمت میں صحابہ کرام کا اجماع نہیں کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ متعہ کے جواز کے قائل تھے۔ آپ کے اختلاف سے اجماع صحابہ نہ رہا۔

جواب:
وابن عباس رضی اللہ عنہما صح رجوعہ الیٰ قولھم فتقرر الاجماع (ھدایۃ کتاب النکاح)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صحابہ کرام کے مذاہب واقوال کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ آپ سے رجوع کرنا پایہ صحت تک پہنچا ہوا ہے۔ اسلئے آپ کے رجوع سے اجماع صحابہ کرام ثابت ہو گیا۔

عن علی انه سمع ابن عباس یلین فی متعة النساء فقال مهلا یا ابن عباس فان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عنہا یوم خیبر وعن لحوم الحمر الانسیة (مسلم ج ا باب النکاح المتعۃ ص ۴۷۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سنا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے کی طرف میلان رکھتے ہیں تو آپ نے فرمایا، اے ابن عباس اس سے باز آجاؤ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن اس سے (یعنی متعہ سے) اور گھریلو گدھوں کے گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد مصطفوی سنا، فرجع عما کان یعتقده باباحته و کان یقول اللهم انی اتوب الیک من قولی فی المتعة (الهداد حاشیہ ھدایہ اولین ص ۲۹۳) تو متعہ کی اباحت کے اپنے عقیدہ سے رجوع کر لیا اور یہ عرض کرنے لگے، اے اللہ میں نے متعہ کے جواز میں جو کہا تھا اس سے تائب ہو رہا ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کو سنتے ہی رجوع کر لیا تھا یا کچھ دیر بعد۔ جس طرح علامہ ابن ھمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں بیان کیا ہے کہ آپ نے کچھ دیر کے بعد رجوع کیا تھا، لیکن اتنا بالیقین ثابت ہے کہ آپ نے رجوع کر لیا تھا۔ اسلئے تمام صحابہ کرام کا متعہ کے حرام ہونے پر اجماع ہے۔

شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالف کیوں ؟

و العجب من الشیعة انهم اخذوا بقوله و ترکوا مذهب علی رضی الله عنه (مرقاۃ ص ۲۲۰)

شیعہ پر کتنا تعجب ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول پر عمل کیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مذہب کو چھوڑ دیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا پہلا قول جواز کا ہے پھر آپ کا رجوع کرنا بھی ثابت

ہو چکا ہے۔ لیکن پھر بھی شیعہ حضرات اپنی عیاشی کے پیش نظر آپ کے قول کو دلیل بنائے بیٹھے ہیں۔ یعنی کہنے والے نے توبہ کر لی، اپنے قول سے باز آچکے، لیکن حرام کے متوالوں نے ابھی تک آپ کے مرجوع منہ قول کو ہی اپنی حرامکاری کا سہارا بنایا ہوا ہے۔ مقام افسوس یا مقام تعجب یہ ہے کہ دعویٰ یہ ہے کہ ہم شیعان علی ہیں اور محب علی ہیں لیکن یہ حرام کام حضرت علی کے کہنے پر نہیں چھوڑ سکتے۔ بیشک وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہی پیش کر رہے ہیں اور خود بھی آپ کی حرمت کے قائل ہیں لیکن آپ کی بات کو مان کر یہ اپنی عیاشی کو کیسے چھوڑ دیں۔

یہ ہے شیعان علی کی محبت علی، جو زبانی دعوی کے بغیر کچھ بھی نہیں۔

شیعہ کے نزدیک متعہ کرنے والے کو بلند مرتبہ حاصل ہوتا ہے

شیعہ حضراتِ اپنے قول متعہ کے جواز پر ایک حدیث پیش کرتے ہیں جو انکی کتب میں ہی ہے باقی احادیث کی کتب میں اس موضوع قول کا کوئی ثبوت نہیں۔ ان کی پیش کردہ روایت یہ ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من تمتع مرة درجته كدرجة الحسين و من تمتع مرتين درجته كدرجة الحسن و من تمتع ثلاث مرات درجته كدرجة على بن ابى طالب و من تمتع اربع مرات فدرجته كدرجتى (تہذیب الاحکام ج ۷ ص ۲۴۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص نے ایک دفعہ متعہ کیا اسکا مرتبہ امام حسین کے مرتبہ کی طرح ہے اور جس نے دو دفعہ متعہ کیا اس کا مرتبہ امام حسن کی طرح ہے اور جس نے تین دفعہ متعہ کیا اس کا مرتبہ علی المرتضیٰ کے مرتبہ کی طرح ہے اور جس نے چار دفعہ کیا اس کا مرتبہ میرے مرتبہ کی طرح ہے۔

ہیرا منڈی کی طوائف کا کاروبار اور متعہ ایک ہی ہے

چکلہ میں فاحشہ عورتوں کی عصمت فروشی اور شیعہ کے متعہ میں کوئی فرق نہیں، گویا کہ ہیرا منڈی کی سب عورتیں شیعہ مذہب رکھتی ہیں۔

شریعت مصطفوی میں نکاح کے جواز کے لئے گواہوں کی شرط لازم قرار دیکر ہی تو نکاح اور عصمت فروشی میں فرق کیا گیا ہے۔ لیکن متعہ میں جب اس شرط کو ہی نکاح کے جواز

کے لئے نہیں مانا گیا تو متعہ اور حرام کاری میں کیا فرق باقی رہ گیا۔

عن ابی جعفر علیہ السلام قال انما جعلت البینة فی النکاح من اجل الموا ریث (تہذیب الاحکام ج ۷ ص ۲۴۸)

ابو جعفر علیہ السلام کہتے ہیں نکاہ میں گواہ صرف وراثت کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ یعنی وہ نکاح جو بغیر گواہوں کے اجرت طے ہونے پر ہو جائے اس میں وراثت نہیں ملتی ورنہ گواہوں کی کیا ضرورت۔

شادی شدہ عورت سے بھی متعہ جائز ہے

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال قلت انی تزوجت امراۃ متعۃ فوقع فی نفسی ان لھا زوجا ففتشت عن ذالک فوجدت لھا زوجاً فقال و لم فتشت (الاستبصار ج ۳ ص ۱۵۱)

کسی شخص نے ابو عبداللہ یعنی امام جعفر علیہ السلام سے پوچھا کہ میں نے ایک عورت سے متعہ کیا تو میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس کا تو خاوند بھی ہے یعنی شادی شدہ ہے، وہ شخص کہتا ہے کہ میں نے اسکے متعلق تفتیش کی تو پتہ چلا کہ ہاں واقعی یہ تو شادی شدہ ہے۔ اس سوال کے جواب میں امام نے کہا تجھے تفتیش کرنے کی ضرورت تھی۔ یعنی شادی شدہ عورت سے بغیر تفتیش کرنے کے متعہ کر لے تو جائز ہے۔

شیعہ کے متعہ میں شریعت کی اس حد کو بھی ختم کر دیا گیا کہ اس عورت سے نکاح جائز نہیں جس کا خاوند پہلے ہی موجود ہے۔ شیعہ کے متعہ نے اس حد کو پامال کر کے فحاشی کو عام کر دیا۔

متعہ کی اسلام میں کوئی حد نہیں

قرآن پاک میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے "ولا تنکحوا المشرکات حتیٰ یؤمن" مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔

لیکن شیعہ حضرات کے متعہ میں عورت کا مسلمان ہونا کوئی ضروری نہیں بلکہ مشرکہ سے بھی متعہ جائز ہے۔

محمد بن سنان نے امام موسیٰ رضا سے اسی مسئلہ کے متعلق سوال کیا،

سالتہ عن نکاح الیہودیۃ و النصرانیۃ فقال لا باس فقلت فمجوسیۃ فقال لا باس بہ

یعنی متعۃ (الاستبصار ج ۳ ص ۱۴۴)

محمد بن سنان نے کہا میں نے امام موسیٰ رضا سے یہودیہ، نصرانیہ عورت سے نکاح کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کوئی حرج نہیں۔ میں نے کہا مجوسیہ کے متعلق کیا حکم ہے۔ انہوں نے کہا اس سے متعہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

مجوسیہ بالاتفاق مشرکہ عورت ہے کیونکہ آتش پرست ہے، اس سے بھی متعہ کو جائز کرکے اسلام کی حد کو ختم کرکے عیاشی کو اور عام کر دیا۔

متعہ میں گواہوں کی ضرورت نہیں

جیسا کہ ایک حوالہ ایک دوسرے مسئلہ کے ضمن میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ شیعہ حضرات کے نزدیک متعہ میں گواہوں کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح ایک دو عبارتیں ان کی کتب سے ہی اور پیش نظر رہیں۔

○ عن مسلم بن بشير عن ابى عبد الله عليه السلام قال سالته عن رجل تزوج امراة و لم يشهد فقال اما فيما بينه و بين الله عزو جل فليس بعد شيئى و لكن ان اخذه سلطان جائر عاقبه (من لا يحضره الفقيه ج ۳ ص ۲۵۱)

مسلم بن بشیر کہتے ہیں ابو عبداللہ امام جعفر سے کسی آدمی نے سوال کیا کہ ایک عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔ تو امام نے جواب دیا، اس آدمی اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو معاملہ اس میں تو کچھ نہیں یعنی کوئی گناہ نہیں، البتہ ظالم بادشاہ کو اگر پتہ چلا تو وہ سزا دے گا۔

یعنی متعہ بغیر گواہوں کے کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ اگر کسی نیک حاکم کو پتہ چلا تو وہ بھی اس پر خوش ہوگا کیونکہ متعہ کرنے والا مقام حسینیت پر جو فائز ہو رہا ہے۔ ہاں البتہ اگر کسی ظالم بادشاہ کو پتہ چلا تو وہ سزا دے گا۔ کیونکہ ظالم کو متعہ کے اجر و ثواب کا پتہ نہیں ہوگا۔

○ عن زراره بن اعين قال سئل ابو عبد الله عليه السلام عن الرجل يتزوج المراة بغير شهود فقال لا باس بتزويج البتة فيما بينه و بين الله انما جعل الشهود فى تزويج البتة من اجل الولد لو لا ذالك لم يكن به باس (فروع کافی، کتاب النکاح ج ۵ ص ۳۸۱)

زرارہ نے کہا امام جعفر سے سوال کیا گیا کہ اگر کسی شخص نے بغیر گواہوں کے نکاح

کر لیا تو اس میں کیا حکم ہے؟ تو آپ نے کہا کہ اس میں بالکل یقیناً کچھ گناہ نہیں (لفظ البتہ۔کلام کو یقینی بنانے کے لئے اور زور پیدا کرنے کے لئے آتا ہے) گواہ تو صرف اس نکاح میں ہوتے ہیں جس میں اولاد کی خواہش ہو۔ اگر اولاد کے لئے نکاح نہیں کیا گیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

متعہ میں عورتوں کی تعداد کی حد نہیں

اسلام نے عورتوں کی نکاح میں ایک حد تک تعداد کو معین و محدود کر دیا ہے کہ ایک وقت میں چار سے زیادہ نکاح نہیں کر سکتے لیکن متعہ میں کوئی حد نہیں۔
مثلاً ایک عورت سے چند دنوں کے لئے متعہ کی اجرت مقرر ہو گئی اسی مدت میں جتنی اور عورتوں سے چاہے ان کے ساتھ بھی اجرت طے کر لے اور متعہ کرتا رہے۔

عن ابی بصیر قال سئل ابو عبد اللہ علیہ السلام عن المتعۃ اھی من الاربع فقال لا و لا عن السبعین (من لایحضرہ الفقیہ ج ۴ ص ۲۹۱)

ابو بصیر نے کہا امام جعفر سے متعہ کے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا یہ صرف چار عورتوں سے جائز ہے تو آپ نے کہا نہیں، یہ تو ستر عورتوں پر بھی بند نہیں۔
یعنی متعہ جب عیاشی و فحاشی کا دوسرا نام ہے تو اس میں حد کی پابندی کیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے متعہ کو حرام قرار دیا تو اسکے باوجود عیاشی کے لئے جائز رکھا گیا ہے تو اب تعداد کو محدود کر دینے سے فحاشی کو بھی محدود کر دینے سے کیا فائدہ ہوگا۔ جب گناہ ہی کرنا ہے تو خوب سیر ہو کر کیا جائے۔

متعہ میں ضروری صرف اجرت ہے

عن زرارہ عن ابیہ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام ذکر لہ المتعۃ اھی من الاربع قال تزوج منھن الفاً فانھن مستاجرات (الاستبصار ج ۳ ص ۱۴۷)

زرارہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ امام جعفر سے متعہ کے متعلق سوال ہوا کہ کیا یہ صرف چار سے جائز ہے۔ انہوں نے کہا خواہ ہزار عورتوں سے متعہ کر لو وہ تو صرف اجرت سے حاصل کی ہوئی ہیں۔
یعنی صرف اجرت طے ہو جائے متعہ کے لئے تو یہ ضروری ہے تعداد کی حد مقرر نہیں۔

متعہ میں اجرت کی بھی کوئی حد نہیں

شریعت نے عورت کو اعزاز بخشنے کے لئے مہر کی کم از کم ایک حد مقرر کر دی ہے تاکہ اس سے کم ہو کر عورت کی حقارت پر دلالت نہ کرے۔ اور زیادہ حد مقرر نہیں کی تاکہ اغنیاء اپنی وسعت کے مطابق جتنی مقدار میں ادا کر سکیں اسی مقدار پر مقرر کر لیں۔

لیکن شیعہ کے متعہ میں اجرت کی بھی کوئی حد نہیں، جتنی چاہیں اجرت مقرر کر لیں۔ کیونکہ آسانی بھی اسی میں ہے تمام حدود و قیود کو اٹھا کر ہی تو آسانی پیدا کی جا سکتی ہے۔

سالت ابا عبد اللہ علیہ السلام عن الرجل یتزوج علیٰ عود واحد قال لا باس ولکن اذا فرغ فلیحول ولا ینظر (تہذیب الاحکام ج ۲ ص ۲۶۷، الاستبصار ج ۳ ص ۱۵۱)

احول نے کہا کہ میں نے امام جعفر سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص ایک لکڑی (یعنی جلانے کے لئے ایک حقیر سی لکڑی) دے کر متعہ کر لے تو اس کا کیا حکم ہے۔ انہوں نے کہا کوئی حرج نہیں البتہ فارغ ہو کر واپس آجائے پیچھے پھر کر نہ دیکھے۔

قال قلت لابی عبد اللہ علیہ السلام ادنیٰ ما یتزوج بہ المتعۃ قال کف من بر (تہذیب الاحکام ج ۷ ص ۲۶۳)

احول نے کہا میں نے امام جعفر سے پوچھا کہ متعہ میں کم از کم کتنی اجرت ہونی چاہیئے انہوں نے کہا خواہ ایک مٹھی بھر گندم ہی دے دے۔

متعہ میں بغیر تفتیش کے صرف عورت کی بات مان لی جائے

متی اراد الرجل تزویج المتعۃ فلیس علیہ التفتیش عنہا بل یصدقہا فی قولہا (تہذیب الاحکام ج ۷ ص ۲۵۳، الاستبصار ج ۳ ص ۱۴۳)

جب کوئی شخص متعہ کرنا چاہے تو اس پر تفتیش کرنا لازم نہیں صرف اس عورت کی بات تسلیم کر لے۔

یعنی اگر کسی عورت نے کہہ دیا، میں شادی شدہ نہیں تو بس اس کا کہنا کافی ہے بلکہ یہ سوال بھی ضروری نہیں جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ اسی طرح کوئی عورت یہ کہہ دے کہ میں تمہاری ماں، میں تمہاری بہن نہیں تو بس اس کا کہنا کافی۔

مقام تفکر:

کیا شیعہ حضرات متعہ سے خود ہی حسین و حسن رضی اللہ عنہما و علی رضی اللہ عنہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ جیسا درجہ حاصل کرنا چاہتے ہیں یا اپنی بیویاں، مائیں، بہنیں اور بیٹیاں دوسروں پر متعہ کے لئے پیش کر کے ان کو بھی یہ بلند و بالا مرتبہ بخشنا چاہتے ہیں ؟؟؟

متعہ اور بدکاری میں فرق کیا

متعہ جب شیعہ حضرات کے نزدیک ابھی تک جائز ہے، منسوخ نہیں ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حرام ہونے کے قائل ہیں تو کیا؟ متعہ میں گواہ ہونے ضروری نہیں۔ شادی شدہ سے بغیر تفتیش کے متعہ جائز۔ صرف عورت کی بات کو تسلیم کر کے بغیر تفتیش کے متعہ جائز۔ عورت کا مسلمان ہونا ضروری نہیں۔ کتنی عورتوں سے متعہ کرے کوئی تعداد مقرر نہیں۔ جتنی اجرت چاہے مقرر کر لے۔ بس صرف اجرت اور وقت مقرر ہو۔ مرد اور عورت اکیلے ہی طے کر لیں تو کافی ہے معاذاللہ ایسا شخص مقام حسینیت و حسنیت اور علویت و محمدیت کو پالے گا۔

اگر یہی متعہ ہے تو بدکاری کس چیز کا نام ہے! صرف جبراً بدکاری ناجائز ہوگی، صلح سے رقم طے ہونے پر جائز؟ ویسے شیعہ حضرات کا مذہب ہی عیاشی پر مبنی اور بدکاریوں کا جامع ہے۔ ذرا ایک اور مسئلہ دیکھیں،

عن عبد الله بن ابی یعفور قال سالت اباعبد الله علیه السلام عن الرجل یاتی امراة فی دبرها قال لاباس به اذا رضیت (تہذیب الاحکام ج ۷ ص ۴۶۰)

عبداللہ بن یعفور نے کہا ہے کہ امام جعفر سے پوچھا گیا کہ کسی نے اپنی عورت سے لواطت کر لی تو اسکا کیا حکم ہے؟ امام نے جواب دیا اگر عورت اس پر راضی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

شیعہ مذہب کی ابتدا ہی یہودی سازش کا نتیجہ ہے

شیعہ مذہب کی ابتدا کہاں سے ہوئی اور ان کا تقیہ کا کیا حکم وغیرہ کئی ایک مسائل پر مشتمل ایک رسالہ حضرت شیخ الاسلام خواجہ قمرالدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جس

کا نام " مذہب شیعہ " ہے۔اس رسالہ کا رد کرنے کی مذموم سعی ایک شیعہ عالم محمد حسین ڈھکو نے کی جس کا رد استاذی المکرم حضرت علامہ مولنا محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی نے کیا اور اسکے پیش کردہ ناقص دلائل کے شاندار مدلل طریقہ سے جوابات دیئے۔ اس کتاب یعنی تحفہ حسینیہ پڑھنے سے شیعہ مذہب کے متعلق کافی حد تک معلومات حاصل ہو جائیں گی۔

سب سے پہلے جس شخص نے خلفاء راشدین کے متعلق غصب خلافت کا قول کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلافصل ثابت کرنے کی کوشش کی وہ ایک یہودی تھا جس کا نام عبداللہ بن سبا تھا، جو امیرالمؤمنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں تقیہ کر کے مدینہ منورہ آیا تھا اور اسلام ظاہر کیا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بالخصوص خلفاء راشدین سابقین کے خلاف خفیہ طور پر سب (گالی) بکنا شروع کیا۔ پھر جب مدینہ منورہ سے نکالا گیا تو مصر میں جا کر ایک گروہ اپنا ہمنوا بنالیا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا اور بالآخر ایسا فتنہ برپا کیا جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔(مذہب شیعہ، تحفہ حسینیہ ج ۳ ص ۸۹)

خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے شیعہ کی کتاب نوائخ التاریخ سے یہ ثابت کیا اور شیعہ کی کتاب کی اصل عبارت فارسی میں بھی ذکر کی اور اسکا ترجمہ پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں، یہ عبارت نقل کرنے سے چند گذارشات کرنا مقصود ہیں۔

(۱) رجعی مذہب سب سے پہلے جس شخص نے دنیا میں پیدا کیا وہ عبداللہ بن سبا یہودی ہے۔

(۲) خلفاء راشدین کے متعلق غاصب کہنا اور انکی خلافت کو ناحق قرار دینے کی ابتدا عبداللہ بن سبا سے ہوئی۔

(۳) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کا سب سے پہلا علمبردار بھی یہی عبداللہ بن سبا ہے۔(مذہب شیعہ، تحفہ حسینیہ ج ۳ ص ۹۲)

شیعہ کے مجتہد اعظم ملا باقر مجلسی نے اپنی کتاب حق الیقین ص ۱۵۰ مطبوعہ ایران میں مقصد نہم اسی عقیدہ رجعت کے ثبوت میں انتہائی زور و شور کے ساتھ لکھا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے،

بداں کہ از جملہ اجماعیات شیعہ بلکہ ضروریا مذہب حق فرقہ محقہ حقیت رجعت است۔
یعنی جاننا چاہیئے کہ منجملہ ان اعتقادیات کہ جن پر تمام شیعوں کا اجماع ہے بلکہ ان کے مذہب کے ضروریات میں سے ہے۔ وہ عقیدہ رجعت کی حقانیت کا اعتراف واقرار ہے۔
اب اہل دانش و بینش کے نزدیک یہ بات روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہو گئی کہ مسئلہ رجعت کا ظاہر کرنے والا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بلا فصل کہنے والا اور خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق ظلم اور غصب کی نسبت کرنے والا سب سے پہلا شخص عبداللہ بن سبا کے عقیدے شیعوں کی ضروریات دین میں سے ہیں اور شیعوں کے مجمع علیہ عقائد میں سے ہیں جیسے کہ من لایحضرہ الفقیہ میں شیعہ کے شیخ صدوق نے کہا اور ملا باقر مجلسی نے اس کا ترجمہ نقل کرتے ہوئے کہا "ہر کہ ایماں برجعت ندارد از مانیست" جس شخص کا عقیدہ رجعت پر ایمان نہیں ہے وہ ہم (شیعہ) سے نہیں ہے۔ (مذہب شیعہ، تحفہ حسینیہ ج ۳ ص ۹۳)

مسئلہ رجعت کیا ہے

مسئلہ رجعت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پھر واپس لوٹ کر آئیں گے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے) عبداللہ بن سبا یہودی آدمی تھا جس نے حضرت امیر عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اسلام ظاہر کیا اور پہلی کتابوں اور صحیفوں کا اچھا عالم تھا جب مسلمان ہوا تو امیر عثمان (رضی اللہ عنہ) کی خلافت اس کے دل کو پسند نہ آئی، لھذا اس نے مجالس اور محافل میں بیٹھ کر حضرت امیر عثمان (رضی اللہ عنہ) کے متعلق بد گوئیاں اور شکوہ و شکایات شروع کر دیں اور برے اعمال و اخلاق جو کچھ بھی اس کے بس میں تھا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنے لگا۔
جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ بات پہنچائی گئی تو آپ نے فرمایا، یہ یہودی ہے کون؟ اور آپ نے حکم دیا کہ اسے مدینہ منورہ سے نکال دیں۔ چنانچہ عبداللہ بن سبا مصر پہنچ گیا اور چونکہ آدمی عالم اور دانا تھا، لھذا لوگوں کا اس پر جمگھٹا ہونے لگا اور لوگوں نے اسکی تقریروں پر یقین کرنا شروع کر دیا تو ایک دن اس نے کہا، ہاں اے لوگو تم نے شاید سن رکھا ہوگا کہ عیسائی لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

اس جہان میں دوبارہ آئیں گے (رجعت فرمائیں گے) جیسا کہ ہماری شریعت میں بھی یہ بات محقق ہے تو جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ آسکتے ہیں تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو ان سے مرتبہ میں بہت زیادہ ہیں کس طرح دوبارہ تشریف نہ لائیں گے (یعنی آپ بھی رجعت فرمائیں گے) اور اللہ تعالیٰ بھی قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ جس ذات نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے وہ یقیناً آپ کو آپ کے اصلی وطن کی طرف لوٹائے گی۔

جب اس عقیدہ کو لوگوں کے دلوں میں راسخ اور پختہ کر چکا تو کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اس دنیا میں بھیجے ہیں اور ہر ایک پیغمبر کا ایک وزیر اور خلیفہ تھا تو یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام دنیا سے تشریف لے جائیں علی الخصوص جبکہ وہ صاحب شریعت ہوں اور اپنا نائب اور خلیفہ مقرر نہ فرمائیں اور امت کا معاملہ یوں ہی چھوڑ دیں۔

لہٰذا یقیناً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی اور خلیفہ علی علیہ السلام ہیں۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے "انت بمنزلة هارون من موسیٰ" یعنی تو میرے نزدیک ایسا ہے جیسے ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک تھے۔ اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ حضرت علی حضور محمد کریم علیہ السلام کے خلیفہ ہیں اور عثمان (رضی اللہ عنہ) نے اس منصب کو غصب کرلیا ہے اور اپنی ذات کے ساتھ مخصوص ٹھہرالیا ہے اور (حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ) عمر بن خطاب نے بھی ناحق منصب خلافت کو مجلس شوریٰ کے سپرد کردیا۔ (مذہب شیعہ، تحفہ حسینیہ ص ۹۱، ۹۲)

اصل میں یہ ترجمہ ہے اس عبارت کا جو حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے شیعہ کی کتاب نواسخ التاریخ جلد دوم کتاب دوم ص ۵۲۴ سطر نمبر ۶ مطبوعہ ایران ۱۳۰۵ھ سے اصل عبارت فارسی میں اپنی کتاب مذہب شیعہ میں نقل کرنے کے بعد ترجمہ فرمایا ہے، راقم نے صرف ترجمہ نقل کیا ہے یہاں سے اتنا واضح ہوگیا کہ شیعہ مذہب کا اصل موجد اور بانی عبداللہ بن سبا یہودی ہے جو منافقانہ طور پر ایمان لاکر اسلام میں رخنہ اندازی اور اختلاف پیدا کرنے کا سبب بنا۔

شیعہ کے علامہ کشی نے اپنے رجال میں یہ حقیقت تسلیم کرلی ہے کہ واقعی مذہب تشیع کا بانی اور معمار اول عبداللہ بن سبا یہودی ہی ہے، انکی عبارات ملاحظہ فرمائیں اور حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے دعوی کی تصدیق فرمائیں۔

(۱) کان اول من اشھر القول بفرض امامۃ علی- وہی پہلا شخص تھا جس نے امامت علی کے عقیدہ کی فرضیت ولزوم کو مشہور کیا۔

(۲) کان یقول وھو علی یھودیۃ فی یوشع بن نون وصی موسیٰ بالغلو فقال فی اسلامہ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی علی علیہ السلام مثل ذالک (رجال کشی)

عبداللہ بن سبا جس وقت یہودی مذہب پر تھا، تو غلو سے کام لیتے ہوئے حضرت یوشع بن نون کو وصی موسیٰ کہا کرتا تھا۔ تو جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اسلام کا اظہار کیا تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں اس طرح کہا۔ یعنی غلو سے کام لے کر انہیں وصی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا۔

(۳) واظہر البراۃ من اعدائہ وکاشف مخالفیہ وکفرھم- یعنی عبداللہ بن سبا پہلا شخص وہ ہے جس نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مخالفین سے برات کا اظہار کیا اور ان پر طعن و تشنیع سے کام لیا بلکہ انکی تکفیر کی۔

اور یہی تین امور عقیدہ امامت کی فرضیت، وصی رسول اللہ ہونے کا عقیدہ، اور تبرا ہی اہل تشیع کے بنیادی عقیدے ہیں۔

علاوہ ازیں بقول صاحب نواسخ التاریخ نے اس کا ایمان لانا خلافت عثمان میں ثابت کیا اور اسکا ظاہری طور پر تولیٰ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت کیا ہے۔ شیعہ کے مذہب کی بنیادی چوتھی چیز تولیٰ کا موجد بھی عبداللہ بن سبا یہودی، منافق ہی ہے۔ (از تحفہ حسینیہ ج ۳ ص ۹۷، ۹۸)

شیعہ کی احادیث کے راوی شیعہ کی نظر میں

احادیث کی صحت اور انکے مستند ہونے میں دارومدار راوی کے ثقہ ہونے پر ہے۔

شیعہ احادیث کے معتبر راوی محمد بن مسلم، جابر بن یزید، زرارہ اور ابو بصیر ہیں، یہ کتنے ثقہ ہیں ان کے متعلق شیعہ حضرات کی کتب کیا بیان کرتی ہیں۔

محمد بن مسلم:

اس کا اپنا یہ دعوی ہے کہ امام باقر سے تیس ہزار حدیثیں میں نے سنیں اور امام باقر سے باقاعدہ سولہ ہزار حدیثوں کی تعلیم حاصل کی (رجال کشی ص ۱۰۹) لیکن اس راوی کا حال دیکھیں اور خود سوچیں کہ اس شخص کی روایات بھی قابل قبول ہو سکتی ہیں۔

عن منفضل بن عمر قال سمعت اباعبد الله یقول لعن الله محمد بن مسلم کان یقول ان الله لایعلم شیئاً حتیٰ یکون (رجال کشی ص ۱۱۳)

منفضل بن عمر نے کہا، میں نے امام جعفر صادق کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ محمد بن مسلم پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو وہ یہ کہتا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی چیز کو نہیں جانتا جب تک وہ واقع نہ ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسا عقیدہ رکھنے والا اور امام جعفر کے نزدیک ملعون بھی ثقہ راوی ہو سکتا ہے؟

جابر بن یزید:

عن جابر بن یزید الجعفی قال حدثنی ابو جعفر بسبعین الف حدیث- جابر کہتا ہے ابو جعفر یعنی امام باقر نے ستر ہزار احادیث مجھے بتائیں۔ (رجال کشی ص ۱۲۸) لیکن یہ شخص امام جعفر کے نزدیک جھوٹا ہے۔ جھوٹے شخص کی روایات کا کیا حال ہوگا۔

عن زرارہ قال سئلت ابا عبد الله عن جابر فقال ما رایته عند ابی قط الا مرۃ واحدۃ و ما دخل علی قط (رجال کشی ص ۱۲۶)

زرارہ نے کہا میں نے جابر کے اس دعوی کے متعلق امام جعفر سے پوچھا، انہوں نے کہا کہ میں نے تو اسے اپنے والد (یعنی امام باقر) کے پاس صرف ایک مرتبہ دیکھا ہے اور میرے پاس تو وہ کبھی آیا ہی نہیں۔

زرارہ:

اس شخص کے اپنے متوسلین کا دعویٰ یہ ہے، "قال اصحاب زرارۃ من ادرک زرارۃ بن اعین فقد ادرک اباعبد الله" زرارہ کے اصحاب نے کہا ہے کہ جس شخص نے زرارہ بن اعین کو پالیا اس نے گویا امام جعفر صادق کو پالیا۔

لیکن یہ شخص بھی شیعہ کتب کی روشنی میں گمراہ ہے جب گمراہ تو راوی کیسے؟

یہ حکم ایسی جماعت کے حق میں ہے جن کی ضلالت پر صحابہ (اصحاب) کا اجماع ہے جیسا کہ زرارہ اور ابو بصیر۔ (حق الیقین اردو ص ۷۲۲)

ابو بصیر:

اس کا گمراہ ہونا حق الیقین کے حوالہ سے واضح ہو چکا ہے۔ اور امام جعفر اس کو اپنے پاس آنا پسند نہیں فرماتے تھے اور یہ معاذاللہ امام جعفر کو لالچی سمجھتا تھا یہ کیسا راوی ؟

جلس ابو بصیر علیٰ باب ابی عبد اللہ علیہ السلام لیطلب الاذن و لم یؤذن لہ فقال لو کان معنا طبق للاذن (رجال کشی ص ۱۱۶) ابو بصیر ایک مرتبہ امام جعفر کے دروازہ پر اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کر رہا تھا لیکن اسے اجازت نہیں دی گئی۔ یہ کہنے لگا، میرے پاس (مٹھائی وغیرہ کا) تھال ہوتا تو اجازت مل جاتی۔

جس شخص کا اپنے امام کے متعلق یہ خیال ہو اور امام بھی اسے پسند نہ کرتا ہو وہ راوی کیسا ہو گا۔ جس مذہب کی ابتدا اور اسکی احادیث کے راویوں کا یہ حال ہو تو اس میں عورتوں سے متعہ اور لواطت کے جواز کا ثبوت ملنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ گویا اس مذہب میں عورتوں کو حقیر سمجھا گیا ہے اور ان کی ذلت کو یہ مذہب ثابت کرتا ہے۔

عورتوں سے بیعت لینا

یاایہاالنبی اذا جاءک المؤمنات یبایعنک-تا-ان اللہ غفور رحیم (پ ۲۸ع ۸)

اے نبی جب تمہارے حضور مسلمان عورتیں حاضر ہوں اس پر بیعت کرنے کو کہ اللہ کا کچھ شریک نہ ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ وہ بہتان لائیں گی جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان یعنی موضع ولادت میں اٹھائیں، اور کسی نیک بات میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور اللہ سے انکی مغفرت چاہو۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

عورتوں سے بیعت صرف کلام سے لی جائے

ان بیعۃ النساء بالکلام من غیر اخذ کف (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۱۳۹)

بیشک عورتوں سے بیعت صرف کلام سے لی جائے، ان کے ہاتھ کو پکڑ کر ان سے بیعت نہ لی جائے۔

عورتوں سے کپڑے کے واسطہ سے بیعت لینا جائز ہے

روی انہ صلی اللہ علیہ وسلم بایع النساء و بین یدیہ و بین ایدیھن ثوب و کان یشترط علیھن کمافی الخطیب و مثلہ فی ابی السعود (حاشیہ جلالین ص ۴۵۸)

یہ بھی روایت آتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے بیعت لی تو آپ کے ہاتھ مبارک اور عورتوں کے ہاتھوں میں ایک کپڑا تھا اور آپ ان سے مذکورہ شرائط پر بیعت لے رہے تھے۔

و اختلفوا فی کیفیۃ المبایعۃ فقالوا کان یبایعن و بین یدہ و ایدیھن ثوب (تفسیر کبیر)

اس میں اختلاف ہے کہ وہ بیعت کیسے لی گئی، بعض حضرات نے یہ بھی کہا کہ آپ عورتوں سے بیعت لے رہے تھے آپ کے ہاتھ مبارک اور عورتوں کے ہاتھوں کے درمیان کپڑا تھا۔

وروی انہ علیہ السلام بایعھن و بین یدیہ و ایدیھن ثوب قطری و القطر بالکسر ضرب من البرد و یاخذ بطرف منہ و یاخذن بالطرف الاخر توقیاً عن مساس ایدی الاجنبیات (روح البیان)

روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے جب بیعت لے رہے تھے تو آپ کے ہاتھ اور عورتوں کے ہاتھوں کے درمیان قطری کپڑا تھا۔ قطر کے قاف کے نیچے زیر ہے اور یہ ایک خاص قسم کا سوتی کپڑا تھا۔ ایک طرف سے کپڑے کو آپ نے پکڑا ہوا تھا اور دوسری جانب سے عورتوں نے تاکہ اجنبی عورتوں کے جسموں کو ہاتھ نہ لگے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عورتوں سے بیعت لینے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا،

ما مس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ امراۃ قط (مسلم ج ۲ باب کیفیتہ بیعۃ النساء) نبی کریم علیہ السلام نے کبھی بھی کسی عورت کے ہاتھ کو ہاتھ نہیں لگایا۔

اجنبی عورت کے جسم کو ہاتھ لگانا کب جائز ہے؟

وانہ لا یمس بشرۃ الاجنبیۃ من غیر ضرورۃ کتطبب وفصد وحجامۃ وقلع ضرس وکحل عین ونحو ہا مما لا توجد امراۃ تفعلہ جاز للرجل الاجنبی فعلہ للضرورۃ (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۱۳۹)

اجنبی عورت کے جسم کو بغیر ضرورت کے ہاتھ نہ لگایا جائے، البتہ ضرورت کے پیش نظر اجنبی مرد اجنبی عورت کے ہاتھ جسم کو ہاتھ لگا سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے بھی شرط یہ ہے کہ وہ کام کرنے کے لئے عورت نہ مل سکے۔ ضروریات یہ ہیں علاج کرتے وقت، خون نکالتے وقت، آپریشن کرتے وقت، آنکھ میں دوا ڈالتے وقت اس قسم کی اور ضروریات کے وقت ہاتھ لگانا جائز ہے۔

فائدہ:

وفیہ ان کلام الاجنبیۃ یباح سماعہ عند الحاجۃ (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۱۳۹)
عورتوں سے کلام سے بیعت لینے سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ اجنبی عورت کی آواز بوقت ضرورت سننا جائز ہے۔

مردوں کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کی جائے

ان بیعۃ الرجال باخذ الکف مع الکلام (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۱۳۹)

بیشک مردوں کا ہاتھ پکڑ کر ان سے بیعت لی جائے، یعنی ان سے وعدہ لیا جائے کہ و
دین متین پر قائم رہیں گے اور جہاد میں شریک ہوں گے وغیرہ۔

آیۂ کریمہ کی وضاحت

جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور دھڑا دھڑ لوگ حضور کی بیعت کر کے مشرف باسلام ہونے لگ
تو مکہ مکرمہ کی عورتیں بھی بیعت کے لئے حاضر ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۔
حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو عورتوں کی بیعت لینے پر مقرر فرمایا اور جن باتو
کا اس آیت میں ذکر ہے ان پر عمل کرنے کا ان سے پختہ وعدہ لیا۔ حضور علیہ الصلو
والسلام نے عورتوں کی بیعت لی، لیکن کسی عورت سے بیعت لیتے وقت مصافحہ
کیا۔ کبھی زبانی ان امور کی پابندی کا وعدہ لیا، کبھی پانی سے بھرے ہوئے پیالہ میں اپ
دست مبارک ڈالا اور اس کے بعد بیعت کرنے والی عورتوں کو اپنا ہاتھ رکھنے کا حک
دیا۔ کبھی کپڑا دست مبارک میں لے کر عورتوں سے بیعت لی۔

جن امور پر بیعت لی گئی ان میں سرفہرست یہ ہے کہ وہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کا شریک
نہیں ٹھہرائیں گی۔ دوسری بات یہ کہ وہ چوری نہیں کریں گی۔ تیسری بات یہ ہے کہ
وہ بدکاری نہیں کریں گی۔ چوتھی بات یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گ
کیونکہ عرب معاشرہ میں اپنی بچیوں کو زندہ در گور کر دینا وجہ عزت و فخر تھا۔ نیز کئی لوگ
بھوک سے تنگ آکر بھی اپنی اولاد کو مار ڈالتے تھے۔ اسی میں اسقاط حمل بھی داخل ۔
جب اس میں جان پڑ چکی ہو۔ جائز اور ناجائز دونوں حمل کے اسقاط کا ایک ہی حکم ہے
شریعت اسلامیہ میں اس کو قتل شمار کیا جاتا ہے۔ پانچویں بات جس سے منع کیا گ
ہے وہ یہ ہے کہ عورتیں اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے آگے کوئی الزام اور بہتان تراشی
کریں۔ اسکی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔

کسی سے نوزائیدہ بچے کو اچک کر اپنی گود میں ڈال لینا اور پھر یہ دعوی کرنا کہ یہ میرا بچ
ہے۔ اس طرح بدکاری سے جو حمل قرار پائے اسے اپنے خاوند کی طرف منسوب کر دینا
نیز کسی دوسری عورت پر بدفعلی کا الزام لگانا، یہ تمام صورتیں اس آیت میں داخل ہیں
اور اسلام نے ان تمام مذموم حرکتوں سے باز رہنے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے۔ چھٹی بات
یہ ہے جس کی پابندی کا ان سے وعدہ لیا جا رہا ہے کہ ہر نیک کام جس کا حضور حکم دیں

گے وہ اسکی نافرمانی نہیں کریں گی۔

فقہاء اسلام نے "فی معروف" کی قید سے یہ قانون اخذ کیا ہے کہ حاکم وقت کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ شریعت اسلامیہ کے کسی قانون کے خلاف کوئی حکم صادر کرے۔اسی طرح کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی حاکم کی فرمانبرداری میں اللہ اوراسکے رسول کی نافرمانی کا مرتکب ہو۔(ضیاء القرآن)

ماتم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا

فائدہ:

شیعہ حضرات کے معتبر عالم ابوالحسن علی بن ابراھیم قمی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ولا یعصینک فی معروف (اور آپ کی اچھے کاموں میں نافرمانی نہیں کریں گی) کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

فقامت ام حکیم ابنۃ الحارث ابن عبد المطلب فقالت یا رسول اللہ ما ھذا المعروف الذی امرنا اللہ بہ ان لا نعصیک فیہ ؟ فقال ان لا تخمشن وجھاً ولا تلطمن خداً ولا تنتفن شعراً ولا تمزقن جیباً ولا تسودن ثوباً ولا تدعون بالویل والثبور ولا تقمن عند قبر فبایعہن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ ھذہ الشروط (تفسیر قمی ج ۲ ص ۳۶۴)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان عورتوں سے وعدہ لینے کے لئے یہ ارشاد فرمایا " ولا یعصینک فی معروف " تو آپ کے چچا حارث بن عبدالمطلب کی بیٹی ام حکیم کھڑی ہوئیں اور عرض کرنے لگیں یارسول اللہ وہ کیا اچھے کام ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ان میں آپ کی نافرمانی نہ کریں۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم یہ وعدہ کرو کہ تم اپنے چہرہ کو نہیں خراشو گی اور اپنے رخساروں پر طمانچے نہیں مارو گی اور بال نہیں اکھیڑو گی اور گریبان نہیں پھاڑو گی اور کپڑے نہیں سیاہ کرو گی اور کسی کے لئے ہلاکت و بربادی کی دعا نہیں کرو گی اور کسی قبر پر نہیں کھڑی ہو گی۔

جب عورتوں نے ان شرائط پر قائم رہنے کا آپ سے وعدہ کر لیا تو آپ نے ان کو بیعت کر لیا۔

شیعہ حضرات کی اپنی معتبر تفسیر سے واضح ہو گیا کہ شیعہ میں تمام پائی جانے والی خرابیوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا تھا۔

مصیبت کو برداشت کر کے صبر کرنا چاہیئے، لیکن اگر کوئی شخص مصیبت کے وقت اپنے چہرے کو ناخنوں سے چھیلے اور چہرے پر طمانچے لگائے اور اپنے بال کھینچ کھینچ کر اکھیڑ دے اور پیٹ پیٹ کر اپنے گریبان پھاڑ دے اور کپڑے سیاہ کر کے پہنے اور لوگوں کے لئے ہلاکت و بربادی کی دعا کرے اور قبروں پر جا کر واویلا کرے تو وہ برے کام کر رہا ہے کیونکہ اچھے کام یہ ہیں کہ ان برائیوں کا ارتکاب نہ کیا جائے۔

شہداء کربلا کا سب سے پہلا ماتم یزیدی خاندان نے کیا

شیعہ کے معتبر عالم ملا باقر مجلسی تحریر فرماتے ہیں، چوں مخدرات اہل بیت عصمت و طہارت داخل خانہ آں لعین شدند زنان آل ابی سفیان زیور ھائی خود را بکند ولباس ماتم پوشیدند و صدا بگریہ و نوحہ بلند کردند و سہ روز ماتم داشتند و ھند دختر عبداللہ بن عامر کہ دوران وقت زن یزید بود و پیشتر در حبالہ امام حسین بود پردہ را درید و از خانہ بیرون دوید و بمجلس آں ملعون آمد در وقتیکہ مجمع عام بود گفت ای یزید سر مبارک فرزند فاطمہ دختر رسول را بر در خانہ من نصب کردہ یزید برجست و جامہ بر سر او افگند و او را برگردانید و گفت ای ھند نوحہ و زاری کن بر فرزند رسول خدا و بزرگ قریش کہ پسر زیاد لعین در امر او تعجیل کرد و من بکشتن او راضی نبودم (جلاء العیون ص ۴۴۵)

اہل بیت کی معصوم اور پاکیزہ مستورات جب یزید ملعون کے گھر داخل ہوئیں تو یزیدی عورتوں نے اپنے زیور اتار دئے اور ماتمی لباس پہن لیا اور بلند آواز سے رونا چلانا بین کرنا شروع کر دیا، اور تین دن تک ماتم جاری رکھا۔ اور ھند جو عبداللہ بن عامر کی بیٹی تھی جو اس وقت یزید کی زوجہ تھی اور اس سے پہلے امام حسین کی زوجیت میں رہ چکی تھی، اس نے پردہ اتار دیا اور گھر سے باہر آگئی۔ اور یزید ملعون کی مجلس میں آگئی۔ اسکے پاس ایک مجمع عام تھا یعنی کثیر مقدار میں لوگ اسکے پاس جمع تھے۔ یزید کی زوجہ نے کہا اے یزید تو نے میرے گھر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمۃ الزہرا کے بیٹے کا سر مبارک نصب کر دیا ہے۔ یزید جلدی سے اٹھا، دوپٹہ اسکے سر پر رکھا اور اسے واپس

لوٹاتے ہوئے کہا، اے ھند قریش کے بزرگ اور رسول خدا کے فرزند پر نوحہ وزاری کر (پیٹ اور واویلا کر) کیونکہ ابن زیاد لعین نے اس معاملہ میں جلدی کی میں ان کے قتل پر راضی نہیں تھا۔ (یہ یزید کی چالبازی تھی)

مندرجہ بالا بحث سے واضح ہوا کہ شیعہ بھی اس کے قائل ہیں کہ سب سے پہلے ماتم کرنے والے یزید کے خاندان کے لوگ تھے اور یزید نے اپنی زوجہ کو ماتم کرنے کا حکم دیا تھا۔

ماتم کرنا، آہ و بکا کرنا، رونا چلانا، نوحہ کرنا، مکاری و فریب اور خاندان یزید کی سنت ہے۔

○ شیعہ حضرات کے معتبر عالم ابوالحسن محمد رضی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اقوال کو جمع کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں،

ولولا انک امرت بالصبر و نھیت عن الجزع لانفدنا علیک ماء الشؤن (نہج البلاغۃ ج ۲ ص ۲۵۶)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیتے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اگر آپ نے خود صبر کا حکم نہ دیا ہوتا اور جزع و فزع کرنے سے منع نہ کیا ہوتا تو ہم آپ پر اتنی آہ وزاری کرتے کہ ہماری آنکھوں کے آنسو ختم ہو جاتے۔

○ وعلیکم بالصبر فان الصبر من الایمان کالراس من الجسد ولا خیر فی جسد لا راس معه ولا فی الایمان لا صبر معه (نہج البلاغۃ ج ۳ ص ۱۶۸)

تم پر لازم ہے کہ صبر کرو، بیشک صبر ایمان کا حصہ ہے، جس طرح سر جسم کا حصہ ہے، اس جسم میں کوئی خیر نہیں جس کے ساتھ اسکا سر نہ ہو اور اس ایمان میں کوئی بھلائی، خیر نہیں جس میں صبر نہ ہو۔

○ وقال علیه السلام ینزل الصبر علیٰ قدر المصیبة و من ضرب یده علیٰ فخذه عند مصیبة حبط عمله (نہج البلاغۃ ج ۳ ص ۱۸۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جتنی مصیبت ہو اسی مقدار پر صبر کرنا چاہیئے، جس شخص نے مصیبت کے وقت اپنے ہاتھ اپنے رانوں پر مارے اس کے عمل ضائع ہو جائیں گے۔

نوحہ کرنے والی عورتوں پر لعنت

عن ابی سعید الخدری قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النائحۃ و المستمعۃ (ابو داؤد، مشکوۃ باب البکاء علی المیت)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی عورتوں اور سنانے کی غرض سے رونے والی عورتوں پر لعنت فرمائی۔

نوحہ کرنے والی عورتوں سے مراد یہ ہے کہ میت کے کمالات ذکر کر کے بلند آواز سے رونا، اس انداز پر رونا مرد کے لئے بھی ناجائز اور باعث لعنت ہے۔ عورتوں کا ذکر اسلئے کیا گیا ہے کہ یہ عادت عام طور پر ان میں ہی پائی جاتی ہے۔ المستمعۃ سے مراد یہ کہ اس انداز سے روئے کہ دوسروں کو سنائے اور انہیں تعجب میں ڈالے، یعنی بین کر کے بلند آواز سے رو کر دوسری عورتوں کو رلائے اور وہ کہیں، کتنا اچھا روتی ہے۔ خیال رہے کہ جس طرح غیبت کرنے والا اور خوشی سے سننے والا دونوں عذاب کے مستحق ہیں اور قرآن پاک پڑھنے والا اور محبت سے سننے والا دونوں ثواب کے مستحق ہیں اسی طرح نوحہ کرنے والی اور اسے سن کر اسکی تعریف کرنے والی اور اسے برا نہ سمجھنے والی عورتیں بھی اسی طرح گنہگار ہوں گی جس طرح وہ نوحہ کرنے والی خود گنہگار ہوتی ہے۔ (از مرقاۃ ج ۴ ص ۹۲)

ماتم کرنے والوں سے نبی کریم کی بیزاری

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لیس منا من ضرب الخدود و شق الجیوب و دعا بدعوی الجاھلیۃ (بخاری، مسلم، مشکوۃ باب البکاء علی المیت)

وہ شخص ہم میں سے نہیں جس نے رخساروں پر طمانچے مارے، گریبان پھاڑا اور زمانہ جاہلیت کے بول بولے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرما کر کہ وہ ہم میں سے نہیں شدید غم و غصہ کا اظہار فرمایا۔ اس میں وعید شدید پائی گئی ہے۔ ہم سے نہ ہونے کے مختلف مطالب

ہیں۔ ہمارے طریقہ، ہماری سنت پر چلنے والا نہیں۔ ہمارے ائمہ سے نہیں، یعنی تمام ائمہ کے مسالک سے جدا وہ شخص اپنے علیحدہ مسلک پر ہوگا۔ (حدیث پاک سے فقہ اربعہ کی طرف اشارہ بھی ملتا ہے) اور وہ ہماری امت سے نہیں ہوگا۔ یعنی ہم ایسے شخص سے بیزار ہوں گے۔ یہ حکم مردوں اور عورتوں تمام کو شامل ہے۔

○ حضرت ابو بردہ سے مروی ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری پر بے ہوشی طاری ہو گئی تو آپ کی زوجہ ام عبداللہ نے بلند آواز سے رونا شروع کر دیا۔ کچھ دیر بعد آپ کو افاقہ ہو گیا تو آپ نے فرمایا، کیا تمہیں معلوم نہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتا تھا کہ آپ نے فرمایا، انا بری ممن حلق و صلق و خرق (بخاری، مسلم، مشکوۃ باب البکاء علی المیت)

میں اس سے بری ہوں جس نے بال اکھیڑ دئے اور غیر شرعی کام کئے اور کپڑے پھاڑے۔

زمانہ جاہلیت میں مصیبت کے وقت اپنے بال اکھیڑ دئے جاتے یا سر منڈا دیا جاتا، ایسے مرد اور عورت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیزاری کا اعلان فرمایا۔

صلق: حدیث پاک میں جو لفظ صلق استعمال ہوا ہے اسکا معنی بلند آواز سے چلانا، نوحہ کرنا، غیر شرعی افعال یا اقوال کو اختیار کرنا، طمانچے مارنا یعنی پیٹنا اور چہرے کو چھیلنا، خراشنا۔

اسی طرح زمانہ جاہلیت میں کپڑے پھاڑ دئے جاتے تھے اسکے لئے لفظ خرق استعمال فرمایا۔ یعنی مقصد یہ ہے کہ مصیبت کے وقت صبر نہ کرنا بلکہ واویلا کرنا، سینہ کوبی، زنجیروں سے جسم کو خراشنا یہ تمام افعال ایسے ہیں جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے مردوں اور اس طرح کی عورتوں سے بیزار ہوتے ہیں۔ (از مرقاۃ)

شیعہ کے نزدیک تعزیت کا الٹا معنی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، من عزی مصاباً فلہ مثل اجرہ (ترمذی، ابن ماجہ، مشکوۃ باب البکاء علی المیت)

جس شخص نے مصیبت زدہ کو صبر و تسلی دی اسکے لئے بھی ایسا ہی اجر ہے۔

یعنی جس طرح اسکے صبر کرنے پر اسے ثواب حاصل ہوگا ایسے ہی صبر کی نصیحت کرنے

والے کو بھی ثواب ہو گا۔
مصیبت زدہ سے مراد عام ہے خواہ اسکو کسی رشتہ دار کے فوت ہونے کا غم ہو یا کوئی اور مصیبت ہو۔ صبر کی نصیحت اسے قریب آکر زبان سے کی جائے یا بذریعہ خط۔ اس کو بتایا جائے کہ صبر سے عظیم مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح اس کے لئے دعا کی جائے اللہ تعالیٰ تمہیں صبر عطا کر کے اس پر اجر عظیم عطا فرمائے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر یہ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔
"العزاء بالمد و ھو الصبر" عزاء لفظ ہے مد سے یعنی لمبا کر کے پڑھا گیا ہے اس کا معنی ہے صبر۔
"التعزیۃ التاسی و التصبر" تعزیت کا معنی اظہار غم اور صبر دلانا۔
لیکن شیعہ حضرات نے پیٹنے والی مجلس کا نام مجالس عزاداری رکھا ہوا ہے، پیٹنے کا نام تعزیت نہیں۔

کیا شیعہ امام حسین کی شہادت پر خوش ہو کر ماتم کرتے ہیں

شیعہ حضرات کی بڑی دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک میں حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے متعلق رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے "فصکت وجھہا" کہ آپ نے اپنے چہرے پر طمانچے مارے، لھذا قرآن پاک سے پیٹنا ثابت ہے۔ بھولے بھالے سنی اپنے مذہب سے بے خبر اور انکی دلیل کے ابطال سے بے علم ان کے مکروفریب کے جال میں نہ پھنسیں بلکہ توجہ فرمائیں اور انکی دلیل کے باطل ہونے کو سمجھیں۔
حضرت سارہ کا یہ واقعہ قرآن پاک میں دو جگہ مذکور ہے۔
و امراتہ قائمۃ فضحکت - تا - ان ھذا الشیء عجیب (پ ۱۲ ع ۷) آپ کی زوجہ کھڑی تھیں وہ ہنسنے لگیں تو ہم نے انہیں اسحاق کی بشارت دی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب کی، وہ بولیں کتنا تعجب ہے کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور میرے خاوند بھی بوڑھے ہیں یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔
یعنی فرشتوں نے جب حضرت سارہ کو ان کے بیٹے حضرت اسحاق کی پیدائش کی خبر دی تو بہت حیران ہوئیں کہ ہم دونوں میاں بیوی اتنے بوڑھے ہو چکے ہیں ہماری اولاد کیسے

ہو گی۔
اسی واقعہ کو دوسرے مقام پر ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا،
وبشروہ بغلام علیم فاقبلت امراتہ فی صرۃ فصکت وجہہا وقالت عجوز عقیم (پ ۲۶ آخر)
اور انہوں نے آپ کو ایک علم والے لڑکے کی بشارت دی اور اس پر آپ کی زوجہ بلند آواز سے ماتھا ٹھونکتے ہوئے آئیں اور یہ کہنے لگیں؛ کیا بڑھیا بانجھ۔
یعنی میں تو بڑھیا بانجھ ہوں میری) اولاد کیسے ہوگی، اسی حیرانگی سے بلند آواز سے یہ کلمات کہہ رہی تھیں "بڑھیا بانجھ" اور عورتوں کی عادت ہے کہ حیرانگی سے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ حضرت سارہ کو بیٹے کی ولادت کی خوشخبری پر خوشی حاصل ہوئی، کوئی غم نہیں تھا۔ پیٹا نہیں تھا جبکہ تعجب سے ماتھے پر ہاتھ مارا تھا۔

بعض عورتوں پر نبی کریم علیہ السلام نے لعنت فرمائی

حضرت اسماء بنت ابو بکر نے کہا کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اس نے عرض کیا کہ میری بیٹی کے بال بیماری کی وجہ سے گر گئے ہیں، میں نے اسکی شادی کرنی ہے، کیا میں اسے دوسری عورتوں کے بال لگا دوں تو آپ نے فرمایا "**لعن اللہ الواصلۃ والمستوصلۃ**" دوسروں کے بال ملانے والی اور ملوانے والیوں پر اللہ کی لعنت۔
انسانی بالوں کی وگ لگانی حرام ہے کیونکہ انسان کے بالوں یا دوسرے اجزا سے نفع حاصل کرنا حرام ہے۔ آنکھوں کا عطیہ دینا اور دوسروں کی آنکھوں میں آنکھیں پیوست کرنا بھی حرام ہے۔
انسان کی کرامت کے پیش نظر اس کے اعضاء سے نفع حاصل کرنا حرام ہے۔ ہاں اگر کسی جانور کے بال ہوں ان میں کوئی نجاست نہ ہو تو خاوند کی اجازت سے عورت لگا سکتی ہے۔ (نووی ج ۲ ص ۲۱۲)
البتہ عام طور پر جوڑا بنا کر سر کی چوٹی پر وگ نصب کی جاتی ہے جو اونٹ کے کوہان کی طرح نظر آتی ہے، وہ ممنوع ہے اسکا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔
واما تحمیر الوجہ والخضاب بالسواد فان فعلتہ بغیر اذن الزوج فحرام وان اذن

جائز علی الصحیح (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۲۱۲)
لیکن چہرے کا سرخ کرنا یا بالوں کا سیاہ کرنا اگر خاوند کی اجازت کے بغیر ہو تو حرام ہوگا اور اگر خاوند کی اجازت سے ہو تو صحیح یہی ہے کہ جائز ہے۔

فائدہ:

حرام کی معاونت بھی حرام ہے۔ انسانی بال دوسری عورت یا مرد کے بالوں سے ملانے والی عورت یا مرد پر بھی اسی طرح لعنت ہوگی جس طرح اسکو کہہ کر اپنے بالوں سے ملوانے والی پر لعنت ہے۔

○ عن عبد اللہ قال لعن اللہ الواشمات والمستوشمات والنامصات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغیرات خلق اللہ (مسلم ج ۲ ص ۲۱۳)
حضرت عبد اللہ سے مروی ہے کہ اللہ کی لعنت ہو رنگ بھرنے والی اور بھروانے والیوں پر اور بال نوچنے والی اور نچوانے والیوں پر اور دانتوں کے درمیان حسن کے لئے کشادگی بنانے والیوں پر کیونکہ وہ اللہ کی تخلیق کو بدلنے والی ہیں۔

وضاحت:

واشمات: وہ عورتیں ہیں جو دوسری عورتوں کے جسم میں سوئی چبھو کر خون نکال کر اس میں رنگ بھر دیتی تھیں۔ جس طرح اب بھی لوگ اپنے جسم پر نام لکھواتے ہیں یا پھول بنواتے ہیں یا جانوروں کی تصاویر بنواتے ہیں۔
مستوشمات: یہ وہ عورتیں ہیں جو اس طرح اپنی جسم میں رنگ بھرواتی ہیں۔
خیال رہے کہ یہ فعل مردوں اور عورتوں کے لئے ایک جیسا ہی حرام ہے، لیکن اس وقت عام طور پر یہ فعل صرف عورتوں میں پایا جاتا تھا اسلئے ان کا ہی تذکرہ کیا گیا ہے۔
نامصات: چہرے کے بال نوچنے والی۔
متنمصات: نچوانے والی عورتوں کو کہا جاتا ہے لیکن یہ ابروؤں کے بال یا چہرے پہ کہیں بال ہوں تو ان کا یہ حکم ہے۔ البتہ داڑھی یا مونچھوں کے بال عورت کو نوچنا مستحب ہے۔

متفلجات: ان عورتوں کو کہتے ہیں جو اپنے سامنے والے دانتوں کو ریتی وغیرہ سے رگڑ کر ان کے درمیان فرجہ (کشادگی، جھری) بناتی تھیں تاکہ ان کے دانت حسین و جمیل نظر آئیں۔اس غرض سے ایسا کرنے والی چونکہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنے کی کوشش کرتی ہیں لھذا لعنت کی مستحق ہوتی ہیں۔ہاں اگر علاج کی غرض سے ہو یا کسی عیب کو زائل کرنا مقصود ہو تو جائز ہے۔(نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۲۱۳)

گانا گانے والی عورتیں قیامت کی نشانی ہیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی کئی علامتیں ذکر فرمائی ہیں ان میں یہ بھی ذکر فرمایا ہے،

ظهرت القينات و المعازف (مشکوۃ باب اشراط الساعۃ)

گانا گانے والی عورتیں ظاہر ہو جائیں گی اور آلات لہو ولعب ظاہر ہوں گے۔

یعنی ڈھول، باجے، سارنگیاں وغیرہ بجا کر عورتیں گانا گائیں گی یہ قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے۔

چند مختصر مسائل

عورت کا مہندی لگانا

فی شرعیۃ الاسلام الحناء سنۃ للنساء ویکرہ لغیرھن عن الرجال الا ان یکون لعذر لانہ تشبہ بھن (مرقاۃ ج ۸ ص ۲۹۴)

شریعت اسلام میں عورتوں کے لئے مہندی لگانا سنت ہے اور انکے بغیر مردوں کے لئے مکروہ ہے کیونکہ اس میں عورتوں سے مشابہت پائی جائے گی۔ چونکہ عورتوں سے مشابھت منع ہے اسلئے مرد کو مہندی لگانا بھی منع ہے، البتہ مرد نے اگر کسی عذر سے مہندی لگائی تو جائز ہے۔ آبلے وغیرہ پڑجائیں، تو مہندی لگانے سے فائدہ ہوتا ہے اس صورت میں مہندی لگانا جائز ہے۔ ہاتھ پاؤں کے جلنے کی صورت میں مہندی لگائی جاتی ہے۔ یہ عذر ہیں ان کے علاج کے لئے مہندی کا استعمال مرد کے لئے بھی جائز ہے۔

○ حضرت سلمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ بیان فرماتی ہیں،

ما کان احد یشتکی الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجعاً فی راسہ الا قال احتجم ولا وجعاً فی رجلیہ الا قال اختضبہما (ابوداؤد، مشکوۃ باب الطب والرقی)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب بھی کسی شخص نے اپنے سر درد کی شکایت کی تو آپ نے اسے خون نکلوانے کا مشورہ دیا اور اگر کسی شخص نے اپنے پاؤں کے درد کا ذکر کیا تو آپ نے مہندی لگانے کا حکم فرمایا۔

○ حضرت سلمی رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے، ما کان یکون برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرحۃ ولا نکبۃ الا امرنی ان اضع علیہا الحناء (ترمذی، مشکوۃ باب الطب والرقی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی کوئی آبلہ نکل آتا یا تکلیف ہوتی (یعنی زخم وغیرہ ہوتا) تو آپ مجھے حکم فرماتے کہ میں آپ کے آبلہ وغیرہ پر مہندی لگا دوں۔

تنبیہ:

مرد ہو یا عورت ہو ہر ایک کو ایسی ناخن پالش لگانا ناجائز ہے جو ناخنوں پر علیحدہ وجود رکھتی ہو یعنی جو چاقو وغیرہ سے کھرچنے پر کھرچی جاسکے کیونکہ اسکے ہوتے ہوئے وضوء

اور غسل صحیح نہیں ہوگا۔

مردوں اور عورتوں کی خوشبو میں فرق

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، طیب الرجال ما ظھر ریحه وخفی لونه وطیب النساء ما ظھر لونه وخفی ریحه (نسائی ج ۲ الفصل بین طیب الرجال وطیب النساء)

مردوں کے لئے وہ خوشبو ہے جسکی خوشبو ظاہر ہو اور رنگ مخفی ہو (یعنی اس کا رنگ ظاہر نہ ہو) اور عورتوں کے لئے وہ خوشبو ہے جس کا رنگ ظاہر ہو اور خوشبو مخفی ہو۔ یعنی بہت تیز مہکنے والی خوشبو نہ ہو بلکہ بہت ہلکی ہلکی اسکی خوشبو ہو جس طرح مہندی میں ہوتی ہے۔

○ حضرت ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایما امرأة استعطرت فمرت علیٰ قوم لیجدوا من ریحها فھی زانیة (نسائی ج ۲ مایکره للنساء الطیب)

جو عورت عطر لگا کر کسی قوم کے قریب سے گذرتی ہے کہ وہ اسکی خوشبو پائیں تو یہ دعوت بدکاری دینے والی ہے۔ یعنی مہکنے والی خوشبو لگا کر مردوں کے قریب سے گذرنا مردوں کے جذبات کو بھڑکاتا ہے۔

○ عورت کو اپنے گھر، اپنے خاوند کے سامنے ہونٹوں پہ سرخی لگانی جائز ہے البتہ دوسرے اجنبی مردوں کے سامنے اس حال میں نکلنا منع ہے۔

اگر سرخی میں ذائقہ بھی ہو تو رمضان شریف میں لگانے سے اجتناب کیا جائے ورنہ روزہ مکروہ ہوگا۔

○ غسل کرتے وقت عورت پر لازم نہیں کہ وہ بٹے ہوئے گیسو یعنی مینڈھیاں کھولے بلکہ بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا کافی ہے۔ البتہ اگر مرد کے لمبے بال ہوں تو اسے کھولنے ضروری ہوں گے۔

○ مرد ہو یا عورت نماز کے وقت بالوں کا جوڑا بنانا مکروہ ہے بلکہ لمبے بال نیچے ہونے چاہئیں۔

○ عورت کو اجنبی مردوں کے سامنے دوڑنا، کرکٹ، ہاکی وغیرہ کھیلنا حرام ہیں۔

○ مردوں اور عورتوں کا مل کر کھیل دیکھنا، ایک دوسرے کے سامنے نعرہ بازی، آوازے کسنا حرام ہیں۔ اکثر طور پر ایسے مواقع پر فاحش مرد اور فاحشہ عورتیں ایک دوسرے کے لئے مصیبت بنے ہوتے ہیں۔ ایسے میلوں پر عام طور پر ہلڑ بازی، فحش حرکات کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

○ عورتوں کا گھنگریوں والی پازیب یا ہار پہننا حرام ہے۔ مرد کے لئے بھی گھنگروں کا استعمال حرام ہے۔ گھنگریوں والے زیور بچیوں کو پہنانا ماں باپ کے لئے گناہ کا سبب ہے۔ گھنگرو سے مراد وہ ہیں جن میں چھنکار ہو۔

○ عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر عادت کے مطابق خاوند کے مال سے صدقہ دے سکتی ہے۔ ہاں عام عادت سے زیادہ صدقہ بغیر اجازت کے منع ہے۔ جتنا صدقہ عام طور پر دینے سے منع نہیں کیا جاتا اتنی مقدار میں صدقہ دینے سے خاوند اور بیوی دونوں کو ثواب ملے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اذا تصدقت المراۃ من بیت زوجہا کان لھا اجر وللزوج مثل ذالک وللخازن مثل ذالک ولا ینقص کل واحد منہما من اجر صاحبہ شیئاً للزوج بما کسب ولھا بما انفقت (نسائی ج اصدقۃ المراۃ من بیت زوجہا ص ۲۷۲)

عورت جب اپنے خاوند کے گھر سے صدقہ دے تو اسکے لئے ثواب ہے اور اسکے خاوند کے لئے بھی ایسا ہی ثواب ہے اور خازن کے لئے بھی اسی طرح ثواب ہے۔ کسی ایک کا اجر دوسرے کے اجر میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔ زوج کو مال کسب کر کے حاصل کرنے کی وجہ سے ثواب ہوگا اور زوجہ کو مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی وجہ سے ثواب ہوگا۔

وضاحت:

خازن سے مراد گھر کا کوئی فرد جو مال کی حفاظت کرتا ہو، یعنی مال اسکی نگہبانی میں ہو۔ حدیث پاک میں مثل ذالک لفظ جو استعمال ہوا ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ یہ سب ثواب میں شریک ہوں گے، ہر ایک کو اپنے اپنے کام کا ثواب ہوگا، کسی ایک وجہ سے دوسرے کا ثواب کم نہیں ہوگا۔

خیال رہے کہ زوجہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے خاوند کی اجازت سے مال اللہ کی راہ

میں خرچ کرے، بغیر اجازت کے ناجائز ہوگا۔ البتہ اجازت کی دو قسمیں ہیں،

احدھما الاذن الصریح فی النفقۃ والصدقۃ والثانی الاذن المفھوم من اطراد العرف کاعطاء السائل کسرۃ الخبز ونحوھا (حاشیہ نسائی ونووی)

ایک صراحۃً اذن یعنی وہ ظاہر طور پر کلام سے اجازت دے اتنا مال تم اپنے آپ پر خرچ کر سکتی ہو اور اتنا مال تم اللہ کی راہ میں خرچ کر سکتی ہو۔ اور دوسری قسم یہ ہے کہ اجازت عام عرف کے مطابق سمجھی جاتی ہے جیسے فقیر کو روٹی کا ٹکڑا دینا، تھوڑی مقدار میں مال دینا جو معلوم ہے کہ خاوند اس سے ناراض نہیں ہوتا تو اس میں اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔

○ حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو فتح کیا تو آپ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور خطبہ میں ارشاد فرمایا، لا یجوز لامراۃ عطیۃ الا باذن زوجھا (نسائی ج اعطیۃ المراۃ بغیر اذن زوجھا)

کسی عورت کے لئے اپنے خاوند کے مال سے اسکی اجازت کے بغیر کسی کو دینا جائز نہیں۔

اس عطیہ سے مراد یقیناً وہی عطیہ ہے کہ خاوند اتنا مال دینے پر راضی نہیں تو پھر اسکی اجازت لینا ضروری ہے۔ اسی طرح اگر خاوند بہت ہی کنجوس ہو تھوڑا مال دینے پر راضی نہیں تو تھوڑے مال کے خرچ کرنے میں بھی اجازت لینی ہوگی، لیکن خرچ کم دینے کی صورت میں اپنا خرچ جتنا شریعت نے اسے اجازت دی ہے اتنی مقدار میں خاوند کی اجازت کے بغیر اسکے مال سے پورا کر سکتی ہے۔

مجامعت کے راز افشاء کرنا ناجائز ہے

حضرت عبدالرحمن بن سعد کہتے ہیں میں نے ابو سعید خدری کو کہتے ہوئے سنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ان من اشر الناس عند اللہ منزلۃ یوم القیامۃ الرجل یفضی الی امراتہ وتفضی الیہ ثم ینشر سرھا (مسلم ج ا باب تحریم افشاء سر المراۃ ص ۴۶۴)

اللہ کے نزدیک قیامت کے دن وہ شخص بہت برا ہوگا جو اپنی عورت تک پہنچا ہو اور عورت اس تک پہنچی ہو پھر وہ راز ظاہر کرے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ عورت سے نفع حاصل کرنے کے بعد عورت کے اقوال و افعال کی تفصیل بیان کرنا حرام ہے اور اگر صرف یہ ذکر کرے کہ میں نے جماع کیا ہے۔ یہ ذکر بھی بغیر ضرورت کے مکروہ ہے اور ضرورت کے وقت جائز ہے جیسے عورت نے مقدمہ دائر کر رکھا ہو کہ میرا خاوند عنین (نامرد) ہے۔ حاکم نے اسے ایک سال کی مہلت دی تھی کہ تو علاج کرا ورنہ نکاح فسخ ہو جائے گا۔ اس صورت میں اگر خاوند کہے کہ میں نے علاج کرایا ہے اور میں ٹھیک ہو گیا ہوں، میں نے جماع کر لیا ہے تو ایسی ضرورت میں ذکر کرنا جائز ہے۔ یہ حکم مردوں اور عورتوں کے لئے ایک جیسا ہی ہے۔ یہ بیماری عورتوں میں زیادہ ہے کہ وہ اپنی شب باشی اور حالات گذشتہ ایک دوسری سے بہت ہی زیادہ بیان کرتی رہتی ہیں حالانکہ یہ جائز نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے، من کان یؤمن باللہ و الیوم الاخر فلیقل خیراً او لیصمت۔

جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیئے کہ اچھی بات کرے یا خاموش ہو جائے۔

دو عورتوں کے جھگڑے میں سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایک وقت میں دو عورتیں تھیں ان دونوں کے بچے ان کے ساتھ تھے۔ ایک بھیڑیا آیا وہ ایک بچے کو لے گیا، ایک عورت نے دوسری کو کہا بھیڑیا تمہارا بچہ لے گیا ہے دوسری کہنے لگی تمہارا بچہ لے گیا ہے۔ (ان دونوں کے درمیان جھگڑے نے طول پکڑا) تو وہ اپنا فیصلہ کرانے کے لئے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آگئیں آپ نے بڑی کے حق میں فیصلہ کر دیا (یعنی ان عورتوں میں سے ایک کی عمر کم تھی ایک کی زیادہ) جب وہ دونوں (فیصلہ کے بعد) نکلیں تو حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے سامنے آئیں تو ان کو انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کی خبر دی تو آپ نے فرمایا، ائتونی بالسکین اشقہ بینکما فقالت الصغریٰ لا یرحمک اللہ ھو ابنہا فقضی بہ للصغریٰ۔ چھری لاؤ میں اسکے دو ٹکڑے کر کے تم دونوں میں تقسیم کر دوں، تو چھوٹی نے کہا اللہ آپ پر رحم فرمائے ایسا نہ کریں وہ اسی کا بیٹا ہے۔ تو آپ نے فیصلہ چھوٹی کے حق میں کر دیا۔

(مسلم ج ۲ ص ۸۵)

وضاحت حدیث:

حضرت داؤد علیہ السلام نے بڑی کے حق میں فیصلہ کیوں کیا تھا؟ آپ نے بڑی کے حق میں فیصلہ اسلئے کیا تھا کہ یا تو بچے میں آپ نے بڑی سے کچھ مشابہت دیکھی تھی۔ یا ہو سکتا ہے کہ آپ کی شریعت میں بڑے کے حق کو مقدم رکھا جاتا ہو۔ یا یہ ہے کہ بچے پر قبضہ بڑی کا تھا اور آپ کی شریعت میں جس کا قبضہ ہوتا تھا اس کے حق کو ترجیح دی جاتی تھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے چھوٹی کے حق میں فیصلہ کیوں کیا؟ اسلئے کہ آپ نے یہ دیکھا کہ بچے سے محبت کسے ہے۔ جب آپ نے فرمایا کہ چھری لاؤ تا کہ میں اسکے ٹکڑے کر کے تم دونوں میں تقسیم کر دوں تو آپ کے اس ارشاد پر بڑی خاموش تھی کیونکہ حقیقتاً وہ جانتی تھی کہ میں جھوٹی ہوں۔ اس وجہ سے بھی خاموش تھی کہ میرا بیٹا تو ضائع ہو چکا ہے یہ بھی قتل ہو جائے تو دوسری عورت کو بھی میری طرح ہی غم لاحق ہو۔ لیکن چھوٹی نے کہا حضور اسے قتل نہ فرمائیں بلکہ اسے ہی دے دیں۔ کیونکہ جب حقیقت میں بیٹا ہی اس کا تھا تو اس نے ازروئے پیار و محبت بیٹے کا قتل ہونا پسند نہیں کیا بلکہ اسکی خواہش یہ تھی کہ مجھے ملے یا نہ ملے لیکن کم از کم زندہ تو رہے۔

چھوٹی کے اسی پیار و محبت کو دیکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ یہ لڑکا اسی کا بیٹا ہے، دوسری کا نہیں لھذا آپ نے اسی کے حق میں فیصلہ فرما دیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ کیسے توڑا؟ قانون یہ ہے کہ ایک مجتہد دوسرے مجتہد کا فیصلہ نہیں توڑ سکتا۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام دونوں حضرات کے فیصلے اجتہادی تھے۔ وحی کے ذریعے کوئی ایک فیصلہ بھی نہیں تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ سے حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بظاہر توڑنا درست نظر نہیں آتا۔ لیکن اسکی چند وجوہ ہیں۔ (۱) حضرت داؤد علیہ السلام نے حتمی فیصلہ نہیں فرمایا تھا بلکہ بڑی کے قبضے کو دیکھ کر بچہ اسی کے پاس رہنے کی رائے قائم کی تھی۔ (۲) حضرت داؤد علیہ السلام نے فتویٰ جاری کیا تھا۔ فتویٰ اور قضاء میں فرق ہے قضاء یعنی فیصلہ پر عمل لازم ہوتا ہے لیکن فتویٰ پر حکم لازم نہیں ہوتا کیونکہ مفتی کو

عمل کرانے کے اختیارات حاصل نہیں ہوتے۔(۳) ممکن ہے کہ آپ کی شریعت میں ایک مجتہد دوسرے مجتہد کے فیصلہ کو توڑ سکتا ہو اور یہ جائز ہو۔(۴) حضرت سلیمان علیہ السلام نے اظہار حق کے لئے حیلہ کیا اس پر چھوٹی کا سچا ہونا جب واضح ہو گیا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے خود ہی اپنا فیصلہ توڑ دیا ہو۔

دو نبیوں کی کافرہ عورتیں

ضرب اللہ مثلا للذین -تا- مع الداخلین (پ ۲۸ ع ۲۰) اللہ کافروں کی مثال دیتا ہے نوح کی عورت اور لوط کی عورت وہ ہمارے بندوں میں دو قرب کے لائق بندوں کے نکاح میں تھیں، پھر انہوں نے انکی خیانت کی تو وہ اللہ کے سامنے ان کے کچھ کام نہ آئے اور فرما دیا گیا کہ تم دونوں عورتیں جہنم میں داخل ہو جاؤ داخل ہونے والوں کے ساتھ۔

نوح علیہ السلام کی زوجہ:

حضرت نوح علیہ السلام کی زوجہ کا نام واعلہ ہے یہ نام زیادہ مشہور ہے۔ اور بعض حضرات نے والھتہ نام بتایا اور مقاتل نے والھتہ بیان کیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر نبی تھے، یہ انکی زوجہ ہونے کے باوجود بھی بدبخت رہی، ایمان اسکی قسمت میں نہیں تھا۔ اس نے اللہ کے نبی، اپنے زوج نوح علیہ السلام کی خیانت یہ کی، "فامراۃ نوح قالت لقومہ انہ مجنون" نوح علیہ السلام کی زوجہ اپنی قوم کو کہتی اس شخص کی بات نہ مانتا یہ (معاذاللہ) پاگل ہے۔

لوط علیہ السلام کی زوجہ:

حضرت لوط علیہ السلام کی زوجہ کا نام واھلہ تھا۔ یہ ہی مشہور نام ہے۔ البتہ بعض نے والھتہ کہا ہے اور مقاتل نے والھتہ کہا ہے۔

واما خیانۃ امراۃ لوط فکانت تدل علی الضیف- لوط علیہ السلام کی زوجہ آپ کی خیانت اس طرح کرتی کہ آپ کے پاس آنے والے مہمانوں کی خبر آپ کی قوم کو دیا کرتی تھی۔

یہ ایک ایک خیانت دونوں کی علیحدہ علیحدہ ہے۔ اور دونوں کی مشترکہ خیانتیں یہ ہیں

کہ وہ دونوں چغلخور تھیں۔ جب ان کے خاوندوں، اللہ کے نبیوں یعنی حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے پاس وحی آتی تو یہ مشرکوں کو جا کر خبر دیتیں یعنی کئی راز کی باتوں کو مشرکوں پر ظاہر کر دیتیں۔

یہ دونوں منافق تھیں۔ کیونکہ خیانت اور نفاق ایک ہی چیز ہے۔ صرف استعمال کا فرق ہے وعدہ توڑنے پر یا امانت کے مال سے مال ہڑپ کرنے پر خیانت بولا جاتا ہے اور دین میں خیانت کو نفاق کہتے ہیں۔ لیکن مطلب دونوں کا ایک ہی ہے کہ وعدہ کو پوشیدگی میں توڑ کر حق کی مخالفت کرنا۔

تنبیہ:

و لا تفسر ھہنا بالفجور لما اخرج غیرو احد عن ابن عباس مازنت امراۃ نبی قط۔

نبیوں کی خیانت کا یہاں یہ مطلب ہرگز نہیں لیا جا سکتا کہ وہ زانیہ تھیں کیونکہ کئی راویوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ کسی نبی کی عورت نے زنا کا ارتکاب نہیں کیا۔

فائدہ:

کافروں کو کفر کا عذاب ضرور دیا جائے گا۔ کسی نبی یا کسی نیک آدمی سے رشتہ اور قرابت داری انہیں کام نہیں آئے گی۔

کوئی آدمی کتنا بھی نیک کیوں نہ ہو اپنے نفس امارہ اور اپنی زوجہ سے بے خوف نہ ہو۔ نفس امارہ کس وقت اسے گناہوں میں مبتلا کر دے کسی کو معلوم نہیں۔ لیکن خیال رہے کہ یہ خطرہ انبیاء کرام کو نہیں کیونکہ وہ صغائر و کبائر گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔ البتہ یہ خطرہ اولیاء کو ہو سکتا ہے کئی نیک لوگ گمراہ ہو گئے۔

اپنی زوجہ سے کوئی شخص بے خوف نہ ہو، کیا معلوم کسی وقت اسکی طرف سے نقصان پہنچے۔ یہ خطرہ سب کو ہو سکتا ہے جیسا کہ نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام اس خطرہ سے دوچار ہوئے۔ (از کبیر و روح المعانی)

کافر شخص کی مومنہ عورت

و ضرب اللہ مثلا للذین امنوا - تا - و نجنی من القوم الظالمین (پ ۲۸ ع ۲۰) اور اللہ

مسلمانوں کی مثال بیان فرماتا ہے فرعون کی بی بی جب اس نے عرض کی، اے میرے رب! میرے لئے اپنے پاس جنت میں گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے کام سے نجات دے اور مجھے ظالم لوگوں سے نجات بخش۔

فرعون خود کافر تھا، خدائی کا دعویدار تھا لیکن اسکی زوجہ آسیہ بنت مزاحم نیک عورت تھی۔ جو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائی۔ یہی موسیٰ علیہ السلام کے قتل ہونے میں رکاوٹ بنی تھیں۔ کیونکہ جب موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں القاء کیا گیا کہ بچے کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دو تو آپ نے اسی طرح کیا۔ بچہ جب فرعون کے محل کے نیچے نہر میں پہنچا تو فرعونیوں نے اسے اٹھا لیا۔ فرعون قتل کرنا چاہتا تھا لیکن اسکی زوجہ نے کہا یہ بچہ میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرو۔

کیونکہ فرعون کی بی بی آسیہ بہت نیک عورت تھی، انبیاء کرام کی نسل سے تھی، بعض نے کہا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پھوپھی تھیں غریبوں اور مسکینوں پر رحم و کرم کرتی تھیں۔ انہوں نے فرعون سے کہا یہ بچہ سال بھر سے زیادہ عمر کا معلوم ہوتا ہے اور تو نے اس سال کے اندر پیدا ہونے والے بچوں کو قتل کا حکم دیا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ معلوم نہیں یہ بچہ دریا میں کس سرزمین سے آیا ہے تجھے جس بچے کا اندیشہ ہے وہ اسی ملک بنی اسرائیل سے بتایا گیا ہے۔ آسیہ کی یہ بات ان لوگوں نے مان لی۔

موسیٰ علیہ السلام کا جب فرعونی جادوگروں سے مقابلہ ہوا تو وہ جادوگر سب عاجز آگئے، موسیٰ علیہ السلام غالب آئے۔ آپ کے عصا نے اژدہا بنکر ان کے سانپوں کو جب نگل لیا تو آسیہ نے ایمان قبول کر لیا فرعون نے انہیں سخت ترین سزا دی۔ ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں لگا دیں، اور حکم دیا کہ اسکے اوپر ایک بھاری پتھر گرا دو۔ آپ نے اس وقت یہ دعا کی، اے اللہ! مجھے فرعون اور اسکے کاموں سے نجات دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی حالت میں جنت اور جنت میں ان کے محل اور نعمتوں کا مشاہدہ کرا دیا اور فرعونیوں کے پتھر گرانے سے پہلے ہی آپ کی روح کو قبض کر لیا۔

جنت میں آپ کا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگا۔ کتنی خوش قسمت عورت ہے۔ (از تفاسیر)

بغیر خاوند کے نبی کی ماں ہونے والی عورت

حضرت مریم رضی اللہ عنہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ حضرت مریم کی والدہ کا نام حنہ اور باپ کا نام عمران ہے۔آپ کی والدہ نے انکی پیدائش سے پہلے نذر مانی کہ اگر میرا بیٹا پیدا ہوا تو میں اسے بیت المقدس کی خدمت گذاری کے لئے وقف کروں گی۔جب آپ کی بیٹی مریم پیدا ہوئی تو آپ کو اپنی نذر کے پورا کرنے میں دشواری پیش آنے کا غم ہوا تو آپ نے حسرت سے رب تعالیٰ کے حضور عرض کیا، "رب انی وضعتہا انثیٰ" اے میرے رب میں نے لڑکی کو جنم دیا۔ تو رب تعالیٰ نے فرمایا اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ لڑکی کی پیدائش ہوئی "ولیس الذکر کالانثیٰ" (تم جس بیٹے کی خواہشمند تھیں) وہ لڑکا اس لڑکی جیسا نہیں۔ حضرت مریم کو رب تعالیٰ نے اپنے فضل سے یہ کمالات عطا کئے "ان اللہ اصطفاک و طہرک و اصطفاک علیٰ نساء العالمین" بیشک اللہ تعالیٰ نے تم کو برگزیدہ بنایا اور پاک کر دیا تمہیں، اور آج جہان کی عورتوں پر تمہیں برگزیدہ کر دیا۔ حضرت حنہ مریم کی پیدائش پر انہیں کپڑے میں لپیٹ کر بیت المقدس میں لے گئے وہاں چار ہزار خادم رہتے تھے، ان کے سردار ستائیس یا ستر تھے جن کے امیر حضرت زکریا تھے جو حضرت مریم کے خالو بھی تھے قرعہ اندازی سے حضرت مریم کی کفالت انہی کے ذمہ قرار پائی۔(از روح البیان و خزائن العرفان)

حضرت مریم کے پاس جنتی میوے بیت المقدس کے حجرہ میں آتے رہے۔آپ کو اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔آپ حیض و نفاس سے پاک تھیں۔ نفخ جبریل سے آپ کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ کھجور کے خشک تنے سے آپ کو وضع حمل کے وقت کھجوریں عطا کی گئیں اور پانی کا چشمہ جاری کر کے پانی مہیا کیا گیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش پر جب لوگوں نے آپ کو شک کی نگاہ سے دیکھا تو عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں کلام کی طاقت عطا کر کے آپ کی براءت اور پاکدامنی کو ثابت کیا گیا۔

حضرت مریم آخرت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں گی۔(از تفاسیر)

مومنوں کی مائیں

النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم و ازواجہ امھاتھم (پ۲۱ ع ۱۷) یہ نبی مسلمانوں کا انکی جان سے زیادہ مالک ہے اور اسکی بیبیاں انکی مائیں ہیں۔

سبحان اللہ! کیا خوب فرمایا مالک الملک نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات مومنوں کی مائیں ہیں کوئی شخص اپنی ماں کی شان میں گستاخی کرے تو وہ بدبخت ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص مومن ہی نہ ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے کسی کی شان میں گستاخی کرے تو اسکے متعلق کیا کہا جاسکتا ہے۔ نبی کی پاک بیبیاں پاک ایمان والوں کی مائیں تو ہو سکتی ہیں لیکن ناپاک کافروں کی مائیں کبھی نہیں ہو سکتیں۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ سے نکاح کیا جبکہ اس وقت حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال تھی۔

جب تک آپ زندہ رہیں اس وقت تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور عورت سے نکاح نہیں فرمایا۔ آپ کا نسب یہ ہے۔ خدیجہ بنت خویلد بن اسد العزیٰ بن قصی بن کلاب۔ آپ کا نسب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے حضرت قصی بن کلاب پر مل جاتا ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب ہے۔

قصی کی اولاد سے صرف دو ہی زوجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھیں حضرت خدیجہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہما۔ حضرت خدیجہ کی کنیت ام ھند ہے۔ ان کی والدہ فاطمہ بنت زاہدہ بن الاصم بنی عامر بن لوی سے تھیں۔ نبی کریم سے پہلے ان کا نکاح ابوہالہ سے تھا جن کا نام ھند زیادہ مشہور ہے۔ مالک اور ضرارہ بھی نام ذکر کئے گئے ہیں۔ اس سے ان کے دو بیٹے تھے ایک ھند اور دوسرا ہالہ۔

خیال رہے اس وقت عام طور پر باپ اور بیٹے کا نام ایک ہوتا رہتا تھا۔ جیسے عبداللہ بن ابی منافق کے بیٹے کا نام بھی عبداللہ ہی ہے۔

اسکے بعد ان کا نکاح عتیق بن عایذ مخزومی سے تھا۔ ان سے ایک لڑکی تھی اس کا نام بھی ھند تھا، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت رہیں۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہے۔ البتہ صرف حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ جو آپ کے فرزند ہیں وہ ماریہ قبطیہ سے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لونڈی تھیں بیٹے کی پیدائش کے بعد یہ ام ولد بنیں۔
حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود نکاح کا پیغام دیا تھا، حالانکہ کئی لوگ ان سے نکاح کے خواہشمند تھے۔
چونکہ وہ حضور کی ایمانداری، دیانتداری، صداقت اور رب تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ کمالات کا شہرہ پہلے بھی سن چکی تھیں اور خصوصاً جب انہوں نے اپنا مال حضور کو دے کر شام کی طرف تجارت کے لئے بھیجا تھا تو آپ کی معاونت کے لئے اپنے غلام میسرہ اور اپنے ایک مخصوص آدمی خزیمہ کو بھی ساتھ بھیجا تھا ان کی زبانی آپ کی دیانتداری اور صداقت کی تعریف سن کر انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ میرا نکاح اگر ان سے ہو جائے تو اچھا ہے۔
ان کے نکاح کے پیغام دینے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کے افراد سے مشورہ کر کے قبول فرمالیا۔ آپ اپنے چچا ابو طالب اور حضرت حمزہ اور دوسرے چچاؤں اور ابو بکر صدیق اور دوسرے رؤساء شہر کی معیت میں ان کے مکان میں تشریف لے گئے۔ وہاں نکاح ہوا، خطبہ ابو طالب نے پڑھا۔
سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نکاح سے پہلے ایک خواب دیکھا تھا کہ آسمانی آفتاب ان کے گھر اتر آیا ہے اور اس کا نور ان کے گھر سے پھیل کر تمام مکہ کو منور کر رہا ہے۔ تو انہوں نے یہ خواب اپنے چچا کے لڑکے ورقہ بن نوفل سے بیان کیا تو اس نے کہا تمہارا نکاح نبی آخر الزمان سے ہوگا۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت پر عورتوں میں سب سے پہلے آپ نے ہی ایمان قبول کیا۔
جبرائیل امین نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت خدیجہ کے لئے سلام کا تحفہ دیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے آپ تک پہنچا دیا گیا۔

شیخ الاسلام زکریا انصاری نے اپنی کتاب "لجہ" میں فرمایا کہ تمام ازواج مطہرات میں سے افضل حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما ہیں۔

ابن عماد نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر فضیلت دی ہے کیونکہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے خدیجہ سے بہتر زوجہ عطا کر دی ہے تو آپ نے فرمایا، نہیں خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے خدیجہ سے بہتر مجھے کوئی زوجہ عطا نہیں فرمائی کیونکہ خدیجہ مجھ پر اس وقت ایمان لائیں جبکہ لوگ میری تکذیب کر رہے تھے، انہوں نے اپنے مال سے اس وقت میری امداد کی جب لوگوں نے مجھے محروم کر رکھا تھا۔

ہجرت سے تین سال پہلے اور ابو طالب کی وفات کے چار، پانچ دنوں کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔ حضور اس سال کو عام الحزن فرمایا کرتے تھے یعنی غم کا سال۔

یعنی بعثت کے دسویں سال ماہ رمضان میں آپ کی وفات ہوئی اور مقبرہ حجون میں آپ مدفون ہوئیں۔ مکہ مکرمہ میں اب اس قبرستان کا نام جنت المعلیٰ ہے۔

حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا نسب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لوی تک جا ملتا ہے۔ یہ اوائل بعثت میں ہی مکہ مکرمہ میں ایمان لے آئی تھیں۔ ان کے ساتھ ہی ان کے خاوند نے بھی ایمان قبول کر لیا تھا۔ ان کا خاوند سکران بن عمر بن عبد شمس تھا جو سہیل بن عمر کا بھائی تھا۔ ان سے ایک لڑکا ان کا عبدالرحمٰن تھا۔ یہ حبشہ میں ہجرت کر کے گئی تھیں پھر وہاں سے مکہ آئیں۔ تو انہوں نے ایک خواب دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے ہیں اور قدم اقدس انکی گردن پر رکھا ہے۔ یہ خواب انہوں نے اپنے شوہر کو بتایا تو انہوں نے کہا کہ اگر تم سچ کہتی ہو تو میری موت جلدی آجائے گی اور تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آجاؤ گی۔

کچھ عرصہ بعد انکے خاوند فوت ہو گئے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بھی وفات ہو چکی تھی تو یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آگئیں۔

یہ نکاح اعلان نبوت کے دس سال بعد ہوا اور چار سو درہم مہر مقرر ہوا تھا۔ مدینہ طیبہ میں ہجرت کر کے آئیں۔ ہجرت کے آٹھویں سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلاق رجعی دے کر رجوع فرمالیا تھا، یا طلاق دینے کا ارادہ فرمایا تھا پھر ترک کر دیا، کیونکہ انہوں نے عرض کیا تھا، یارسول اللہ میری تمنا صرف یہ ہے کہ قیامت کے دن مجھے آپ کی ازواج میں اٹھایا جائے۔

ان کی وفات ۵۴ھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔ آپ کی والدہ رومان بنت عامر بن عویمر قبیلہ بنی کنانہ سے تھیں۔

جب آپ کی عمر چھ سال تھی اس وقت آپ کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا تھا۔ ۲ھ میں مدینہ طیبہ میں آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آ گئی تھیں۔

زمانہ جاہلیت میں شوال میں نکاح ناپسند کیا جاتا تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رسم کو مٹانے کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح شوال کے مہینے میں کیا۔ اسی لئے حضرت عائشہ بھی نکاح شوال کے مہینے میں پسند کرتی تھیں۔ آپ فرماتی تھیں میرا نکاح شوال کے مہینے میں ہوا اور کون سی عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے زیادہ پسند تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے وقت آپ کی عمر اٹھارہ برس تھی۔ یعنی نو سال آپ کی معاشرت میں رہیں۔ آپ کی وفات سترہ رمضان، منگل ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بغیر کسی باکرہ عورت سے شادی نہیں کی۔ آپ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فقہاء وعلماء وفصحاء وبلغاء اکابر صحابہ میں سے تھیں۔ احادیث میں آیا "خذوا ثلثی دینکم من ھذہ الحمیرا" تم اپنے دو تہائی دین کو ان حمیرا یعنی عائشہ صدیقہ سے حاصل کرو۔ صحابہ کرام احکام شرعیہ میں فیصلہ کے لئے آپ کی

طرف رجوع کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا، اے فاطمہ میں جس سے محبت کرتا ہوں کیا تم بھی اس سے محبت کرو گی؟ آپ نے کہا ہاں یا رسول اللہ ضرور اس سے محبت کروں گی۔ آپ نے فرمایا میں عائشہ سے محبت رکھتا ہوں تم بھی اس سے محبت رکھو۔

بیماری کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری ازواج مطہرات کی اجازت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر گذارے۔ آپ کی باری کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ وصال کے دن آپ کا سر مبارک حضرت عائشہ کی گود میں تھا۔ انہوں نے ہی آخری وقت میں آپ کو مسواک چبا کر دی اس طرح ان کا لعاب حضور کے لعاب سے ملا۔

حضرت عروہ بن زبیر سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عائشہ کو ستر ہزار درہم صدقہ کرتے دیکھا جبکہ ان کے اپنے لباس میں پیوند لگے ہوئے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے معتبر کتب میں دو ہزار دو سو حدیثیں مروی ہیں۔ ان سے بخاری و مسلم میں متفق علیہ ایک سو چوہتر، اور صرف بخاری میں چون (۵۴) اور صرف مسلم میں سڑسٹھ (۶۷) باقی دوسری کتب احادیث میں مذکور ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میری برات اور طہارت اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمائی یعنی آپ کے ذمہ جو بہتان لگایا گیا تھا ان منافقین کے زعم باطل کو اللہ تعالیٰ نے سترہ یا اٹھارہ آیات نازل فرما کر رد کر دیا جن سے منافقین کی مذمت و خباثت واضح ہو گئی۔

بہتان لگانے کا مختصر واقعہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر میں اگر عورتوں کو ساتھ لے جانے کی ضرورت درپیش ہوتی تو عورتوں کے اطمینان قلب کے لئے قرعہ ڈالتے۔ جس کے نام قرعہ نکلتا، اسے ساتھ لے جاتے۔ غزوہ بنی مصطلق میں جاتے ہوئے قرعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نام نکلا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ساتھ لے گئے۔ یہ واقعہ پردے کے حکم

نافذ ہو جانے کے بعد کا ہے۔ جب پردہ کی آیات نازل ہوگئیں تو اسکے بعد عورتوں کے کجاووں پر بھی پردہ ہوتا تھا۔ اسی طرح پردہ میں ہی کجاووں کو اٹھا کر اونٹوں پر رکھ دیا جاتا تھا۔

واپسی پر راستے میں قافلہ رکا، چلنے سے پہلے آپ قضاء حاجت کے لئے چلی گئیں، جب قضاء حاجت سے فارغ ہو کر قافلہ کے قریب پہنچی تو دیکھا کہ آپ کے گلے کا ہار ٹوٹ کر گر گیا ہے آپ اسکی تلاش میں واپس چلی گئیں۔ جب واپس آئیں تو قافلہ کوچ کر چکا تھا۔ کجاوہ پر پردہ پڑا ہوا تھا اسی طرح قافلہ والوں نے اسکو اونٹ پر رکھ دیا۔ انہوں نے سمجھا آپ اپنے کجاوہ میں ہی ہیں۔ چونکہ آپکا وزن بہت کم تھا، اسلئے قافلہ والوں کو علم نہ ہو سکا۔

آپ واپس لوٹ کر وہیں بیٹھ گئیں کہ مجھے تلاش کرنے کے لئے یقیناً قافلہ والے واپس آئیں گے۔ آپ اسی حال میں سو گئیں۔ صفوان بن معطل سلمی جن کو قافلے کے پیچھے رہنے اور کوئی چیز گر جائے تو اسے اٹھانے پر مامور کیا ہوا تھا جب وہاں سے گذرے تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آپ کو چادر سے ڈھانپ لیا اور کوئی کلام نہ فرمایا۔ بس اپنے اونٹ کو بٹھا کر اسکی ٹانگوں پر اپنا پاؤں رکھ دیا تاکہ یہ حرکت نہ کرے، حضرت عائشہ اس پر سوار ہو گئیں۔ اس طرح آپ قافلہ میں پہنچ گئیں، جہاں قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔

آپ کے پہنچنے پر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی منافق نے سب سے پہلے بہتان تراشی شروع کی اور اسکے بعد اور منافق بھی اسکے ہمنوا بن گئے۔ لیکن زیادہ مقام افسوس یہ تھا کہ منافقین کی سازش کے جال میں کئی مخلص صحابہ کرام بھی آگئے۔ یعنی حضرت حسان رضی اللہ عنہ اور مسطح رضی اللہ عنہ جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ کے یا خالہ کی بیٹی کے بیٹے تھے اور

حضرت حمنہ بنت جحش جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت زینب بنت جحش کی بہن تھیں یہ بھی ان لوگوں میں شامل ہوگئے۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ آخر میں نابینا اور مفلوج ہوگئے تھے اور اسی طرح مسطح بھی نابینا ہوگئے تھے۔ اس سے بڑھ کر اور غم کا سبب کیا ہوسکتا تھا کہ مسطح رضی اللہ عنہ ایک غریب شخص تھے ان کا خرچہ بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کو خرچہ نہ دینے کی قسم بھی اٹھالی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس قسم کو توڑنے اور معاف کرنے کا حکم دیا۔

مقام تفکر:

اس واقعہ کے بعد ایک ماہ تک تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کوئی کلام نہ فرمایا۔ ایک ماہ بعد فرمایا، جو اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے گا وہی ہوگا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں، میں اس پر بہت خوش ہوئی کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ میں پاکدامن ہوں، اللہ تعالیٰ ضرور میرے حق میں فیصلہ فرمائے گا۔

جب سورہ نور کی اٹھارہ آیات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی بیان کرنے کے لئے اور منافقین کی مذمت کے لئے نازل ہوئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر ان آیات کو سنایا۔

گستاخان مصطفیٰ کی دلیل:

یہاں وہ لوگ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو ہر وقت کم کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں وہ کہتے ہیں اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ہوتا تو آپ پریشان کیوں ہوتے اور آپ کو وحی کا انتظار کیوں ہوتا؟

ان جہلاء کے سامنے میں تفسیر کبیر سے علامہ فخرالدین رازی رضی اللہ عنہ کی ایک عبارت پیش کرتا ہوں، وہ مانیں یا نہ مانیں لیکن کم از کم دوسرے کم علم لوگ تو گمراہ نہ ہوں۔ علامہ رازی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

"ولو عرف ذالک لما ضاق قلبہ" اگر کوئی شخص کہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کو علم تھا تو آپ پریشان کیوں تھے۔

والجواب انه علیه السلام کثیراً ما کان یضیق قلبه من اقوال الکفار مع علمه بفساد تلک الاقوال قال تعالیٰ ولقد نعلم انک یضیق صدرک بما یقولون- فکان هذا من هذا الباب (کبیر جزء ۲۲ ص ۱۷۳)

اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کثیر طور پر کافروں کی باتوں سے پریشان ہو جاتے تھے، حالانکہ آپ کے دل کو ان باتوں سے تنگی حاصل ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ بھی اسی قبیلے سے ہے۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کے بعد واضح ہو گیا کہ آپ کو پریشانی صرف کافروں، منافقوں کی باتوں سے ہو رہی تھی آپ کو معلوم تھا کہ یہ غلط کہہ رہے ہیں۔ اور خصوصاً جب اپنے بھی سازش کا شکار ہو چکے تھے تو پریشانی کی اور زیادتی کا یہ سبب بھی بن گیا۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے پہلے اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی منافقوں کی باتوں کا رد فرماتے تو ان کے منہ بند کرنے مشکل تھے۔ لیکن قرآن پاک کے نزول کے بعد ان کو ظاہراً کچھ کہنے کی جرات نہ ہو سکی۔ کیونکہ قرآن پاک نے تو واضح طور پر ان کو چیلنج کر دیا تھا "فاتوا بسورۃ من مثلہ" قرآن پاک کی ایک چھوٹی سی سورۃ جیسی سورۃ تم بھی بنا کر پیش کرو۔ لیکن وہ کوشش کے باوجود عاجز آ چکے تھے۔

غیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے

لقائل ان یقول قد اخبراً صلی الله علیه وسلم عن المغیبات وقد جاءت احادیث فی الصحیح بذالک وهو اعظم من معجزاته صلی الله علیه وسلم فکیف الجمع بینه وبین قوله ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر واجیب انه یحتمل ان یکون قاله علیٰ سبیل التواضع والادب، المعنی لا اعلم الغیب الا ان یطلعنی الله علیه ویقدره لی- (جمل، حاشیہ جلالین پ ۹ زیر تفسیر لو کنت اعلم الغیب)

اگر کوئی اعتراض کرے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت غیبی خبریں دی ہیں اور صحیح احادیث میں ان کا ذکر ہے، اور علم غیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم معجزہ ہے تو ان احادیث (جن میں آپکی غیبی خبروں کا ذکر ہے) میں اور قرآن پاک کی اس آیۃ کریمہ "ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر" میں مطابقت کیسے ہو گی۔ اسکا

جواب یہ دیا جائے گا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عجز وانکساری کے طور پر اور از روئے ادب یہ کہا ہے کہ میں خود غیب نہیں جانتا جب تک مجھے اللہ اس پر مطلع نہ کرے اور قدرت نہ دے۔

اب تفاسیر کے واضح بیانات سے یہ مقصد بخوبی حاصل ہوگیا کہ مطلقاً علم غیب کی نفی نہیں بلکہ جن آیات میں بظاہر نفی نظر آرہی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ از خود غیب نہیں جانتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے جانتے ہیں۔

بعض لوگوں کی غیب کے معنیٰ سے بے خبری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو غیبی خبریں بیان کی ہیں جب ان کا جواب غیب کے منکرین سے نہیں بن پاتا تو کج روی اور الٹی چال اس طرح چلی جاتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتا دیا تو غیب کیسے رہا۔

سبحان اللہ قربان جاؤں احمقوں کی عقل پہ جو غیب کے معنیٰ سے آج تک بے خبر ہیں۔ ذرا غور کریں غیب کیا ہے۔

"عالم الغیب و الشھادۃ" (پ ۲۸ ع ۶) اللہ تعالیٰ غیب اور ظاہر کو جاننے والا ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز غیب ہے کہ وہ اسے جانتا ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سب اشیاء موجود ہیں کوئی غیب نہیں۔ تو پھر آیۃ کا معنیٰ کیا ہوا

"عالم الغیب ای الذی غاب عن جمیع خلقه و الشھادۃ ای الذی وجد فکان یحسه ویطلع علیه بعض خلقه" (الخطیب)

غیب سے مراد وہ اشیاء جو تمام مخلوق سے غیب ہوں اور شھادۃ سے مراد وہ اشیاء جو پائی جاتی ہوں، محسوس ہوں اور مخلوق میں سے بھی بعض ان پر مطلع ہوں۔

اب واضح ہوا کہ غیب سے مراد یہ نہیں کہ جو غیب کو جاننے والا ہے اس نے وہ

چیزیں چھپی ہوں، اس معنی کے لحاظ سے رب تعالیٰ کو عالم الغیب کہنا ہی کفر ہے بلکہ غیب سے مراد جو چیزیں تمام مخلوق پر مخفی ہوں، ان کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے لھذا اس ذات کبریا کو عالم الغیب کہتے ہیں۔

اب خدارا انصاف کیجئے کہ اس معنی کے لحاظ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا جاننے والا کیوں نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان چیزوں پر مطلع فرما دیا جن چیزوں سے باقی مخلوق بے خبر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی غیبی خبریں دی ہیں جن میں سے کچھ واقع ہو چکی ہیں اور کچھ انشاء اللہ ضرور بر ضرور واقع ہو کر رہیں گی۔

اب یہ واضح ہو گیا کہ یہ کہنا کہ جن چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا ہے ان کو غیب کہنا صحیح نہیں۔ یہ لغو اور بے ہودہ قول ہے گویا کہ اپنی زبان سے اپنی جہالت کے اقرار کرنے کے مترادف ہے۔

عطائی غیب کو اللہ تعالیٰ نے خود غیب کہا

و ما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب و لکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء (پ ۴ ع ۹) اور اللہ نہیں ہے کہ تم کو خبر دے غیب کی لیکن اللہ چھانٹ لیتا ہے اپنے رسولوں میں جس کو چاہے (ترجمہ محمود الحسن صاحب)

مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

بے شک خدا کو آسان تھا کہ تمام مسلمانوں کو بدون امتحان میں ڈالے منافقوں کے کارناموں سے مطلع کر دیتا، لیکن اس کی حکمت و مصلحت مقتضی نہیں کہ سب لوگوں کو اس قسم کے غیوب سے آگاہ کر دیا کرے۔ ہاں وہ اپنے رسولوں کا انتخاب کر کے جس قدر غیوب کی یقینی اطلاع دینا چاہے دے دیتا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ عام لوگوں کو بلاواسطہ کسی غیب کی یقینی اطلاع نہیں دی جاتی انبیاء علیہم السلام کو دی جاتی ہے مگر جس قدر چاہے۔

عالم الغیب فلا یظہر علیٰ غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول غیب کا جاننے والا تو اپنے

غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

انہ تعالیٰ لا یطلع علی الغیب الذی یختص بہ علمہ الا المرتضیٰ الذی یکون رسولا وما لایختص بہ یطلع علیہ غیرالرسول ایضاً اما بتوسیط الانبیاء او بنصب الدلائل وترتیب المقدمات او بان یلھم اللہ بعض الاولیاء وتوع بعض المغیبات فی المستقبل (روح البیان)

بیشک اللہ تعالیٰ اپنے مختص غیبی علوم کو کسی پر مطلع نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے البتہ وہ علوم غیبیہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص نہیں وہ رسولوں کے بغیر اور اولیاء کرام کو بھی ان پر مطلع کر دیتا ہے۔ انبیاء کرام کے واسطہ سے یا دلائل کے تقرر اور ترتیب مقدمات سے یا اللہ تعالیٰ بعض اولیاء کرام کو الھام کے ذریعے بعض غیبی اشیاء جنہوں نے مستقبل میں واقع ہونا ہوتا ہے ان پر مطلع فرما دیتا ہے۔

اہل سنت وجماعت بریلوی مسلک کا غیب میں عقیدہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم غیبیہ میں بریلوی مسلک اہل سنت وجماعت کے علماء کرام کا وہی عقیدہ ہے جو سلف صالحین کا ہے۔ راقم بفضلہ تعالیٰ علامہ نووی، علامہ سیوطی، علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدر محمود عینی رحمھم اللہ تعالیٰ اور اسی قسم کے جلیل القدر علماء کرام کی تصنیفات سے سینکڑوں جگہ دکھا سکتا ہے جہاں ان حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کو علم غیب کہا ہے اور علم غیب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ کہا ہے۔

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تدریجاً علوم غیبیہ پر مطلع کیا گیا۔ جب آپ دنیا سے تشریف لے گئے آپ کو تمام علوم دنیا وآخرت پر مطلع کر دیا گیا۔ یعنی آپ کو لوح محفوظ کے تمام علوم پر مطلع کر دیا گیا، اگرچہ کئی چیزوں کو ظاہر نہ کرنے کا آپ کو حکم دیا گیا۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یخرج من الدنیا حتیٰ اعلمہ اللہ بجمیع مغیبات الدنیا والاخرۃ ولکن امر یکتم اشیاء منہا (صاوی زیر آیۃ یسئلونک عن الساعۃ پ ۳۰)

بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے نہیں تشریف لے آئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جمیع غیبی علوم دنیا وآخرت پر مطلع فرما دیا، البتہ بعض اشیاء کے چھپانے

کا آپ کو حکم دیا گیا تھا۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ذاتی نہیں بلکہ عطائی یعنی آپ کو رب نے عطا کیا ہے۔ آپ کا علم محدود ہے رب تعالیٰ کا علم غیر محدود ہے۔ یعنی یوں کہا جائے کہ تمام مخلوقات کے علوم کو جمع کیا جائے تو کسی ایک نبی کے علم کے مقابلہ میں وہ ایک قطرہ ہوگا اور نبی کا علم سمندر ہوگا۔
تمام انبیاء کرام کے مجموعی علوم ایک قطرہ ہیں اور انکے مقابل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ایک سمندر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اللہ تعالیٰ کا علم کے سامنے ایک قطرہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے علم کو سمندر کہنا بھی غلط ہے کیونکہ سمندر محدود ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم غیر محدود ہے۔

ہمارا اللہ بہت بڑا ہے

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم اذان میں، نماز میں اللہ اکبر پڑھتے ہیں تو اس پر ہمارا کامل ایمان بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔ زبانی توحید کے علمبرداروں کا اس پر ایمان نہیں وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کو چھوٹا مانتے ہیں۔ اسی لئے انہیں ہر وقت اللہ کی فکر لاحق رہتی ہے۔ ہمارا اللہ بہت ہی بڑا ہے ہمیں اسکی فکر نہیں رہتی۔
اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب یہ کہا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا اور آخرت کے تمام غیبی علوم حاصل ہیں تو جن کا خدا چھوٹا ہے انہیں یہ فکر لاحق ہو جاتی ہے کہ یہ تو خدا سے برابری ہو گئی، شرک ہو گیا۔ لیکن ہمارا پروردگار تو بہت ہی بڑا ہے اس کا علم دنیا اور آخرت میں محدود نہیں، اس کے علم کی جب کوئی حد ہی نہیں تو برابری کیسے اور شرک کیسے لازم آیا۔
نیز دنیا اور آخرت کے تمام علوم مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رب کریم نے عطا فرمائے، لینے والے اور دینے والے میں برابری کیسے اور شرک کیسا۔ جہلاء نے تو شرک فیکٹریاں لگا دی ہیں۔ آگے دیکھیں تو شرک، پیچھے دیکھیں تو شرک، دائیں دیکھیں تو شرک، بائیں دیکھیں تو شرک۔ خدارا مسلمانوں کو مشرک بنانے کے بجائے غیر مسلموں کو اسلام کے قریب لانے کی کوشش کریں مسلمانوں کو مشرک کہہ کر اپنی

عاقبت برباد نہ کریں۔

قارئین کرام! انصاف کریں شمع رسالت کے پروانے اللہ تعالیٰ کی شان زیادہ مانتے ہیں یا نام نہاد توحیدی، ان توحیدیوں کے قرآن پاک کے تراجم دیکھیں تو پتہ چل جائے گا کہ انہوں نے خدا کو بھولنے والا، ٹھٹھا مزاح کرنے والا، مکر کرنے والا، فریب کرنے والا، دھوکا دینے والا، دھوکا دئے جانے والا، پتہ نہیں کیا کیا نہیں کہا۔

میری کتاب تسکین الجنان فی محاسن کنزالایمان کا مطالعہ کریں تو انشاء اللہ واضح طور پر آپ کو سمجھ آئے گا کہ بریلوی حضرات اللہ تعالیٰ کی شان کو کتنا بلند و بالا مانتے ہیں اور دیو بندی صرف نام کے توحیدی ہیں وہ حقیقت میں رب تعالیٰ کی شان کو سمجھنے سے ہی قاصر رہے۔

بات قسمت کی ہے:

کوئی شخص ساری عمر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن و کمالات کا متلاشی رہتا ہے عمر بھر احادیث وتفاسیر کی ورق گردانی اور چھانٹ کرتا رہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کی وسعت اور آپ کو رب تعالیٰ کی طرف سے اختیارات کی وسعت محدثین و مفسرین نے جس طرح بیان کی ہے اسی طرح بیان کی جائے۔ یہ بھی خوش قسمت انسان پر رب تعالیٰ کا انعام ہے کہ اسے مداح رسول بنا دے، ورنہ انسان سے کماحقہ مدحت رسول کیسے ہو سکتی ہے۔

اے رضا خود صاحب قرآن ہے مداح حضور
تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی

جس ذات بابرکات کی تعریف رب کائنات کرے، اس سے مستغنی ہو کر انسان نے بھلا نقصان اور عذاب جہنم کے سوا حاصل ہی کیا کرنا ہے؟

وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

اور کسی کی قسمت میں یہ ہے کہ وہ عمر بھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقص کا متلاشی رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے غیبی علوم عطا تو کئے

تھے لیکن کچھ کچھ۔وہ بھی عطا کرنے کے بعد لوگوں پر غیب ہونے کے باوجود غیب نہیں رہے۔آپ کو تو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں۔آپ کے علوم جیسے تو تمام حیوانوں یعنی کتوں اور گدھوں اور پاگل، دیوانہ لوگوں کو بھی حاصل تھے(معاذاللہ)۔آپ کے علوم سے شیطان کے علوم زیادہ تھے، آپ کا مرتبہ بڑے بھائی جیسا تھا۔آپ کا خیال نماز میں آجانے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے لیکن گدھے، بیل، خچر اور زوجہ کی مجامعت کا خیال آنے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔آپ کو اپنی جان کا بھی اختیار نہیں تھا اور کس کا ہوتا۔

وہابیوں، دیوبندیوں گستاخان رسول اللہ کی مندرجہ بالا عبارات بمع انکی کتب کے صفحات کے میں نے اپنی کتاب شمع ہدایت کے مقدمہ میں تحریر کردی ہیں۔

ذکر روکے فضل کاٹے نقص کا جویاں رہے
پھر کہے مردود کہ ہوں امت رسول اللہ کی

اپنی اپنی قسمت کا معاملہ ہے جھگڑا ہی کیا، ہم تو دل و جان سے اپنے رب تعالیٰ کے انعامات پر راضی اور شاکر ہیں کہ اس نے ہمیں محب رسول بنایا، گستاخ رسول نہیں بنایا۔اے مولائے کائنات میں تیرا شکر کیسے ادا کروں کہ تو نے مجھے اتنی بڑی نعمت سے سرفراز کیا کہ میرے قلم اور میری زبان سے تیرے حبیب پاک کے محاسن و کمالات کا ذکر ہی ہوتا ہے، نقص و عیوب کا نہیں۔اے اللہ! یہی انعام میری اولاد پہ بھی قائم و دائم رکھنا۔

فقہ کی مشہور کتاب نورالایضاح پر عربی حاشیہ بنام ذریعۃ النجاح میں نے تحریر کیا اس میں عربی شعر کو میں نے کچھ ترمیم کرکے یوں تحریر کیا،

رضینا قسمۃ الجبار فینا لنا حب و للجہال عناد

ہم اپنے رب کی تقسیم پر راضی ہیں کہ اس نے ہمیں محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم جیسی عظیم نعمت عطا کی اور دوسرے جہلاء، متعصبین کو گستاخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنادیا۔(انتہی ھذا البحث)

حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما سے کون افضل

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو نہایت حسین انداز میں بیان کیا اور اسی طرح علامہ نووی نے بھی یہی بیان کیا۔شیخ فرماتے ہیں،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام نے پوچھا آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ فرمایا عائشہ پھر پوچھا مردوں میں سے فرمایا ان کے والد۔ پھر حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب کون تھا تو آپ نے فرمایا فاطمۃ الزہرا پھر لوگوں نے پوچھا مردوں میں سے کون؟ فرمایا ان کے شوہر یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔

ان میں تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ ازواج مطہرات میں محبوب تر سیدہ عائشہ صدیقہ اور اولاد میں محبوب تر سیدہ فاطمۃ الزہرا اور اہل بیت میں سے حضرت علی المرتضیٰ اور اصحاب میں سے محبوب تر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ کیونکہ محبت کے زیادہ ہونے کی مختلف وجوہ ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اگرچہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو بھی فضیلت حاصل ہونے کی وجوہ نظر آتی ہیں لیکن ایسی وجوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں بھی پائی جاتی ہیں۔ حضرت فاطمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شکل وشباہت، چال ڈھال، رفتار میں مشابہ تھیں۔ ان کے آنے پر حضور کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے، ان کے ہاتھ اور پیشانی چومتے۔ حضور ان کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ کھڑی ہو جاتیں اور حضور کے ہاتھ چومتیں۔

آپ جنت کی کلی ہیں اسی وجہ سے آپ کا لقب زہرا ہوا کیونکہ پھول کی کلی کو زہرا کہا جاتا ہے۔ مدارج النبوت میں ایک قول آپ کے حیض ونفاس سے پاک ہونے کا بھی ملتا ہے واللہ اعلم۔ آپ کو دنیا سے کوئی محبت نہ تھی بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہی راغب رہتیں۔ اسی وجہ سے آپ کو بتول کہا گیا کہ دنیا سے انقطاع کرنے والی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو سونگھا کرتے تھے اور فرماتے تھے ان سے جنت کی خوشبو آتی ہے۔

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی مختلف فضائل حاصل ہیں۔ آپ تمام مومنوں کی ماں ہیں۔ آپ کو حضرت فاطمہ کی ماں ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔ آپ بہت بڑی عالمہ، فقیہہ، زاہدہ اور سخی تھیں۔ آپ کے بستر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کئی مرتبہ وحی آئی۔ جبریل امین نے آپ کی طرف بواسطہ نبی کریم سلام بھیجا۔ اور نبی کریم کی وفات آپ کے گھر، آپ کی گود میں سر رکھے ہوئے حال میں ہوئی۔ حضور آپ کے حجرہ میں مدفون ہوئے۔ اسلئے بحیثیت بیٹی ہونے کے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

محبوب اور افضل اور بحیثیت زوجہ ہونے کے حضرت عائشہ محبوب اور افضل ہیں۔ راقم کا بھی یہی عقیدہ ہے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین سیدہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔ انکی والدہ کا نام زینب بنت مظعون ہے جو حضرت عثمان بن مظعون کی بہن ہیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا اور ہجرت کی۔ حضور سے پہلے یہ خنیس بن حذافہ کی زوجیت میں تھیں اور خنیس اہل بدر میں سے تھے۔ وہ جب فوت ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پیشکش کی کہ اگر تم چاہو تو حفصہ کا نکاح میں تمہارے ساتھ کر دوں کیونکہ اس وقت سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں انتقال فرما چکی تھیں۔ لیکن حضرت عثمان نے سوچنے کی کچھ مہلت طلب کی۔ کچھ سوچنے کے بعد کہا کہ میں ابھی چند دن نکاح نہیں کرنا چاہتا۔ ان کے بعد حضرت عمر نے حضرت ابو بکر کو کہا لیکن انہوں نے بھی انکار کر دیا۔ حضرت عمر کو ان حضرات پر کچھ ناراضگی بھی ہوئی کہ انہوں نے میری پیشکش کو ٹھکرا دیا۔

حضرت عمر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے عثمان کو کہا کہ تم حفصہ سے نکاح کر لو لیکن انہوں نے انکار کر دیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ عثمان کو حفصہ سے بہتر زوجہ عطا فرمائے اور حفصہ کو عثمان سے بہتر خاوند عطا فرمائے۔ اسکے چند دنوں بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کو اپنی زوجیت میں لانے کا پیغام دیا تو حضرت عمر نے قبول کر لیا اور آپ سے نکاح کر دیا۔

اور حضرت عثمان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیٹی ام کلثوم سے نکاح ہو گیا۔ اس طرح حضور کی دعا حرف بحرف قبول ہو گئی۔ ان سے نکاح ہجرت کے دوسرے سال کے آخر یا تیسرے سال کی ابتدا میں ہوا۔

حضرت حفصہ بہت روزے رکھا کرتی تھیں اور رات کو جاگ کر عبادت کرنا آپ کا معمول تھا۔ ان کی ولادت بعثت کے پانچ سال پہلے ہوئی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے

زمانہ میں ساٹھ سال کی عمر میں انہوں نے وفات پائی۔
آپ سے ساٹھ حدیثیں مروی ہیں۔چار بخاری اور مسلم کی متفق علیہ اور تنہا مسلم میں چھ اور پچاس احادیث کی دوسری کتب میں مذکور ہیں۔

حضرت زینب بنت خزیمہ ہلالیہ عامریہ رضی اللہ عنہا

حضرت زینب بنت خزیمہ کو زمانہ جاہلیت میں ام المساکین کہا جاتا تھا یعنی مسکینوں کی ماں۔ یہ غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلاتی تھیں۔بہت زیادہ شفقت فرماتی تھیں۔ یعنی سخاوت آپ کے اخلاق کریمہ کا ایک خصوصی حصہ تھا۔
پہلے یہ حضرت عبداللہ بن جحش کی زوجیت میں تھیں (اور قول بھی ہیں لیکن مواہب لدنیہ میں اسی کو ترجیح دی گئی ہے) وہ غزوہ احد میں شہید ہوگئے۔ان کے بعد ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت اور مومنوں کی ماں ہونے کا شرف حاصل ہو گیا۔ لیکن حضور کی زوجیت میں چند ماہ ہی رہنا نصیب ہوا۔ یعنی ایک سال بھی مکمل نہ ہوسکا تو ان کا انتقال ہو گیا۔ یعنی ربیع الثانی ۴ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ظاہری حیات طیبہ میں ہی ان کا وصال ہو گیا اور انہیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔
خیال رہے کہ جنت البقیع میں ایک خاص قبہ تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا تھا جس کا نام ہی قبۂ ازواج النبی تھا، اسے سعودی حکومت نے گرا دیا تھا۔ تمام مزارات سے محمد بن عبدالوہاب نجدی اور اسکے چیلوں نے ایسا ہی سلوک کیا۔ صحابہ کرام، ازواج مطہرات، اہل بیت النبی کے مزارات کو شہید کر کے ان لوگوں نے اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کر دیا ہے، رسول دشمنی کا ثبوت پیش کر دیا ہے۔
آج بھی محمد بن عبدالوہاب نجدی کی معنوی اولاد نجدیوں کے یہی کام ہیں۔ مزارات سے دشمنی کر کے خباثت باطنی کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

ازواج مطہرات میں سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں جن کا نام ہند بنت ابی امیہ مخزومی تھا۔ان کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ ہے۔یہ پہلے ابو سلمہ عبد بن الاسد کی زوجیت میں تھیں۔جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی برہ بنت عبد المطلب کے فرزند ہیں۔ یہ دونوں خاوند، بیوی حبشہ کی جانب ہجرت کرنے والوں سے ہیں۔

ان کے چار بچے تھے زینب، مسلمہ، عمرو اور درہ۔ ان میں سے دو یعنی زینب اور عمرو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر پرورش رہے۔

ابو سلمہ غزوہ احد میں زخمی ہوئے لیکن بعد میں ٹھیک ہو گئے۔ اس کے بعد پھر ان کو ایک لشکر میں جانا ہوا تو وہ پہلے زخم پھر تازہ ہو گئے۔ اسی طرح ۴ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، میں اپنے خاوند کی وفات سے حاصل ہونے والی مصیبت پر یہ دعا کرتی تھی جو حضور مصیبت کے وقت پڑھنے کے لئے فرماتے تھے،

"اللھم اجرنی فی مصیبتی و اخلف لی خیراً منھا" اے اللہ میری مصیبت میں میرا اجر قائم فرما اور اس سے بہتر میرے لئے اس کا قائم مقام بنا۔

آپ کہتی ہیں کہ میں جب یہ دعا کرتی تو سوچتی تھی کہ ابو سلمہ سے بہتر کون ہو گا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق دعا پڑھتی رہی۔ حضور کی زوجیت میں آکر دعا کا اثر واضح ہو گیا۔

ابو سلمہ کی وفات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تعزیت کے لیے تشریف لائے، دعا فرمائی، اے اللہ ان کے غم کو تسکین دے اور ان کی مصیبت کو دور فرما۔ اور بہتر عوض فرما۔ ایسا ہی ہوا جیسے آپ نے دعا فرمائی۔

ام سلمہ کے پاس حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے بھی پیغام بھیجا تھا لیکن انہوں نے رد کر دیا۔ اس کے بعد جب ان کے پاس حضور کا پیغام آیا تو انہوں نے کہا، مرحبا برسول اللہ۔ لیکن ساتھ یہ بھی عرض کیا کہ میں بڑی عمر کی عورت ہوں اور میرے ساتھ یتیم بچے بھی ہیں اور میں بہت غیر تمند عورت ہوں (یعنی دوسری ازواج کو کیسے برداشت کروں گی) تو آپ نے فرمایا کہ میں بھی بڑی عمر رکھتا ہوں۔ تمہارے یتیم بچوں کی پرورش اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ذمہ ہے۔ جہاں تک تمہارے غیر تمند ہونے کی بات ہے اس کے لئے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ یہ وصف تم سے دور کر دے۔ آپ کی دعا سے ایسا ہی ہوا کہ ان کو بعد میں کسی دوسری زوجہ مطہرہ پر کوئی اعتراض نہ ہو سکا۔

شوال ۴ھ میں ان کا نکاح ہوا ان کو وہ گھر عطا کیا گیا جو زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے خالی ہوا تھا۔ اس گھر میں ایک گھڑے میں جو کے دانے، ایک پتھر کی

ہنڈیا، ایک چکی تھی۔ جو کے دانے انہوں نے خود پیسے اور آٹا تیار ہونے پر اسی سے ولیمہ کیا گیا۔

تمام ازواج مطہرات سے بعد ان کی وفات ہوئی۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہا کی شہادت کے وقت آپ زندہ تھیں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے سر مبارک اور داڑھی مبارک میں گرد وغبار پڑا ہوا ہے اور آپ کے آنسو جاری ہیں۔ انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ آپ کیوں رو رہے ہیں اور آپ کا یہ حال ایسے کیوں ہے ؟ تو آپ نے فرمایا کہ جہاں امام حسین کو شہید کیا گیا ہے میں وہاں موجود تھا۔

آپ کی عمر وفات کے وقت چوراسی سال تھی۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ آپ سے تین سو اٹھتر حدیثیں مروی ہیں، بخاری و مسلم کی متفق علیہ تیرہ اور صرف بخاری میں تین اور صرف مسلم کی تیرہ اور باقی آپ کی روایات کردہ احادیث دوسری کتب میں ہیں۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

حضرت زینب بنت جحش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبد المطلب کی بیٹی ہیں۔ ان کا پہلا نام برہ تھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام زینب رکھا تھا۔ کیونکہ برہ کا معنی ہے نیکی تو اس خیال سے نام بدلا تھا کہ کوئی یہ نہ کہے کہ برہ تو گھر میں نہیں یعنی نیکی گھر میں نہیں۔

ان کی کنیت ام الحکم تھی۔ یہ پہلے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ ان کا نکاح حضرت زید سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر ہی ہوا تھا۔

ایک مرتبہ انہوں نے حضرت زید کے لئے نبی کریم کے پیغام کو رد کر دیا تھا کیونکہ حضرت زید آزاد کردہ غلام تھے اور یہ حضور کی پھوپھی کی بیٹی اور حسن و جمال والی اور طبیعت میں بھی تیزی تھی یعنی اپنی برتری کا خیال رکھتی تھیں۔ ان کے انکار میں ان کے بھائی عبد اللہ بن جحش نے بھی ساتھ دیا تھا۔

حضور نے انہیں پھر قبول کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے کچھ غور و فکر کی مہلت طلب کی،

تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیۂ کریمہ نازل ہو گئی۔

و ما کان لمؤمن و لا مؤمنۃ اذا قضی اللہ و رسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم و من یعص اللہ و رسولہ فقد ضل ضلالا بعیدا (پ ۲۲ ع ۲)

کسی مسلمان مرد اور عورت کو حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول فیصلہ فرما دے ان کو اپنے معاملہ میں کوئی اختیار رہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی بلاشبہ وہ کھلی گمراہی میں ہوا۔

اس آیۂ کریمہ کے نزول کے بعد حضرت زینب اور ان کے بھائی نے عرض کیا ہم راضی ہیں۔ ہماری کوئی مجال نہیں کہ ہم اپنے اختیار کو درمیان میں لائیں۔ اس طرح ان کا نکاح حضرت زید سے ہو گیا۔

ایک سال یا کچھ زائد عرصہ یہ حضرت زید کی زوجیت میں رہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دے دی کہ زینب تمہارے نکاح میں آئیں گی۔

اسی عرصہ میں دونوں یعنی زید اور زینب رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا۔ حضرت زید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر طلاق کی اجازت طلب کرنے لگے۔ اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے علم عطا کر دیا گیا تھا کہ ان کو طلاق ہو جانی ہے لیکن آپ نے انھیں سمجھایا کہ ایسا نہ کرو۔ لیکن وہ کچھ دیر بعد پھر آکر عرض کرنے لگے میں نے طلاق ضرور دینی ہے۔ اس طرح ان کو طلاق ہو گئی۔

حضرت زید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنیٰ (منہ بولے بیٹے) تھے۔ آپ کو یہ بھی خیال تھا کہ لوگ کہیں گے کہ اپنے متبنیٰ کو طلاق دینے کے لئے کہا اور خود نکاح کر لیا۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں متبنیٰ کو حقیقی بیٹا سمجھا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم کے باوجود نبی کریم کا ظاہر نہ کرنا اور ان کو طلاق نہ دینے کے مشورہ کو رب تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا۔

و اذ تقول للذی انعم اللہ علیہ و انعمت علیہ امسک علیک زوجک و اتق اللہ و تخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ و تخشی الناس و اللہ احق ان تخشاہ (پ ۲۲ ع ۲)

اور جب تم فرماتے تھے اس سے جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے اسے نعمت دی کہ اپنی بی بی اپنے پاس رہنے دو اور اللہ سے ڈرو۔ اور تم اپنے دل میں وہ رکھتے تھے جسے اللہ

کو ظاہر کرنا منظور تھا اور تمہیں لوگوں کے طعنہ کا اندیشہ تھا۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ اللہ سے خوف رکھو۔

حضرت زینب کی عدت مکمل ہونے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کو ہی ان کے پاس اپنا پیغام دے کر بھیجا۔ ان کو بھیجنے میں حکمت بھی یہی تھی کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ حضرت زید نے اپنی مرضی سے طلاق دی۔ ان پر کوئی جبر نہیں تھا۔

جب حضرت زید ان کے پاس گئے اور کہا کہ تم خوش ہو جاؤ کہ تمہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے پیغام دیا ہے انھوں نے کہا میں اس معاملہ میں اس وقت تک کوئی فیصلہ نہیں کرتی جب تک اللہ تعالیٰ سے نہ پوچھ لوں۔ یعنی استخارہ کروں گی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق فیصلہ کروں گی۔

ادھر اللہ تعالیٰ نے اپنا فیصلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں سناتے ہوئے ارشاد فرمایا،

فلما قضیٰ زید منہا و طراً زوجناکہا لکی لا یکون علی المؤمنین حرج فی ازواج ادعیائھم اذا قضوا منھن وطراً (پ ۲۲ ع ۲)

پھر جب زید کی غرض اس سے نکل گئی تو ہم نے وہ تمہارے نکاح میں دے دی کہ مسلمانوں پر کچھ حرج نہ رہے ان کے لے پالک کی بیبیوں میں، جب ان سے ان کا کام ختم ہو جائے۔

وحی کے نزول کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ حضرت سلمیٰ نے ان کو بشارت دی اور اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا، وہ سجدہ شکر بجالائیں اور دو ماہ روزے رکھنے کی نذر مانی۔

آپ عام طور پر کہا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے خود میرا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔

آپ بہت زیادہ سخاوت کرتی تھیں، آپ دستکاری کے کاموں کو سرانجام دے کر حاصل ہونے والی مزدوری یتیموں اور بیواؤں میں تقسیم کر دیتی تھیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح حدیث مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا، "اطولکن یداً اسرعکن" یعنی

تم تمام میں سے لمبے ہاتھوں والی مجھے سب سے پہلے ملے گی۔ ازواج مطہرات ایک دوسری کے ہاتھ ناپتیں، اس طرح سب سے لمبے ہاتھ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے تھے۔ لیکن سب سے پہلے حضرت زینب کے وصال سے ازواج مطہرات کو معلوم ہوا کہ لمبے ہاتھوں سے مراد سخاوت اور صدقہ و خیرات کی کثرت تھی۔
اسی وجہ سے ان کی وفات پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا "ذھبت حمیدۃ مفیدۃ مفروعۃ للیتامیٰ و الارامل" اچھی عادات والی، فائدہ پہنچانے والی اور یتیموں اور بیوہ عورتوں کی خبر گیری کرنے والی دنیا سے چلی گئی۔
ھجرت کے بیسویں سال آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ آپ نے اعلان فرمایا تھا کہ اے مومنو! اپنی ماں کی نماز جنازہ میں شریک ہو جاؤ۔ آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔
آپ سے گیارہ حدیثیں مروی ہیں ان میں سے دو حدیثیں بخاری اور مسلم کی متفق علیہ ہیں اور دوسری باقی کتب میں ہیں۔

حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا

ازواج مطہرات میں سے حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا بھی ہیں۔ ان کا اصلی نام بھی برہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام جویریہ رکھا تھا۔ یہ بہت بڑی عبادت گزار اور اللہ کا ذکر کرنے والی تھیں۔ صبح سے چاشت تک اپنے مصلی پر بیٹھے عبادت میں مشغول رہتیں۔
حضرت جویریہ بہت شیریں زبان، خوبصورت، بہت ہی حسن و جمال والی تھیں۔ غزوہ مریسیع جو ماہ شعبان ۵ ھ میں تھا اس سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے ان کو طلب کیا۔ وجہ اسکی یہ تھی کہ حضرت جویریہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا، یا رسول اللہ میں مسلمان ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔
"اشھد ان لا الہ الا اللہ و انک رسولہ" آپ نے پڑھا۔ پھر بتایا کہ میں اس قبیلہ (جس سے جنگ ہوئی تھی) کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں، اب لشکر اسلام کی قیدی ہوں اور ثابت بن قیس کے حصہ میں آگئی ہوں اس نے مجھے اتنی رقم ادا کر کے آزاد کرنے کا کہا ہے (یعنی اس نے کثیر رقم پر مجھے مکاتب بنایا ہے) جو میں ادا کرنے

کی طاقت نہیں رکھتی۔اسلئے اس سلسلہ میں میری معاونت کی جائے۔

آپ نے فرمایا، اس سلسلہ میں تمہاری امداد کی جائے گی اور اس سے بھی بہتر تمہارے ساتھ سلوک کیا جائے گا۔تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو کہا جنہوں نے ان کا مال کتابت ادا کر دیا تو آپ ان کو اپنے نکاح میں لے آئے۔جب یہ آپ کے نکاح میں آئیں تو انکے خاندان کے ایک سو کی تعداد میں جو لوگ غلام اور غلامہ بنائے گئے تھے تمام کو صحابہ کرام نے آزاد کر دیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال کے لوگ ہمارے غلام نہ رہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نہیں جانتی حضرت جویریہ سے بڑھ کر ازواج مطہرات میں سے کوئی اور خیر و برکت والی ہو۔

حضرت جویریہ کہتی ہیں میں نے اپنے قبیلہ میں ہی ایک خواب دیکھا تھا کہ یثرب کی جانب سے ایک چاند چلتا ہوا آرہا ہے جو میری آغوش میں آگیا۔اگرچہ یہ خواب میں نے کسی کو بتایا تو نہیں تھا، لیکن میں نے خود ہی اسکی تعبیر جو نکالی تھی وہ الحمد للہ پوری ہو گئی۔

آپ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پینسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔آپ کی نماز جنازہ اس وقت کے والی مدینہ مروان ابن حکم نے پڑھائی۔

ان سے سات حدیثیں مروی ہیں۔بخاری میں دو مسلم میں دو اور باقی احادیث کی دوسری کتابوں میں ہیں۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ابو سفیان بن حرب کی بیٹی ہیں۔انکی والدہ صفیہ بنت ابی العاص جو حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص کی پھوپھی ہیں۔ان کا پہلے نکاح عبیداللہ بن جحش سے تھا جو حضرت عبداللہ بن جحش کا بھائی تھا۔

یہ ابتدائے احوال میں ہی مسلمان ہوئیں۔ان کا خاوند عبیداللہ معاذاللہ مرتد ہو گیا تھا۔عیسائی مذہب قبول کر کے شراب پینے کا عادی بن گیا تھا، اسی حال میں وہ مر گیا۔ پہلے خاوند سے انکی ایک بیٹی تھی جس کا نام حبیبہ تھا اسی وجہ سے انکی کنیت ام حبیبہ

تھی۔ ان کا نام رملہ یا ھند تھا۔ لیکن کنیت سے ہی مشہور تھیں۔ اسی لئے غالباً نام کو بدلنے کی ضرورت بھی پیش نہیں آئی۔

آپ بہت زیادہ پاکیزہ ذات، اچھی صفات والی، سخی اور بلند ہمت والی خاتون تھیں۔ آپ فرماتی ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک شخص مجھے "یا ام المؤمنین" کہہ کر مخاطب کر رہا ہے، تو میں نے سمجھ لیا تھا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں ضرور آؤں گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کے حاکم حضرت نجاشی کی طرف پیغام بھیجا تھا کہ میری طرف سے ام حبیبہ کو پیغام نکاح دے دیا جائے۔ جسے انہوں نے قبول فرما لیا اور خالد بن سعید بن ابی العاص جو حبشہ میں ہی تھے ان کو وکیل بنایا اور حضرت جعفر بن ابی طالب اور حبشہ میں دوسرے مسلمان جو مہاجرین تھے تمام نے نکاح میں شرکت کی۔ خطبہ حضرت نجاشی نے ہی پڑھا۔ اور حاضرین کو کھانا بھی نجاشی نے ہی کھلایا۔

آپ سے نکاح کے وقت ان کا باپ ابو سفیان مشرک تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت سخت دشمن تھا۔ جب حالت کفر میں صلح حدیبیہ کے بعد تجدید صلح کے لئے یہ مدینہ طیبہ آیا تو اپنی بیٹی حضرت ام حبیبہ کے پاس آکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے یہ کہہ کر اٹھا دیا کہ اے میرے باپ! تم کافر و مشرک ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر پاکیزہ ہے اس پر کافر نجس کو بیٹھنے کی اجازت کبھی بھی نہیں دی جا سکتی۔

آپ نے اپنی وفات کے قریب حضرت عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو کہا کہ ایک خاوند کی بیویوں کے درمیان جو معمولی نزاع کبھی ہو جاتا ہے۔ ایسا کوئی معاملہ میری طرف سے ہوا ہو تو خدارا مجھے معاف کرنا۔ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ تمھیں معاف کرے اور تمھارا بوجھ ہلکا کرے۔ ہم تمھیں معاف کر رہی ہیں اور تم سے معافی کی درخواست کرتی ہیں۔ انہوں نے کہا اللہ تمھیں خوش رکھے، تم نے مجھے بہت خوش کیا ہے۔

ان کی وفات مدینہ طیبہ میں ۴۰ھ یا ۴۴ھ میں ہوئی۔ ان سے پینسٹھ حدیثیں مروی ہیں، دو بخاری اور مسلم کی متفق علیہ ایک تنہا مسلم میں، باقی حدیثیں دوسری کتب میں مذکور ہیں۔

حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا

ازواج مطہرات میں سے ام المؤمنین حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب ہیں جو حضرت ھارون بن عمران علیہ السلام کی اولاد سے ہیں پہلے وہ سلام بن مسلم کی زوجیت میں تھیں۔ جب ان میں جدائی ہو گئی تو پھر کنانہ بن ربیع کی زوجیت میں آگئیں۔ کنانہ غزوہ خیبر میں قتل ہو گیا۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آگئیں۔

آپ بہت زیادہ خوبصورت تھیں لیکن قد کچھ چھوٹا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک دن ان کو پست قد والی کہہ دیا تو حضور نے فرمایا، اے عائشہ تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر اسے دریا میں ڈالیں تو اسکا رنگ بدل جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو روتے ہوئے پایا، ان سے وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا مجھے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ یہ طعنہ دیتی ہیں کہ ہمارا نسب تو حضور سے ملتا ہے تم تو بنی اسرائیل سے ہو۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ حضرت ہارون علیہ السلام میرے باپ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میرے چچا ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں ہمراہ تھیں، حضرت صفیہ کا اونٹ تھک کر چلنے سے رہ گیا۔ حضرت زینب کے پاس ایک اونٹ زیادہ تھا حضور اکرم نے زینب سے فرمایا، صفیہ کا اونٹ تھک گیا ہے اسے اونٹ دے دو تاکہ وہ منزل تک پہنچ جائیں۔ حضرت زینب نے عرض کیا میں اس یہودیہ کو کوئی چیز نہیں دوں گی۔ حضور نے ان پر غصہ فرمایا اور دو یا تین ماہ تک ان سے تعلق منقطع رکھا اور اتنے عرصہ تک انکے پاس نہیں گئے۔ کیونکہ اسلام لانے کے بعد ان کو یہودیہ کہنا بہت بڑا جرم تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حق میں کسی کی رعایت کبھی نہیں فرمائی، اگرچہ قلبی لگاؤ کسی سے زیادہ بھی کیوں نہ ہو۔ آپ کی حق کی خاطر ادب سکھانے کے لئے ناراضگی تھی جو جائز تھی۔